سچی کہانی

اکتوبر
2014

کئی کہانیاں
یادگار نمبر

خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، پراسرار، حیرت ناک،
جرائم پر مبنی اور جاسوسی کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور



چیف ایڈیٹر۔ایم اے زاہد

ایڈیٹر۔طاہر امین

ایڈیٹر معاون۔محمد سرور بھٹی (اعزازی)

لیگل ایڈوائزر۔حسیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)

جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 10

اکتوبر 2014ء

پبلشر: محمد امین زاہد

پرنٹرز۔ملک عبید محمد موتی روڈ

قیمت فی شمارہ =60 روپے

سالانہ قیمت بمعہ رجسٹری فیس =1000 روپے

قلمی معاونین

- ......محمد رضوان قیوم
- ......ہبس کرن
- ......رانا جی
- ......فدا شاہین بھٹی
- ......رفعت محمود
- ......نسیم امتیاز

مقام اشاعت۔ماہنامہ سچی کہانی لاہور مکان نمبر 2-A جعفر سٹریٹ نمبر 53 قادر پارک ٹاؤن کوٹ ملتان روڈ لاہور

خط و کتابت و ملاقات کے لیے

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حسیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔موبائل نمبر 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 10

شرربار

میرے وجود ہزار پارہ کو ایک کر دے

یہ شور کیسا ہے؟
خامشی کے سیاہ کفن میں یہ شور کیسا ہے؟
جو سماعت کے سارے پردوں کو چاک کر کے مری رگوں میں اُتر رہا ہے
اسے سُلا دو

جواں اُمنگوں کے سرد لاشے
جمود کے مقبروں سے اُٹھے
تو کائناتی صداقتوں کے نقوش کو بے نشاں کریں گے
زیاں کریں گے

وجود کا ناتواں گھروندا
بکھر گیا تو عتاب بن کر
حیات نا آشنائی کی رُتوں کی ساری فصلیں لتاڑ دے گا
اُجاڑ دے گا

لہو کی رفتار
تیز سے تیز تر شرربار
میری آنکھوں میں، میرے کانوں، میرے ہونٹوں پہ
زخم چنگار بن گئے ہیں

مرے بدن کی تہوں کے اندر ہزار ہا دل دھڑک دھڑک کر
غضب سے للکار بن گئے ہیں
ہے کوئی آواز؟ کوئی حس؟ کوئی اشارہ؟
جو اس وجود پارہ کو ایک کر دے؟

سیدہ نزہت



سیلاب کی تباہ کاریاں اور اسلام ناچ گانے کی محفلیں شرمناک ہیں

سابقہ سیلابوں سے زیادہ اس سال سیلاب کی تباہ کاریاں شدت کے ساتھ جاری ہیں......لاکھوں افراد کے گھر تباہ ہونے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں افراد موت کی وادی میں سو چکے ہیں۔ لاکھوں ایکڑ پر کھڑی فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف طاہر القادری اور عمران خان کے اسلام آباد میں دھرنے جاری ہیں۔ پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ عمران خان کے دھرنوں میں خواتین ناچ گانے میں مصروف ہیں۔ دھرنوں کو ایک ماہ سے زیادہ ہونے کے باوجود بھی کچھ حاصل نہ ہونے پر بھی جشن منایا جا رہا ہے......آتش بازی کا شاندار مظاہرہ کیا جا رہا ہے......یہ سب کچھ شرمناک ہے۔ جس پر پوری دنیا حیران رہ گئی ہے کہ ہارے ہوئے سیاستدان عمران کی ان حرکتوں پر......جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ بہت ہی کم ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ طاہر القادری اور عمران کو تباہ کاریوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اقتدار کے خواہش مندوں کو تو صرف اپنی سیاست چمکانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ جو چور دروازے سے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں......جمہوری طریقے سے نہیں۔ مگر یہ بات عمران خان یاد رکھیں ناچ گانوں اور قومی اداروں کو پامال کر کے کبھی اقتدار نہیں ملتا۔

ایم اے زاہد

میں گہرائیوں میں جا رہی تھی لیکن شاید میری روح نیچے پہنچنے سے قبل ہی بدن کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ میں نیچے گرتے اپنے بدن کو دیکھ رہی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں میں لپک لوں لیکن ان نادیدہ ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں تھی

روح کی واپسی

تحریر...... مس کرن

اس کے علاوہ شاہد میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔

ایک رات اس نے شراب بھی پی تھی۔ جس پر پہلے تو مجھے حیرت ہوئی اور پھر شدید غصہ آیا۔ شاہد نے مجھ سے معافی مانگ لی تھی۔ لیکن میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ اب اس کے وہ جذبات نہ رہے تھے جو چند روز پہلے تھے۔ وہ مجھ سے کترانے لگا تھا اور اکثر تنہا گھومنے نکل جاتا تھا۔ طرح طرح کے بہانے تراشتا تھا۔

ایک بار مجھے شبہ ہوا تو میں نے اس کا تعاقب کیا اور پہلی بار میرا دل کا خون ہو گیا۔ میں نے شاہد کو ایک فرانسیسی عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں بالآخر ایک ہوٹل کے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔

میں نے کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی اور خاموشی سے واپس آ گئی۔ اس رات شاہد ہوٹل سے واپس نہیں آیا تھا۔ رات کو تیز بارش ہوئی تھی اور میں ساری رات ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی خاموش

سڑکوں کو گھورتی رہی تھی۔ اس رات مجھے ڈیڈی کی باتیں بار بار آئی تھیں، وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ پہلے شاہد کو پرکھ لیا جائے اس کے بعد اسے آزادی دی جائے۔ شاہد میں آوارگی کے جراثیم تھے۔ وہ چھوٹا انسان تھا۔ ذہنی طور پر چھوٹا تھا اور ذہنی طور پر چھوٹے انسان کو جب دولت مل جاتی ہے تو وہ بہت پست ہو جاتا ہے۔

لیکن قصور ڈیڈی کا بھی تھا۔ یہ سب کچھ تو انہیں شادی سے قبل سوچنا چاہیے تھا۔ شاہد میری پسند تو نہیں تھا۔ میں نے اس سے محبت تو نہیں کی تھی۔ بس ڈیڈی اسے میرے سامنے لائے اور ایک خاص مقصد کے تحت لائے۔ میں نے ان سے اعتراض نہیں کیا اور راضی ہو گئی کیونکہ یہ ان کی اپنی خواہش تھی۔ لیکن اس خواہش کی تکمیل کے بعد شاہد کے بارے میں شک و شبہ کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ تو ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتے اس کے بعد فیصلہ کرتے اور حقیقت رنگ لائی۔

شاہد اب دولت میں کھیلنے لگا تھا اور یہ دولت



اب اس کی آنکھوں پر پردے گرائی جارہی تھی۔

وہ صبح کو واپس آیا۔ چہرے پر شرمندگی اور گزری ہوئی رات کی نحوست کے آثار منجمد تھے۔ مجھ سے آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔ وہ پشیمان سے لہجے میں بولا۔

"مجھے احساس ہے کہ تمہیں بڑی تکلیف سے یہ رات گزارنی پڑی ہوگی۔ لیکن میں کیا کروں چند لوگوں سے شناسائی ہوگئی ہے۔ یہ ہمارے کاروباری بھی ہیں۔ بس انہوں نے دعوت کروالی تھی۔ پھر اسی دعوت میں تھا کہ بارش شروع ہوگئی اور کچھ ایسی تیز ہوئی کہ میں واپس نہ آسکا۔"

بڑا گھٹیا بہانہ کیا تھا اس نے۔ لیکن میں نے اس پر حقیقت منکشف نہیں کی۔ یہ نہیں بتایا کہ اسے کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکی ہوں۔ بس میں نے ایک ہی بات کی۔

"شاہد! ہم واپس چلیں گے۔"

"ایں ..... کیا کہہ رہی ہوں۔" میرا مقصد ہے ابھی ابھی سے ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے.....؟"

"شاہد! ہم واپس چلیں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کہا لیکن بعد میں خاصی برہمی کا اظہار کیا تھا۔

"ابھی تو ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ شیمی! اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو تم یہاں رک جاؤ میں واپس چلی جاتی ہوں۔" میں نے بدستور تلخی سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا' خیر اگر تم واپس ہی جانا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا اور پھر نہایت بے دلی سے وہ واپس چل پڑا۔

میرا ذہن سپاٹ تھا۔ میں کوئی بات نہیں سوچ رہی تھی' یہ فیصلہ ضرور کرلیا تھا کہ ڈیڈی سے اس بارے میں بات کروں گی اور ان سے کہوں گی۔

"ڈیڈی! شاہد کی طرف سے محتاط رہنا بے حد ضروری ہے۔ وہ اس مزاج کا انسان نہیں ہے جس کا ہم نے سمجھا تھا۔ وہ چھوٹا آدمی ہے اور یقیناً آئندہ بھی وہ چھوٹی حرکتیں کرے گا۔"

گھر واپس پہنچی تو ایک عجیب سا ماحول پایا۔ ملازم سہمے سہمے تھے اور مجھے دیکھ کر بھونچکے سے ہو گئے تھے۔ پھر ہمارے دو دیرینہ ملازم میرے پاس آکر رونے لگے اور میں دھک سے رہ گئی۔

"کیا بات ہے.....؟"

"آپ..... آپ..... آپ کو نہیں معلوم ہوسکا بی بی!" فضل بابا نے پوچھا۔

"کیا نہیں معلوم ہوسکا.....؟" میں متحیرانہ انداز میں بولی اور فضل کی بھیگی ہوئی آنکھیں مجھے کچھ بتانے لگیں..... میں نے دہشت زدہ انداز میں فضل بابا کو جھنجوڑ دیا۔

"کس بارے میں کہہ رہے ہو فضل بابا! بتاتے کیوں نہیں.....؟"

"ہاں..... کیا ہوگیا صاحب کو.....؟"

"بی بی! وہ تو آپ کے جانے کے 15 دن کے بعد ہی..... بس دل کا دورہ پڑا تھا۔ آپ کو یاد کرنے کرتے۔" فضل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور میرے حواس گم ہوگئے۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے کیا کچھ کیا اور کب تک کرتی رہی.....

ہوش آیا تو تنہا تھی بس ملازمین کے علاوہ اور کوئی

نہیں تھا میرے پاس۔ شاہد بھی نہیں تھا۔ میں نے نقاہت بھرے لہجے میں شاہد کے بارے میں پوچھا تو بوا شبراں نے بتایا کہ۔

"صاحب تو بہت کم گھر آتے ہیں بس کبھی دن میں آ جاتے ہیں، کبھی رات کو دفتری کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔"

غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے مجھ پر۔ ڈیڈی نے ساری زندگی مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ دنیا ترک کر دی تھی انہوں نے میرے لیے۔ لیکن میں نے نئی زندگی پاتے ہی انہیں نظر انداز کر دیا تھا۔ میں انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور میری جدائی وہ برداشت نہ کر سکے...... لیکن ڈیڈی کے انتقال کو کئی ماہ گزر گئے تھے۔ مجھے خبر بھی نہ دی گئی حالانکہ بے شمار لوگ موجود تھے۔ ملازم تھے ہمارے مجھے ان لوگوں پر شدید غصہ آیا۔ میں نے اسی وقت تنویر صاحب کو فون کیا۔ تنویر صاحب ہماری ایک فیکٹری کے نگران تھے۔ میں نے بچپن سے انہیں دیکھا تھا۔ ڈیڈی ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

"تنویر صاحب! میں ثمینی بول رہی ہوں۔"

"کیسی طبیعت ہے ثمینی بیٹی! ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر اور طبیعت کو جہنم میں جھونکیں مجھے اس بات کا جواب دیں کہ آپ کو ہمارے بارے میں معلوم نہیں تھا......؟"

"میں سمجھا نہیں بیٹی!"

"مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی گئی تھی......؟"

"اطلاع ...... وہ تو دے دی گئی تھی۔" تنویر صاحب تعجب سے بولے۔

"کسے دے دی گئی تھی......؟"

"آپ سوئٹزرلینڈ میں تھیں۔ کیبل کا جواب بھی ملا تھا۔ شاہد صاحب کی طرف سے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں تنویر صاحب!"

"جوابی تار میرے پاس موجود ہے ثمینی بیٹی!"

"لے کر آئیں میرے پاس۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے میری کیفیت بہت خراب ہو رہی تھی۔ تنویر صاحب اتنا بڑا جھوٹ تو نہیں بول سکتے تھے لیکن شاہد نے یہ بات کیوں چھپائی مجھ سے...... اس نے اتنے عرصہ تک مجھے کچھ نہیں بتایا اور پھر خود ہی میں نے اس کا جواب بھی حاصل کر لیا۔ شاہد تو رنگ رلیاں منانے آیا تھا۔ وہ بھلا فوری واپسی کب پسند کرتا...... اسے خود بھی تو واپس آنا پڑتا۔

تنویر صاحب نے شاہد کا جواب میرے سامنے رکھ دیا۔ لکھا تھا۔

"سخت غم ہوا۔ ثمینی نڈھال ہے۔ ابھی اسے واپس لانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسے بہلانے کے لیے وقت ضروری ہے۔ آپ تمام امور کی نگرانی کریں۔ شاہد۔"

"فریبی شاہد! کہاں ہے وہ...... ؟ وہ کہاں ہے تنویر صاحب!"

"معلوم نہیں بیٹی! وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تمام کام ان دنوں ان کا سیکرٹری محسن دیکھ رہا ہے۔ بڑی پریشانیاں ہوتی ہیں شاہد صاحب کے بغیر۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"باقاعدہ نظر نہیں آتا' پھر کہاں رہتا ہے......؟"

"خدا جانے......"

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ شاہد کی فطرت سے واقف ہو گئی تھی ورنہ خوش فہمیوں کا شکار رہتی۔ تنویر صاحب کے جانے کے بعد نہ جانے کب تک سوچتی رہی۔ پھر ملازموں کو بلا کر شاہد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگی۔ پتہ چلا کہ وہ گھر میں بھی بہت کم نظر آتا ہے۔

بہرحال اس شام شاہد واپس آ گیا۔ مجھے ہوش و حواس میں دیکھ کر اس نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بس یونہی رسمی طور پر طبیعت پوچھ لی۔ لیکن میں نے تار اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تم نے مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی شاہد......؟"

"اوہ...... یہ...... یہ کہاں سے آیا تمہارے پاس......؟"

"یہ جواب ہے تمہارا؟"

"نہیں...... بس پوچھ رہا تھا۔ میری ہمت نہیں پڑی تھی شمی! یہ غمناک خبر میں تمہیں نہ سنا سکا...... تمہیں صدمہ ہوتا۔"

"ڈیڈی مر چکے تھے اور ہم تفریحات منانے پھر رہے تھے۔" میں نے کہا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے شاہد! کہ تمہاری تفریحات ترک ہو جاتیں۔ تمہیں واپس آنا پڑتا۔ اس کا اعتراف کیوں نہیں کرتے؟"

"تمہیں میری نیک نیتی پر شک نہیں کرنا چاہیے شمی!"

"میں جانتی ہوں تم کتنے نیک نیت ہو...... اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے شمی! لیکن میری طرف سے غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ لوگ تمہیں بہ رہے ہیں۔ تمہاری صحت پہلے ہی خراب ہے۔"

"کتنے دن کے بعد گھر آئے ہو؟" میں نے ط سے پوچھا۔

"میری صحت کی طرف سے بہت فکرمند تھ ہو۔" میں بدستور طنزیہ انداز میں بولی۔

"شمی! میں سمجھ گیا ہوں...... میں جان گیا ہو کہ کون تمہیں میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ لیکن شمی ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ گھر کے ملازمین او دفتروں میں کام کرنے والے طبقے کے لوگ گھٹیا ہو ہیں۔ ان کے ذہنوں میں صرف ایک بات ہوتی کہ مالکان کی ہمدردیاں حاصل کریں اور اپنا مالی مف پورا کریں۔ تنویر صاحب بھی اس قسم کے لوگوں م سے ہیں۔ اب میرا تجربہ اتنا بھی محدود نہیں ہے۔ ک میں انسانوں کے بارے میں اندازہ نہ لگا سکوں۔ تار انہوں نے محفوظ رکھا اور بالآخر تم تک پہنچا دیا اس کی وجہ پر غور کیا تم نے......؟ وہ صرف تمہاری تو چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تم ان کی ہمدردی پر غ کرو ان پر بھروسا کرو۔ اس کے بعد وہ اپنے مسا تمہارے سامنے لائیں گے اور ظاہر ہے اس کے بع اپنے ہمدردوں کے بارے میں نہ سوچو گی تو کس بارے میں سوچو گی۔ یہ لوگ میری طرف تمہیں بہت زیادہ بہکا دیں گے چونکہ اس میں ان جیت ہے۔"

"نہیں شاہد! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے تنویر صاحب کو یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپ نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اور شاہد لاجواب ہو گیا۔ ظاہر ہے بے چارے تنویر صاحب کو یہ بات کیا معلوم تھی کہ شاہد نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اس لیے شاہد کا یہ اعتراض خود بخود ختم ہو گیا تھا۔

"بہر صورت۔" شاہد نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں شمی! کہ میرے لیے حالات بہت ناسازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ شروع سے لے کر اب تک میں صرف ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ڈیڈی مرحوم نے مجھے ایک تنہا آدمی پایا' اپنی بیٹی کے لیے ایک گھر داماد حاصل کر لیا۔ یہ سوچ کر کہ میں ان کا دست نگر رہوں گا اور ان کے احکامات پر عمل کرتا رہوں گا۔ ان کا انتقال ہو گیا تو ساری دولت اور ساری جائیداد وہ تمہارے نام کر گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ میں ایک اجنبی شخص ہوں اور اسی طرح ان کی بیٹی کا غلام بن کر رہ سکتا ہوں کہ اس کا دست نگر رہوں مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے شمی! لیکن ایک حقیقت میں تمہارے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکا جو مجھے ملنی چاہیے تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں تمہارے گھر میں صرف ایک ذی ہوں اور شمی! ذی بن کر انسان خوش نہیں رہ سکتا...... بس مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا۔ تم اپنے ملازمین سے ربط رکھو۔ ان سے دوستیاں کرو۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر غور کرتی رہو مجھے ذلیل و رسوا کرو.... میں تمہیں اس سے نہیں روک سکتا۔"

شاہد یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور میں اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں اس مکار آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ فرانس میں اگر میں اسے اس انداز میں نہ دیکھ لیتی تو شاید یہی سمجھتی کہ شاہد کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے لیکن جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ غلط نہیں تھا اور اس کے بعد میں کسی حماقت کی شکار نہیں ہو سکتی تھی۔ شاہد پر قابو رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اس کی لگامیں کھینچے رکھوں اور لگام کو کبھی ڈھیلا نہ ہونے دوں۔

یہ بات اس سے قبل مجھے نہیں معلوم تھی کہ ڈیڈی جائیداد کے بارے میں کوئی وصیت نامہ چھوڑ گئے ہیں۔ نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی میری تو حالت ہی درست نہیں تھی لیکن شاہد یہ بات بھی مجھے بتا گیا تھا۔ یقیناً اسے ان ساری چیزوں سے دلچسپی ہو گی۔ ڈیڈی کی بات نہ مان کر میں نے شدید نقصان اٹھایا تھا۔ اگر شاہد کو باہر کی دنیا کی ہوا نہ لگتی تو شاہد انسان ہی رہتا۔ لیکن میں نے اس کی اصلی تصویر دیکھ لی تھی اور اب میں شاید اس پر کبھی بھی بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ جو اب سے پہلے مجھے اس کی ذات پر تھا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ ڈیڈی کر گئے ہیں اب اس سے قطعاً انحراف نہ ہو گا۔

شاہد حسب معمول اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ میں اسے کسی بات کا پابند نہیں کر سکی تھی۔ جب

دل چاہتا وہ گھر آجاتا۔ جب دل چاہتا چلا جاتا۔ ابتداء میں میں نے اس سے پوچھا... مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ پاسکی۔ کئی بار اس نے مجھ سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی تھیں۔ اس کے علاوہ دفتر سے بھی وہ رقمیں حاصل کرتا رہتا تھا۔ جس کی اطلاع مجھے مل جاتی تھی۔ لیکن میں چشم پوشی کرتی رہی۔ البتہ اس دن میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ جب مجھے شاہد کی دوسری شادی کی خبر ملی۔ شاہد نے ایک اور شادی کرلی تھی۔ نہ جانے کب...... ممکن ہے مجھ سے شادی سے قبل ہی وہ شادی شدہ ہو...... اس جیسے شخص کے بارے میں کیا کہا جاسکتا تھا۔ یہ خبر مجھے ایک بالکل غیر متعلق آدمی سے ملی تھی۔ یہ ایک اسٹیٹ بروکر تھا۔ جو شاہد سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ شاہد نے اپنی بیوی کے لیے ایک بنگلہ خریدا تھا۔ اس کے کاغذات کی تکمیل کے لیے بروکر یہاں آگیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ میں بھی شاہد کی بیوی ہوں۔ لیکن چند ایسی باتیں ہوئیں کہ مجھے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ شاہد نے یہ بنگلہ اپنے بیٹے کے نام سے خریدا ہے۔ فراز شاہد یہ اس کے بیٹے کا نام تھا۔ اسی بات سے میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے مجھ سے قبل ہی وہ شادی شدہ ہو۔

میں غم و غصے سے میں پاگل ہوگئی۔ شاہد آیا تو میں طوفان بنی بیٹھی تھی جو اسے دیکھتے ہی بپھر گیا۔

"تم پہلے سے شادی شدہ ہو شاہد! یا میری تقدیر پھوڑنے کے بعد تم نے یہ شادی کی تھی......؟ جواب دو شاہد!" شاہد کا چہرہ اتر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا لیکن پھر سنبھل گیا۔

"تمہیں یہ خبر کس نے دی ہے شمی؟"

"مجھے میری بات کا جواب دو شاہد! مجھے صرف جواب دو کیا وہ ہے......؟"

"وقت آگیا ہے شمی! کہ میں تم پر اپنی حقیقت کھول دوں۔ ہمارے دشمنوں نے ہمارے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کردی ہے۔ اتنی وسیع کہ اگر میں تمہیں حقیقت حال سے روشناس نہ کردوں تو نہ جانے کیا ہو جائے...... آؤ شمی! براہ کرم اس وقت تک کے لیے برے خیالات ذہن سے نکال دو۔ جب تک تم پر میری حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ آؤ میں اس سے قبل تم سے کچھ نہ کہوں گا۔"

کچھ ایسی اداکاری کی تھی اس نے کہ میں بے وقوف بن گئی۔ میں اس اسرار کو جاننے کی خواہاں ہوگئی۔ جس کے بارے میں شاہد نے کہا تھا اور شاہد مجھے اپنی کار میں لے آیا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور میرے استفسار کے باوجود خاموش رہا تھا۔ بس اس نے ایک جملہ کہا تھا۔

"چند لمحات توقف کرو شمی! تم پر تمام حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔" میں اس کا فریب نہیں سمجھی تھی اور تجسس میں ڈولی میں یہاں تک آگئی تھی۔ آخری وقت تک میں اس کی چال نہ سمجھی۔ مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب شاہد نے مجھے اس پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکیل دیا تھا۔ میں گہرائیوں میں جارہی تھی لیکن شاید میری روح نیچے پہنچنے سے قبل ہی بدن کی قید سے آزاد ہوگئی تھی۔ میں نیچے گرتے اپنے بدن کو دیکھ رہی تھی اور میرا دل چاہا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں میں لپک لوں...... لیکن ان نادیدہ ہاتھوں میں اتنی قوت

نہیں تھی۔ میرا بدن پانی میں آ گرا اور یہاں لگی ہوئی جھاڑیوں میں اٹک گیا۔ یہ جھاڑیاں اب یہاں نہیں ہیں پہلے تھیں۔ میرا وجود بہت ہلکا ہو گیا تھا۔ میں ہر فکر سے بے نیاز ہو گئی تھی اور...... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا کوئی خیال ہی نہیں آیا مجھے۔ لیکن نوی اس وقت نہ جانے کیوں مجھے سب یاد آ رہا ہے...... یہ سب کچھ......

ہمیشہ شرارتوں پر آمادہ رہنے والا نومی بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"آؤ دیکھیں نیکی! اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں دیکھو تو سہی...... پتہ تو چلے کہ شاہد اب کس حال میں ہے۔"

رفتہ رفتہ میرے دل میں بھی شاہد کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی اور اس بار میں تیار ہو گئی۔ نومی میرے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔

"ہم اس تک کیسے پہنچ سکیں گے نومی؟"

"ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ چلتی رہو میرے ساتھ۔ میں تمہیں شاہد کی رہائش گاہ کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں گا۔ آؤ چلتی رہو۔"

یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہتی تھی کوئی نئی جگہ تھی۔ لیکن بے حد خوبصورت پہلی کوٹھی سے ہزار درجے حسین اور کشادہ۔ سامنے کی سمت ایک بڑا لان تھا۔ ایک طرف چھوٹے چھوٹے کوارٹر بنے ہوئے تھے جو ملازمین کے لیے تھے۔ مالکان کے حصے کی رونق دیکھنے کے قابل تھی۔ ملازم ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ خوب چہل پہل تھی۔

نومی ایک گھنے درخت کی شاخ پر الٹا جا لٹکا۔

"اب تم جانو تمہارا کام یہ دنیا تمہاری ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ شاہد کی کوٹھی ہے۔ مگر شاہد کہاں ہے؟"

"تلاش کرو۔" منحوس نومی پھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسنے کی عادت بھلا کہاں جا سکتی تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں حیران تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جاؤں...... کیا کروں...... بہرحال وہاں سے آگے بڑھ گئی اور اصل رہائش گاہ کی عقبی سمت نکل آئی۔ اس سمت ایک اور عمارت بنی ہوئی تھی۔ چھوٹی سی عمارت جو الگ تھلگ تھی۔ اس کا بڑا سا دروازہ بند تھا مجھے شاہد کی تلاش تھی۔ شاہد کہاں ہے......؟

ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ مجھے کچھ لوگ اس طرف آتے نظر آئے۔ وہ اچانک گھوم کر سامنے آ گئے تھے۔ اس لیے میں خود کو ان سے چھپا بھی نہیں سکی۔ چند نوجوان لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا اور یہ نوجوان لڑکا شاہد تھا۔ خوبصورت' خوبرو شاہد' جو پہلے سے زیادہ حسین' پہلے سے زیادہ جوان نظر آ رہا تھا۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی...... آہ......! کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا وہ۔

ان لوگوں نے مجھے دیکھا اور ٹھٹک گئے۔ پھر آگے بڑھ آئے۔

"آپ......! آپ شاید بھٹک کر ادھر آ گئی ہیں خاتون! ملازموں نے آپ کو گائیڈ نہیں کیا...... کس سے ملنا ہے آپ کو......؟" شاہد نے معصومیت سے پوچھا۔

میں بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ کمبخت کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ یہ میں ہوں۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو.....؟'' شاہد نے پھر پوچھا۔

کسی سے نہیں..... یونہی آگئی تھی۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''یونہی.....؟'' شاہد حیرانی سے بولا۔

''تم..... تم شاہد ہو.....؟'' میں نے تلخ مسکراہٹ سے پوچھا اور شاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''فراز شاہد' شاہد میرے والد کا نام ہے۔'' اس نے جواب دیا اور میں چونک پڑی۔ مجھ سے بھی تو حماقت ہوئی تھی۔ میں بھول ہی گئی تھی کہ آج کی بات تھوڑی تھی سالہا سال بیت گئے تھے۔ طویل عرصہ [illegible] گا۔ بوڑھا ہو گیا ہوگا 25 سال کم تو نہیں ہوتے..... تو یہ شاہد کا بیٹا ہے فراز شاہد۔

وہ سب مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر فراز نے پوچھا۔

''آپ کون ہیں.....؟''

''میں..... میں آپ کے والد سے ملنا چاہتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ..... خاتون! شاید آپ کسی دوسرے شہر سے آئی ہیں اور شاید آپ کو میرے والد کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔'' فراز نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بیمار ہیں' شدید بیمار۔ ٹی بی ہے انہیں۔ دونوں پھیپھڑے گل چکے ہیں۔ ہر وقت خون تھوکتے ہیں۔ دراصل انہوں نے اپنی صحت اپنے ہاتھوں تباہ کی ہے۔ شراب کی زیادتی کی اور اب بھی باز نہیں آتے۔'' نوجوان کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''تو کسی ہسپتال میں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی نہیں گھر پر ہیں۔ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔'' نوجوان نے کہا۔

''میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''اپنی دشمن ہیں آپ؟''

''کیوں.....؟'' میں نے کہا۔

''ان کا مرض شدت اختیار کر چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے ہدایت کر دی ہے کہ ان سے قطعاً دور رہا جائے۔ ورنہ کوئی بھی اس مرض کا شکار ہو سکتا ہے۔''

''ہسپتال میں کیوں نہیں رکھا آپ نے انہیں؟''

''[illegible] سمجھتے ہیں۔ موت سے انہیں شاید خوف محسوس ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہسپتال میں انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ کئی بار انہیں ہسپتال اور سینی ٹوریم بھیجا..... لیکن بھاگ آتے ہیں وہاں سے۔ بس یہ بوڑھے لوگ بعض اوقات اولاد کے لیے دردِسر بن جاتے ہیں۔ لاپرواہ ہو جاؤ تو زمانہ اخلاقیات کے لاکھوں سبق دہرا دے گا لیکن.....''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاہد کا بیٹا بول رہا تھا۔ شاہد کا گناہ بول رہا تھا۔ یہ شاہد کی حیثیت تھی اس گھر میں جو میری دولت کو غصب کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ ان کے لیے شاہد نے مجھے قتل کیا تھا۔ اسے اس کے لیے سزا تو ملنی ہی چاہیے تھی۔ قدرت کسی ظالم کو اس طرح تو نہیں چھوڑ دیتی۔ مجھے انوکھا

سکون محسوس ہوا۔

"تو شاہد کی تیمارداری کون کرتا ہے؟"

"بس ایک بڑے میاں ہیں ہمارے پرانے ملازم۔ میرے بچپن سے ساتھ ہیں۔ دونوں بوڑھے موت کے منتظر ہیں۔" فراز مسکرا کر بولا۔

"کہاں ہیں وہ......؟" میں نے پوچھا اور فراز نے اس الگ تھلگ عمارت کی طرف اشارہ کر دیا جو میرے عقب میں تھی۔

"وہاں...... شاید ڈیڈی نے یہ عمارت اسی لیے تعمیر کرائی تھی اور کوئی مصرف تو نہیں ہو سکتا اس کا۔ مگر خاتون! میں نے آپ کے سوالات کے جواب تو دے دیے۔ اب میری باری ہے۔ اپنے بارے میں تو کچھ بتائیں آپ۔ آپ کا محل وقوع کیا ہے......؟"

"میں......؟" میں نے ایک گہری سانس لی۔ جھوٹ ہی بولا جا سکتا تھا ان سب سے حقیقتوں کو برداشت کرنے کی ہمت کہاں ہوں گی ان میں۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"میں ایک ستم رسیدہ ہوں بے حد بدنصیب یورپ میں رہتی تھی۔ میرے والد صاحب شاہد صاحب کے دوست تھے۔ ان کے سوا میرا کوئی نہیں تھا اس جہاں میں۔ لاکھوں روپے کی دولت کی وارث ہوں لیکن اس جہاں میں یک و تنہا ہوں۔ اپنوں کے لیے ترستی ہوئی۔ مرتے ہوئے والد صاحب نے کہا تھا کہ ان کے دوست شاہد کے پاس چلی جاؤں۔ نہ جانے کتنی دقتوں کے بعد یہاں تک آئی ہوں لیکن اب اب کیا کروں......؟"

فراز کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پھیل گئے۔

وہ بڑی اپنائیت سے آگے بڑھ کر بولا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے آپ صحیح جگہ پہنچ گئی ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ یہاں تک آ گئیں۔ ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" پھر فراز نے اپنی ساتھی لڑکیوں سے میرا تعارف کرایا۔

"یہ میری بہن عذرا شاہد ہے یہ جبیں شاہد اور یہ خواتین ان دونوں لڑکیوں کی سہیلیاں ہیں اور آپ؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔ میں اس جھرمٹ میں ایک نام بھی گھڑ چکی تھی۔

"میرا نام ماریہ ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ماریہ!" فراز نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "اور خاص طور سے اس لیے کہ اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گی۔ آیئے میں آپ کو گھر سے ملاؤں۔ مگر یوں کریں۔ عذرا تم گیسٹ روم کھلوا دو۔ مس ماریہ کو پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے دیں۔ اس کے بعد انہیں ممی سے ملائیں گے۔ جاؤ کوئی تکلیف نہ ہو مس ماریہ کو۔"

"آیئے۔" عذرا نامی لڑکی نے کہا۔ جو فراز کی بہن تھی اور میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ نوی کا قہقہہ پھر میرے کانوں میں ابھرا تھا۔ یہ شریر شخص نے میری اس حرکت سے بہت خوش ہوا ہوگا۔ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

لیڈیز گیسٹ روم اس کوٹھی کے شایاں شان تھا۔ عذرا مجھے ایک خوبصورت کمرے میں چھوڑ گئی۔ اس نے میرے سامان کے بارے میں پوچھا۔

(جاری ہے)

ایک پندرہ فٹ کے سیاہ بھوت نے جس کی زبان باہر لٹکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔۔ دانت باہر۔۔۔ لباس کے نام پر پوڑے جسم پر صرف ایک لنگوٹ بندھا ہوا بن مانس کی مانند سارے جسم پر کالے لمبے بال نے ہمیں سلاخ سمیت حصار سے باہر کھینچ لیا اور میں اڑتا ہوا بیس تیس فٹ دور قبروں پر بھد سے جا کر گرا

وہ سرد بھیانک رات

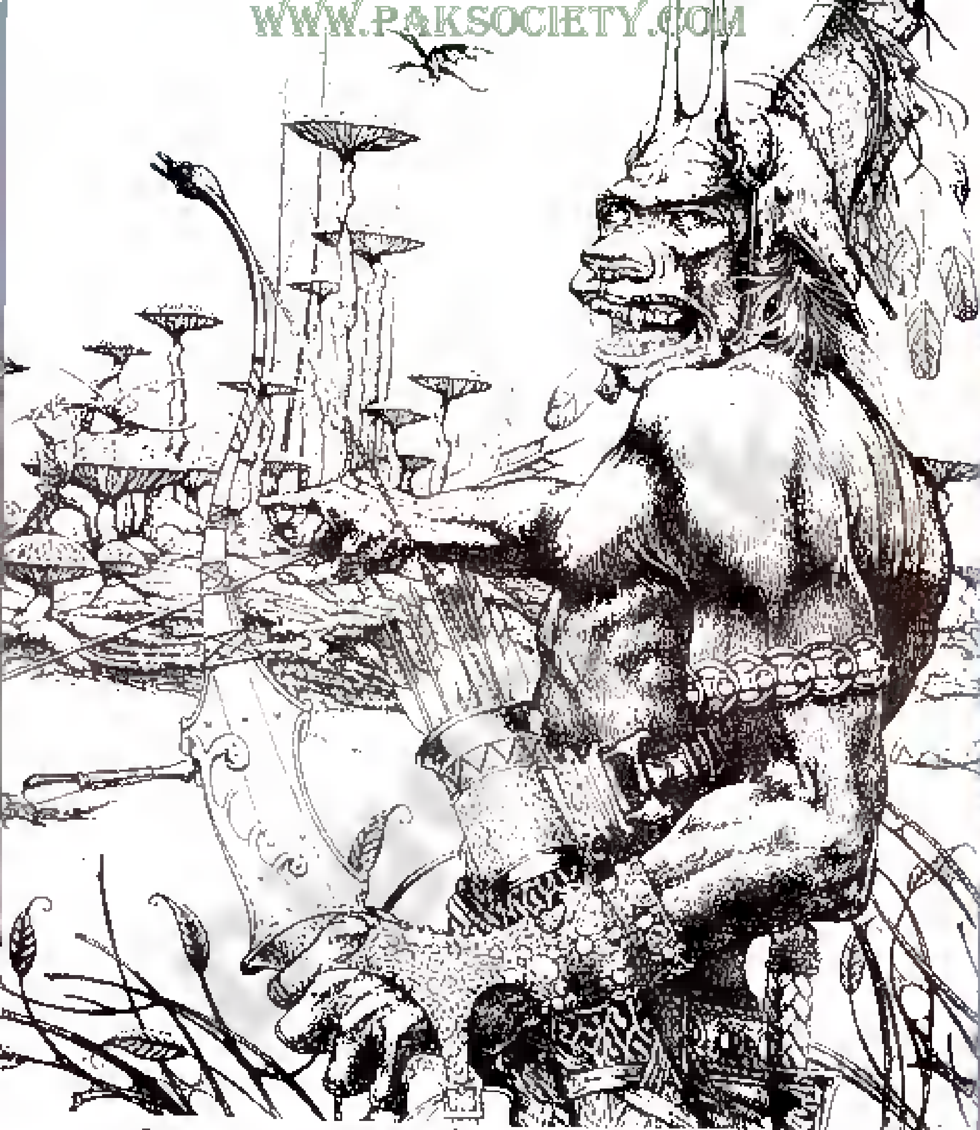
تحریر......ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

یہ ان دنوں کی بات ہے جب آتش جوان تھا...... مجھے ان دنوں عملیات سیکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا...... اور میرے اس شوق کو ابھارنے میں میرے مرحوم و شفیق ماموں جان ایوب لکھنوی اور ان کی عملیات و وظائف پر مشتمل کتب کا زیادہ عمل دخل رہا...... بلاشبہ وہ میرے ماموں اور استاد ہی نہیں تھے بلکہ ان کی شخصیت بطور عامل و ماہر روحانیات بھی مسلمہ تھی......

قارئین! جو واقعہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہوں یہ بالکل سچا اور مبنی بر حقیقت ہے۔ ان لفظوں کی صداقت وسچائی کے ثبوت لیے میں خود آپ میں موجود ہوں...... ان دنوں ہم موضع کٹھوگھن ضلع فتح ریکری یوپی میں قیام پذیر تھے...... ہماری نانی اماں کا گھرانہ بھرا پرا تھا اور اس میں ماموں ایوب کی حیثیت ایک روشن چراغ کی سی تھی...... عملیات سے میری خاص الخاص دلچسپی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنی کتب کے مطالعے کی اجازت دے رکھی تھی...... اس وقت میری عمر یہی کوئی سترہ سال رہی ہوگی۔

دن پر دن یونہی گزرتے رہے ماموں جان کی چلہ کشی ریاضت و عبادت جاری رہی اور میں رفتہ رفتہ ان کا مرید و معتقد ہوتا چلا گیا...... انہی دنوں کثرت سے ایک قدیم کتاب جو کہ تسخیر جن بھوت وہمزاد سے متعلق تھی میرے زیر مطالعہ رہی...... بس اب سر میں سودا سماتا چلا گیا کہ ہم بھی کسی جن بھوت کو قابو میں کریں تا کہ وہ چشم زدن میں ہمارے تمام کام کر دیا کرے...... ہم نے اپنی خواہش کا اظہار دبے لفظوں میں اپنے ماموں جان سے بھی کر دیا۔ شروع میں تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا لیکن میرے روز روز کے اصرار پر آخر انہیں ہتھیار ڈالنے ہی پڑے......

دسمبر کی یخ بستہ راتیں اور دھند میں اٹے دن تھے...... نوچندی جمعرات کی شام کو انہوں نے مجھے تیار رہنے کو کہا۔ دل بلیوں اچھل رہا تھا اور رواں رواں مسرت سے سرشار تھا...... میری نظر میں شاید یہ سب کچھ کھیل تماشے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا...... رات گہری ہوتے ہی ماموں جان ہمیں اور اپنے



عملیات سے متعلق ساز وسامان کو ساتھ لے کر قبرستان کی جانب چل پڑے۔ ان دنوں قبروں کو پکا کرنے کا رواج قطعاً نہیں تھا۔ وہ عام رات نہیں بلکہ ایک گھنگھور سیاہ سناٹے بھری تاریک ترین رات تھی

ہڈیوں کا گودا تک جما دینے والی ٹھنڈی رات...... ہم دونوں کپڑوں میں ملبوس ٹھٹھرتے ہوئے چلے جا رہے تھے...... چلتے چلتے ہم قبرستان پہنچ گئے۔ قبرستان پہنچ کر ماموں جان نے جان بوجھ کر یا شاید عمل کے

تقاضے کے تحت ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں کا ماحول پہلے ہی بوجھل تھا۔ایک ٹنڈ منڈ درخت اور چند شکستہ ٹوٹی پھوٹی قبریں اپنا حال آپ بیان کرتی نظر آرہی تھیں ..... بقول استاد محترم (ماموں جان) کے۔

''ہمیں یہیں چوکی جمانا ہوگی۔''عملیات کی دنیا کے اصطلاحات میں چوکی جمانا یا بٹھانا سے مراد وظیفہ یا چلہ کشی کی مخصوص جگہ پر ساز وسامان کے ساتھ جٹھنا ہوتا ہے۔

ماموں جان نے چلہ کشی کے لیے حصار (ایک حفاظتی دائرہ جس میں عامل بیٹھ کر اپنے وظائف پڑھتے یا منتر جنتروں کا جاپ کرتے ہیں) بنا کر ہمیں بٹھادیا۔اب انہوں نے حصار کے باہر کی جانب آگ روشن کردی۔میرے ہاتھ میں لوہے کی ایک سلاخ تھی۔جسے مجھے پڑھائی کرنے رہنے کے ساتھ ساتھ دم کر کر کے دائرے کے اندر مارتے رہنا تھا۔

پہلی رات تین گھنٹے کا یہ عمل میں نے کامیابی کے ساتھ کیا..... دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا...... الغرض یونہی سات روز گزر گئے...... یہ آٹھویں دن کا ذکر ہے۔میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے وظیفہ پڑھتے رہنے کے ساتھ ساتھ سلاخ پر دم کرکر کے حصار کے دائرے کے اندر کی جانب مارتے رہنا تھا۔ نجانے اس روز مجھے کیا ہوا......؟ سر میں کون سا سودا سمایا......؟ کیا ہوا تھا میرے حواس کو میں نہیں جانتا' بس میرے دماغ میں آیا کہ۔

''اتنے دنوں سے تسخیر جنات بھوت پریت کا عمل کیے جارہا ہوں یہ سب ڈھونگ ڈھوسلا ہے۔آج سلاخ کو حصار کے دائرے سے باہر جلتی ہوئی آگ پر مار کر دیکھنا چاہیے کہ کیا ہوتا ہے......؟''بس اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے وظیفہ پڑھا......سلاخ پر دم کیا اور جیسے ہی سلاخ کو باہر جلتی آگ پر مارنے کے لیے اپنے حفاظتی دائرے سے ہاتھ باہر نکالا......ایک پندرہ فٹ کے سیاہ بھوت نے جس کی زبان باہر لٹکتی ہوئی نظر آرہی تھی......دانت باہر......لباس کے نام پر پورے جسم پر صرف ایک لنگوٹ بندھا ہوا ..... بن کی مانند سارے جسم پر کالے لمبے بال نے ہمیں سلاخ سمیت حصار سے باہر کھینچ لیا اور میں اڑتا ہوا بیس تیس فٹ دور قبروں پر بھد سے جا کر گرا.... اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا......

ہوش میں آنے کے بعد تمام گھر والوں کو اپنی مسہری کے اطراف میں پایا۔بعد میں گھر والوں نے بتایا کہ۔

''مجھے پورے تین دن بعد ہوش آیا تھا۔کامل 17 دن میں بخار میں پھنکتا رہا......اور اس دن کے واقعہ کے بعد میں چھ ماہ تک میری یہ کیفیت رہتی کہ میں الٹا سیدھا اور ہذیان بکتا رہتا......

خدا خدا کر کے وہ بھیانک دن گزر ہی گئے۔

آج میں برصغیر پاک و ہند کا نامور عامل ہوں۔صرف اس نکتہ راز کی بدولت کہ استاد و مرشد کے علم سے کبھی اِدھر اُدھر ایک انچ بھی نہیں ہوتا۔

عالم و عامل باعمل محترم ماموں جان ایوب لکھنوی کو خدائے قہار غریق رحمت کرے (آمین)

☠☠

دنیا کی بہترین خوفناک' پراسرار' وحشت ناک
حیرت ناک' وحشت ناک دل کو ہلا کر رونگٹے
کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ
"ماہنامہ سچی کہانی لاہور"

ماہنامہ سچی کہانی لاہور نے بہت جلد قارئین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔اب ملک بھر میں "سچی کہانی" قارئین کا پسندیدہ میگزین بن چکا ہے۔

سچی کہانی کا ہر شمارہ بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پروڈکٹس عوام میں مقبولیت حاصل کرے تو اپنی مصنوعات کو شہرت کی بلندیوں پر لانے کے لیے آپ "سچی کہانی" میں اشتہار دیجیے۔

نرخ اشتہارات

بیک صفحہ کلر اشتہار فل صفحہ	15000 روپے
ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	12000 روپے
بیک ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	10000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ فل صفحہ	4000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ آدھا صفحہ	2000 روپے

اگر آپ "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" میں اپنے اشتہارات شائع کرانا چاہتے ہیں تو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے نام ڈرافٹ بنا کر ہمراہ اپنا اشتہار ہمیں ارسال کریں۔اپنے اشتہارات ہر ماہ کی یکم تاریخ تک ارسال کریں۔

ایک سال کے لیے اشتہارات پر 20% فی صد رعایت دی جائے گی۔

رابطہ۔ماہنامہ "سچی کہانی" 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



☎ رابطہ نمبر 0314-4008530



پانچویں اور آخری قسط

پراسرار حویلی

تحریر...... واجد نگینوی

"اچھا تو مجھے اس مہینے کی تنخواہ ملنے پر وہ ساڑھی لا دو گے جو کہ پڑوسن پہن کر کبھی کبھی آتی ہے اور تم للچائی ہوئی نگاہوں سے پتا نہیں ساڑھی کو دیکھتے ہو یا پڑوسن کو" شہنشائی عرف بنو نے عجیب نگاہوں سے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو دیکھا۔ میری رانی! تو مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے۔ ارے پڑوسن کو تو اس لئے دیکھا کرتا ہوں کہ وہ نئی ساڑھی پہن کر بھی تیری خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر پاتی" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے بھی کوئی گھاس نہیں کاٹی تھی۔ آخر کو تھا پولیس کا جوان۔

"تم نے کئی بار مجھے سینما دکھانے اور نقوی پارک گھمانے کے لئے وعدہ Promise کیا لیکن ایک دفعہ بھی جلد گھر نہیں آئے"۔ زوجہ محترمہ شہنشائی عرف بنو نے اپنی تمام شکایات کا آج مداوا کرنا چاہا۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مجھے دفتر سے سیر سپاٹے کی فرصت ہی کب ملتی ہے۔ دوسرے میں نہیں چاہتا کہ تیرا یہ نازک سا گوبھی جیسا بدن پیدل پھرنے سے ہلکا ہو جائے تیسرے یہ کہ سینما اور پارکوں میں گھومنے والے لوگ تجھے للچائی ہوئی بری نگاہوں سے دیکھیں گے اور خاص طور پر خواتین تیری نا...ابل جوانی سے حسد کرنے لگیں گی اور ہو سکتا ہے تجھے نظر لگ جائے تیرے بغیر تو میں اس دنیا میں ...ندہ بھی نہیں رہ سکتا اب بتا کیا تو پارکوں میں گھومنا اور سینما دیکھنا پسند کرے گی"۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے نہلے پر دہلا لگایا۔

"نہیں نہیں میں کبھی گھر سے باہر نہیں جاؤں گی زوجہ محترمہ سیدہ شہنشائی عرف بنو نے عشق تاب ...ورت کی طرح کہا۔

شب۔ یونین بینک کی چوری کے بعد نگینہ شہر میں ہونے والی وارداتوں نے کافی شہرت حاصل کر لی تھی اس شہرت میں کافی دخل اخبار والوں کا تھا۔ جنہوں نے آئے دن بڑھا چڑھا کر پولیس محکمے کے خلاف Against police Department لکھنا شروع کر دیا تھا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی مصروفیات میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ ذہنی طور پر پریشانیاں اور الجھنیں بڑھ رہی تھیں۔ چاروں طرف ہاتھ پیر مارنے کے باوجود کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تھا سوال تو سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے وقار کا پیدا ہو گیا تھا۔

عام شہریوں Ordinary civilians اور ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ میں عجیب عجیب چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ضلع کے اعلیٰ حکام کے لئے بھی شرم کا مقام تھا کیونکہ بات وزراء Ministers کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی رتوں



سے دفتر نہیں جا رہا تھا اور اپنے نجی طور پر معاملہ سے نبٹنے کے لئے To cover case privately حتی الوسع کوششوں میں سرگرداں تھا گزشتہ شب زیادہ دیر جاگنے کی وجہ سے دس بجے سو کر اٹھا' ایک سرسری' نظر اخبار روزنامہ نگینہ تا کثر پر ڈالی منہ دھو کر ناشتہ سے فارغ ہوا۔ نہانے سے سستی Laziness بھگانے ہی دور ہو گئی تھی لیکن دماغ کچھ بوجھل بوجھل سا تھا۔ سلیپنگ گاؤں Sleeping Gauoon اپنے جسم پر ڈال کر گھر سے باہر ہوا خوری کے لیے نکل پڑا۔

نقوی پرانا اسپتال کے عقب میں کافی جھاڑ

جھنکا ر تھا دور سے پیر جی سید مظہر بخش نقوی کا مقبرہ Tomb آسانی سے نظر نہیں آتا تھا۔ ان جھاڑیوں Bushes میں جنگلی خرگوش اور تیتر تھے۔ چڑیاں بھی بکثرت رہتی تھیں۔ اس طرف روشنی کا معقول انتظام Proper Arrangement نہ ہونے کی وجہ سے رات کا منظر Scene of night انتہائی ڈراؤنا ہوتا۔ گیدڑ Jackals اور جنگلی جانور اپنی دہشت ناک آوازوں کی ریہرسل کیا کرتے تھے۔

موسم میں ابھی کچھ ٹھنڈک موجود تھی۔ اس لئے دن کی دھوپ Sun light ناگوار خاطر ہونے کی بجائے ایک لذت بخش تھی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی خراماں خراماں گھاس کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کھیتوں کے اس پار بانسوں Bamboos کے جنگلات Forests کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایک باریک چھن کی سی آواز ہوئی۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کا جوتا کسی چیز سے ٹکرا گیا تھا۔ دور خلاؤں میں بھٹکا ہوا سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی چونک پڑا۔ جھک کر Bending ہاتھ میں اٹھانے والی چیز پازیب تھی۔ یہ اندازہ لگانے میں سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو زیادہ دیر نہ لگی کہ یہ سونے Gold کی ہے۔

لیکن یہ مرحلہ اس کیلئے پریشان کن تھا کہ یہ یہاں کیسے پہنچی؟ اور اس کا مالک کون ہو سکتا ہے؟ دور دور تک نگاہیں دوڑانے کے باوجود اسے سوائے کھیتوں میں ہل چلاتے دہقانوں Farmers کے اور کوئی نظر نہیں آیا۔

بہر حال اسے اس معاملے کی چھان بین بھی اسی مقام سے ہی شروع کرنی تھی۔ جیب Pocket سے محدب شیشہ نکالا اس نے پھر دیکھنا چاہا لیکن اگی ہوئی خودرو گھاس کے علاوہ قدموں وغیرہ کے نشانات دیکھنا ممکن Possible نہیں تھا۔

اس نے آس پاس گھوم کر کچھ اور چیز تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر وہاں سے نا امید Hopless ہو کر اس نے ہل چلاتے کسانوں کی طرف رجوع Atract ہوا۔ فرداً فرداً ہر ایک سے معلوم کرنے پر کہ ان کی مستورات Women یا جان پہچان والوں میں سے تو کوئی زیور Jewellery پہن کر وہاں نہیں آئی جواب نفی میں ملا۔

تحمینہ یونین بینک کے منیجر سید حسن مہدی کو پازیب دکھانے پر اس کا خیال صحیح ہی نکلا۔ وہ چوری ہو جانے والے زیورات Theft Jewelleris میں سے ایک تھی۔ اگرچہ ان وارداتوں کا سراغ لگانے میں پہلی کامیابی اسے ہوئی تھی لیکن ابھی تک وہ اندھیرے میں تھا۔ وہ نہ تو یہ جان سکا تھا کہ چوری میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے اور وہ کہاں رہتے ہیں؟

بہر حال اب اسے کامیابی کی ایک کرن نظر آئی تھی۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ چور اس جگہ سے ضرور گزرے ہوں گے جہاں پازیب پائی گئی۔ ہو سکتا ہے چوروں Thieves نے اس رات اس علاقے کی خاموشی اندھیرے اور جھاڑ جھنکار سے فائدہ اٹھایا ہو حقیقت میں یہ جگہ تھی بھی محفوظ کی دن میں ہی سناٹا سا رہتا تھا۔ رات کو عام لوگوں کے گزرنے کا سوال

ہی کب اٹھتا ہے؟
نقوی پرانا اسپتال کی عمارت سے سامنے نظر آنے والے بانس کے جنگلات پر اس کا شبہ Doubt تھا اور پورا پورا یقین بھی کہ چور لٹیروں کا اڈا یہی جگہ ہو سکتی ہے۔ ان جنگلات کے گھنے پن Density سے ضرور ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہوگا؟
اب اس کے سامنے ایک ہی سوال باقی تھا کہ کب اور کس طرح پورے جنگل کا محاصرہ کر کے اس کے پناہ گزینوں کو حراست Arrest میں لیا جائے
آج صبح سویرے Early morning ہی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بستر چھوڑ دیا۔ نیم گرم پانی سے غسل Bath کیا۔ ناشتہ Break fast کبھی کا میز پر لگ چکا تھا۔ جسم میں چستی و توانائی Smartness and energy کچھ زیادہ ہی عود کر آئی تھی۔
بتائے ہوئے وقت کے مطابق According calling time ڈرائیور Driver نے گاڑی لا کر دروازے سے لگا دی۔
Hearing of horm ہارن کی آواز سن کر sound سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی آمد سے By arrival مطلع ہو چکا تھا۔ تصدیق نواب سید قاسم حسین زیدی کے ملازم عزیز نے آ کر دی۔
سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے عزیز کے ہاتھ ڈرائیور سید علی مہدی نقوی کے لئے چائے اور کھانے کے لئے پراٹھے وغیرہ بھجوائے دفتر کا عملہ Staff سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی سے مانوس ہو چکا تھا۔ حالانکہ اسے نگینہ شہر میں آئے اچھا

خاصا عرصہ ہو چکا تھا لیکن ماتحتوں Assitstants کے ساتھ اس نے کبھی سختی نہیں برتی۔ ہمیشہ نرمی سے Politely پیش آیا۔ وہ آفیسر انہ رعب داب کا قائل نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ عوامی خادم اور ملازم ہم سب ہی ہیں خواہ بڑا آفیسر ہو یا معمولی کلرک Ordinay clerck یا ڈرائیور سب کو اپنی ڈیوٹی Duty خوش اسلوبی سے دیتے رہنا چاہئے اور کام کو عمدگی سے انجام دینے کے لئے سب کا تعاون Cowperate ضروری ہے اور
کچھ ہی دیر بعد کار بڑی تیزی سے شہر City کی طرف دوڑ رہی تھی۔ کل تمام دن سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے عادی مجرموں Habitual Criminals کے پرانے فائلوں Files کی ورق گردانی کی تھی۔ ہر ایک عادی مجرم کے چہرے کے نقوش کا بغور مطالعہ Carefully study کیا۔
مجرموں کی ہسٹری شیٹ History sheet سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اب یہ ذرا مشکل ہی تھا۔ کہ کوئی عادی مجرم اس کی نظر سے چونک جائے۔ آج کی مہم کے لئے انسپکٹر واجد نے تن تنہا ہی بیڑا اٹھایا تھا۔ بھیڑ بھاڑ اس کے خیال میں صحیح تفتیش کے لئے مناسب نہیں تھی۔
آج کا خاص کام سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے لئے نگینہ شہر کے تمام مشکوک لوگوں کو چیک Check کرنا تھا۔ احتیاطی تدابیر کے پیش نظر مختلف محلوں کے غنڈوں اور عادی مجرموں کو پہلے ہی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی ایماء پر گرفتار کیا جا چکا تھا۔ اب صرف ان لوگوں کی اکھواری

Enquiry کرنی تھی ۔ جن کے خلاف مناسب ثبوت مہیا Available نہیں تھے ۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے کام کا طریقہ بڑا سلجھا ہوا تھا ۔ وہ مشکوک لوگوں سے کئی حیثیتوں سے ملا ۔ بیمہ کمپنی کا سرکل انسپکٹر Circle inspector of isurances company بن کر اور مختلف کاروبار کرنے والی کمپنیوں کا ایجنٹ بن کر اس نے مختلف افراد سے بات چیت Talking کی ۔

نگینہ شہر کی عام پارٹیوں میں شرکت کرنے سے وہ عموماً گریز کرتا تھا ۔ اس لئے اسے پہچان لئے جانے کا زیادہ خدشہ نہیں تھا ۔ بغیر کسی خاص میک اپ Make up کے ہی وہ اپنا کام آسانی سے کر رہا تھا ۔ چنانچہ چند محلوں اور علاقوں پر اسے خصوصی توجہ Special attention دینی پڑی ۔ مثلاً بارہ دری، سلطان، کلیرہ مسلم، کلیرہ ہندو، پہاڑی دروازہ، قاضی سرائے پنجابیان اول اور دوئم، لال سرائے پلیری سرائے، مچھلیا، سرائے میر، کلالان، لوہاری سرائے، نعلبندان، بشنوئی سرائے، سبزی منڈی میاری سرائے، جہاں عجیب و غریب کردار کی کچھ شخصیتیں رہتی تھیں ۔ اس کے علاوہ سید واڑہ اور رحمن کی رہتی بھی اس کے زیر غور تھے ۔

کار ایک ایسی اجاڑ اور ویران کوٹھی میں داخل ہوئی جس کی کوئی چار دیواری نہیں تھی کسی بھی طرف سے داخل ہوا جا سکتا تھا ۔ لان میں خودرو گھاس پھونس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ۔ کوٹھی کا پلاستر بھی جگہ بہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا ۔ کوٹھی کی برساتی میں چند بوسیدہ کاریں جنگ آزادی سے قبل 1857ء کی ماڈل کی کھڑی تھیں ۔

برآمدے میں بھی دھول اور کبوتروں کی بیٹیں تھیں ۔ اس کے علاوہ طلین یہ بتا رہی تھی کہ مالک مکان Owner کتنی بے پرواہ طبیعت کا انسان ہے ۔ صفائی کی طرف سے کتنا غافل Careless رہتا ہے ۔ کواڑ Door پر چاک سے دلکشا لکھا ہوا تھا ۔

دروازہ پر پیہم دستک Knocking دینے کے بعد ایک عجیب پر اسرار شخص Stranger person برآمد ہوا تمام جسم پر بڑے بڑے چھلے دار بال Culging Hairs تہبند باندھے اور ایک بنیان پہنے جسامت میں دیو قامت انسان بڑی پر رعب شخصیت کے ساتھ کھڑا تھا ۔

" آیئے اندر تشریف لے آیئے" اجنبی فرد نے کہا اور سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی بغیر کسی جھجک کے اس کے پیچھے ہو لیا ۔ " تشریف رکھیئے" چند بوسیدہ کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجنبی نے کہا شکریہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے جواب دیا ۔

برابر کے کمرے میں شاید اور لوگ بھی موجود تھے ۔ مدھم مدھم دھیرے دھیرے گفتگو کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ۔

"اب آپ فرمایئے کیسے تکلیف کی؟" اجنبی پر اسرار شخص نے کھڑے کھڑے دریافت کیا ۔

"میں کوآپریٹو سوسائٹی میں انسپکٹر ہوں ۔ کرائے کے مکان کی تلاش میں ادھر آ نکلا" ۔ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے تمہید کی ۔ بہر حال آپ کا کچھ بھی نام ہو مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے اور نہ رنج" میں بہت

صاف گو انسان ہوں۔ آپ خیال نہ کیجئے گا۔ جب تک دو انسانوں کے آپس کے تعلقات میں کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہوتا تو کہہ دیتا کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ایک رسمی سی بات ہے۔ مجھے میرے واقف کار فرد میاں کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ ایک ہی سانس میں فرد میاں نے اپنے تعارف کے ساتھ اپنی فلاسفی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا میں ابھی آیا" اور یہ کہہ کر فرد میاں دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بظاہر سامنے پڑے ہوئے ایک امریکن میگزین کی ورق گردانی شروع کر دی اس کے خیال میں فرد میاں امید سے زیادہ عجیب و غریب اور پراسرار شخصیت ثابت ہوئے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی بے چین نگاہوں نے سب ہی نظر آنے والی چیزوں کا جائزہ لے لیا تھا۔ کوئی بھی شے یا سامان قرینے سے نہیں رکھا ہوا تھا کوٹھی کے اندر صحن کے کونے میں بہت سے پھٹے ہوئے ٹائر پڑے تھے۔ ان پر چینی کے برتن پھیلے ہوئے تھے۔ برتنے ایک ڈھیر کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی انسپکٹر واجد صاحب! میں درویشانہ زندگی گزارنے کا عادی ہوں کوئی چیز سلیقے سے نہیں ملے گی۔ میری زندگی افراتفری کی نذر ہوگئی فرد میاں نے دوبارہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان کو ایک مسافر کی طرح زندگی گزارنا چاہیے"۔ انسپکٹر واجد نے اس کے رنگ میں گفتگو کی۔ "بات اصل میں یہ بھی ہے کہ میں تنہا شخص ہوں۔ اس لئے گرہستی

زندگی کے لوازمات اور سلیقہ آپ کو اس میں نہیں ملے گا۔ معاف کیجئے گا۔ میں ابھی پانچ منٹوں بعد پھر حاضر ہوں گا" فرد میاں کھڑے کھڑے ہی ایک دوسرے کمرے کی طرف چلے گئے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص بیک وقت کئی کئی انسانوں سے مختلف موضوع پر بات چیت کرنے کا عادی ہے Habitual اور اگر یہ جرائم پیشہ زندگی گزارتا ہو تو اس میں بھی کوئی تعجب والی بات نہیں ہوگی۔ معاف کیجئے گا انسپکٹر واجد! میں آپ سے مزید گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اس لئے اجازت چاہوں گا۔ فرد میاں نے بڑے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں آپ کی زحمت کا بہت بہت شکریہ میں نے آپ کا کافی وقت لیا ہے۔ اس کے لئے میں آپ کا بہت بہت مشکور ہوں۔ یہ کہہ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے فرد میاں کو خدا حافظ کہا اور پھر انسپکٹر واجد کی کار بڑی تیزی سے سول لائن کی شاہراہوں پر دوڑ رہی تھی۔ سڑک بالکل صاف و شفاف مانند آئینہ Mirror چمک رہی تھی۔

شب کا ایک بجا ہوگا۔ سارے ماحول پر سناٹا طاری تھا۔ کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے Barking of dogs کی آوازیں آرہی تھیں اور آس پاس کے گھنے پرانے درختوں پر سے بڑی ہولناک ڈراؤنی الوؤں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ منظر بڑا ہی ہیبت ناک اور پراسرار ہوگیا تھا۔

ایک بڑے سائز کی موٹر مرسیڈیز اور اس کے آگے پیچھے دو تین کاریں بڑے ہی عجیب انداز میں

نقوی پرانے اسپتال کی طرف آ گئیں اور ساری عمارت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ دھیرے دھیرے مدہم آواز سے ایک لمبی سیڑھی Stair لگا کر وہ ایک چھت پر کودا۔ سب نے ربڑ کے جوتے اور ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ سب کے سب مختلف سمتوں میں بٹ گئے اور عمارت کا گوشہ گوشہ بڑے انہماک کے ساتھ چھان مارا۔ کچھ پراسرار سائے ایک کمرے میں پہنچے اور اس کے اندر داخل ہو گئے۔ چند ہاتھ بڑی مہارت کے ساتھ اس لکڑی سے بنی چوکی کی طرف بڑھے جس کے چاروں طرف ڈھول اپنی جگہ پر سے چوکور نما لائن میں بنی ہوئی تھی۔ سرچ لائٹ میں آتے ہی چوکی ایک چھوٹے سے دروازے کی شکل میں نظر آئی اور اس کے نیچے ایک سیڑھیوں والا تہہ خانہ نمودار ہو گیا ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر پاکٹ ٹارچ کی روشنی میں نوجوان سیڑھیاں اترنے لگے۔ نیچے ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس کے چاروں طرف راہداریاں تھیں۔ ادھ جلی موم بتیاں اس بات کی شاہد تھیں کہ کمرے کا استعمال اب بھی جاری ہے۔

اچانک دبے دبے قدموں کی چاپ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے ذرا سی دیر میں ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سے افراد تیزی کے ساتھ ایک ساتھ دوڑ رہے ہوں۔

"صرف تین چار جوان یہاں رک جائیں۔ باقی تیزی سے راہداری میں آگے بڑھیں" ہلکی سی سرگوشی ہوئی اور اب سرچ لائٹ کا کھلم کھلا استعمال ہونے لگا۔

"اپنی اپنی رائفلیں آگے کی طرف تان لیں"

نوجوان بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ بھاگنے کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر میں سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جس کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر نکلے تھے وہ ایک سرنگ نما راستہ پیر جی کے مقبرے کی دیوار میں سفیدی سے ڈھکا ہوا تھا جو بالکل ذرا سا بھی باہر سے نمایاں نہیں تھا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا کہ اس پرانے اسپتال کی تمام دیواریں کھوکھلی ہیں جن میں کئی تہہ خانوں کے اندر راستوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے"۔ آواز اب صاف پہچانی جا سکتی تھی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی آہستہ سے بول رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب! آپ کا خیال درست ہے۔ ہم لوگ اس عمارت کے چاروں طرف تعینات رہے اور یہاں سے بالکل بھی نہیں ہٹے اس لیے یہاں سے بھاگ جانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ مجرموں نے بھاگنے کا کوئی اور راستہ اختیار Adopt کیا ہے جو ضرور سرنگ میں سے ہوتا ہوا دور کہیں نکلتا ہو گا"۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے چہرہ پر مایوسی اور فکرمندی کے اثرات موجود تھے۔

"معلوم ہوتا ہے شکار ہاتھ سے نکل گیا"۔ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے ابھی جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک کچھ فاصلے پر کار کے اسٹارٹ Start ہونے کی آواز سنائی دی اور بڑی پھرتی کے ساتھ سب جوان اپنی گاڑیوں کی طرف پلٹ پڑے۔

پہلی کار کے چلنے کی آواز کی سمت ہی دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تعاقب Chase میں چل پڑیں اور کچھ ہی دیر بعد مجرموں کی کار کو نگینہ شہر کے شمال کی سمت کو جانے والی سڑک پر جا لیا۔ اس کار

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے پیچھے والی گاڑی اس برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی اس کو روکنا اور پکڑنا آسان نہیں تھا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اگلی کار کے پچھلے ٹائروں کو برسٹ کر دیا جائے تیز رفتاری کی وجہ سے صحیح نشانہ لینا قطعی بیکار Useless تھا جواباً پچھلی کار میں سے پستول لئے ایک ہاتھ باہر نکلا اور تعاقب کرنے والوں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا کر قریب کی سیٹوں سے ملا لیا۔ ایک گولی ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی بیک میں جامد ہو گئی۔ حالت بڑی مخدوش ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کا بس ہوتا تو وہ کاروں کو کچھ اور تیز چلاتے ان کی برق رفتاری میں کوئی نہیں آیا تھا کہ اچانک تعاقب کرنے والوں کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

اگلی کار الٹ گئی تھی۔ پٹرول کے باہر نکل جانے کی وجہ سے اور انجن کے گرم ہونے کی وجہ سے کار میں آگ لگ گئی تھی اور ذرا سی دیر میں آگ کی لپٹیں بلند ہو رہی تھیں۔ اگر تعاقب کرنے والی کار کے ڈرائیور نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا ہوتا تو اس کا بھی یہی حال ہوتا۔ پچھلی کار تو فاصلے پر تھی۔ جسے بریک لگانے کا اچھا خاصا موقع ملا تمام کار شعلہ زار بن گئی تھی شعلے دور دور تک فضا میں بلند ہو رہے تھے آگ بڑے ہولناک منظر کو جنم دے رہی تھی۔

اگلا دن سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے لئے بڑا ہنگامہ پرور تھا۔ اپنے دفتر کے علاوہ پبلک رپورٹروں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ سب کے سب کل کے حالات اور واقعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بے قرار تھے۔

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنی بڑی معصوم صورت بنا کر کہا' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی صاحب میرا شمار تمام داستان کو بے چینی سے سننے والوں میں کیجئے۔ تمام حالات میرے سامنے رونما ہونے کے باوجود میری کیفیت ایسی ہی ہے کہ ساری الف لیلیٰ ختم ہو جانے پر بھی مجھے معلوم نہیں کہ زلیخاں مرد تھی یا عورت' اصل مجرموں کی شکل میں نہ دیکھ سکا''۔

اس پر تمام اہلکاروں کی طرف سے ایک فرمائشی قہقہہ بلند ہوا۔ اصل حقیقت یہ ہے' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا اس کا مجھے خود افسوس ہے کہ مجرموں کی صورت ہی نہ دیکھ سکا اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون لوگ تھے۔ ہم سب کے سامنے ہی کار الٹ جانے پر وہ کردار انسان نذر آتش ہو گئے''۔

(ختم شد)

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوفناک اژدھوں کی آنکھوں کو جنبش ہوئی اور گوتم بدھ کی مورتیوں کے سر کھڑی کے پنڈولم کی طرح آہستہ آہستہ ہلنے لگے

جادوگر

تحریر ..... رفعت محمود

شاہ برما کے محل کے اس پار برگد کے سائے تک کچھ فاصلے پر تھکے ماندے ہاتھی آرام کر رہے تھے۔ دوپہر کی تخت دھوپ میں محل کی فصیل پر مور چہل قدمی کر رہے تھے۔ شاہ برما تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے ایک طرف پان دان رکھا تھا اور دوسری طرف شاہ لنکا کے سفیر نہایت ادب و احترام سے دوزانو بیٹھے تھے۔ سفیر شاہ لنکا کی اکلوتی بیٹی کی شاہ برما سے شادی کے متعلق شاہ لنکا کے اعلان کی خوش خبری لے کر آئے تھے۔ شادی دو سال بعد ہو گی۔

بادشاہ کے گرد وزراء ارکین سلطنت اور دوسرے لوگ اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے حقب میں اتصات دربار جاجر رنگین پرچم علم اور جھنڈے طائران نوگرفتار کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے ایک میز کے قریب سونے چاندی کے برتنوں میں موسم کے پھل سجے ہوئے رکھے تھے ہر جگہ طاؤس شاہی اور فیل سفید بت آویزاں تھے برما کے لوگوں اور سازندوں نے دربار شاہی کو فردوس گوش خوشبو اور عطریات نے بہشت شام اور گل ہائے رنگا رنگ نے جنت چشم بنا رکھا تھا اشارہ شاہی پاتے ہی رقاصات پری چہرہ مہ جبین جواہرات کے مرصع لباس زیب تن کیے آداب شاہی بجا لائیں اور سحر آگیں نغموں سے حاضرین کو محظوظ کر دیا۔ مجلس رقص و سرود ختم ہوئی تو سفیران لنکا نے درباری رسم کے مطابق کھڑے ہو کر جانے کی اجازت چاہی شاہ برما نے شاہ لنکا کو محبت کا پیغام بھجوایا۔ سفیران لنکا نے عنایات شاہی کا شکریہ ادا کیا اور الٹے پاؤں دربار شاہی سے باہر آ گئے۔

شاہ برما نے جلسہ، پلیوڈا کی شرکت تک آرام فرمانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ دربار شاہی برخاست ہوا سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ گیان تھو وزیر اعظم اور مونگ بچو وزیر خزانہ امور سلطنت پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔

شاہ برما امور سلطنت میں دخل دیتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا۔ حالانکہ وہ ابھی ناتجربہ کار



ہیں۔

وزیر خزانہ نے بادشاہ کی شادی کے اتنے طویل التوا پر اظہار افسوس کیا اور کہا۔ اس مدت میں ان کے لیے کوئی مشغلہ تلاش کرنا ضروری ہے، تھوڑی دیر بعد قرنوں کی صدا بلند ہوئی اور گرد ونواح میں ایک حرکت سی ظاہر ہوئی باغ میں چراغاں ہوا اور ملازمین شاہی اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کمربستہ ہوگئے۔

شاہ برما کا سفید ہاتھی جس پر مرصع جھول پڑی تھی محل شاہی کے پھاٹک پر لایا گیا جو مہاوت کا حکم پاتے ہی بیٹھ گیا شاہ برما تشریف لائے انہوں نے درباری لباس اتار کر دوسرا پہن لیا تھا وہ ہاتھی پر بیٹھے اور ہاتھی کھڑا ہو گیا اور دو سو افراد کا جلوس پیکوڈا کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔

پیکوڈا کا خالی چبوترہ کھڑا تھا دیوار کے طاقوں میں گوتم بدھ کے بت نصب تھے اور ہر ایک بت

کے سامنے ایک شمع روشن تھی پیتل کے تھالوں میں گلاب چنبیلی اور دوسرے پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن پر رنگا رنگ روشنی پڑ رہی تھی یہ منظر بڑا دلکش اور نہایت پر کیف تھا۔ ایک بڑا سا گھڑیال جنبش میں آیا۔ گھنٹے کی آواز سنتے ہی لوگ جوق در جوق چار طرف سے اتر کر چبوترے پر آنے لگے مرد عورتیں' بچے 'بوڑھے سب کے سب قیمتی لباسوں میں ملبوس تھے۔ نوجوان ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور ہنستے عمر رسیدہ اشخاص خاموشی اور سنجیدگی سے گوتم بدھ کے حضور میں منتیں چڑھانے لائے تھے۔ حسین لڑکے اور لڑکیاں خوش گپیوں میں مصروف تھے بچے خاموشی سے رنگ برنگی گیندوں سے کھیل رہے تھے۔ کونوں میں شامیانوں کے نیچے جوتشی پتریاں لیے کنڈلیاں کھینچنے میں مشغول تھے یہ ایک رنگ برنگ پھر بھی ہم آہنگ منظر تھا۔

بادشاہ ان کے پاس سے تنہا گزرا اور کسی نے اسے نہیں پہچانا وہ آگے جا کر ہجوم میں غائب ہو گیا۔ چند ہی لمحہ بعد معصوم صورت ایک حسین دوشیزہ بھی داخل ہوئی وہ دیوانہ وار ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتی اور ہر ایک سے کہتی۔

میں شاہ برما سے جو ابھی ابھی یہاں تشریف لائے تھے۔ ملنا چاہتی ہوں لوگ اس کی پریشان حالی وارفتگی اور مجنونانہ حالت دیکھ کر اور شاہ برما سے ملنے کی درخواست سن کر ایک دوسرے کو دیکھتے مسکراتے اور چل دیتے وہ ایک گروہ سے دوسرے گروہ کے پاس جاتی لیکن لوگ اس پر نفرت اور حقارت کی نظر ڈال کر اپنا منہ پھیر لیتے آخر کار شاہ برما بھی ادھر آنکلے لڑکی نے بادشاہ کو بغیر پہچانے سوال [illegible] اور بادشاہ کا التفات دیکھ کر اس کے قدموں پر گر پڑی اس کا حسن اور خستہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اس پر ترس آ گیا اور اس نے ان سپاہیوں اور سنگدلوں کو جو لڑکی کی راہ میں حائل ہونا چاہتے تھے اپنے ہاتھ کے اشارے سے باز رکھا وہ بادشاہ کو ایک رحم دل انسان سمجھ کر مگر اس کی شخصیت سے لاعلم ہو کر اس سے کہا کہ وہ اس کی باندی اور کنیز تک بننے کو تیار ہے۔

بادشاہ اس کی داستان نہایت خاموشی سے سنتا رہا وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے باپ کی موت کے بعد سے گاؤں والوں کے ظلم و تشدد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اگر اس کا کوئی قصور تھا تو صرف اتنا کہ اس کی ماں اطالوی تھی اور وہ خود مفلس اور تنگ دست لڑکی اس امر کی متمنی تھی کہ وہ خود گاؤں میں اس کی جھونپڑی پر آئے اور اپنی آنکھوں سے واقعات دیکھ لے ہاتھ کے اشارے سے بادشاہ نے لڑکی کی درخواست منظور کر لی لڑکی اٹھ بیٹھی لوگ چاروں طرف جمع ہو گئے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ بادشاہ بصورت ہو کر ہر اس شخص کو جو کسی نہ کسی صورت دخل دینے کی کوشش کرتا ایک طرف دھکیل دیتا لڑکی آگے آگے اور بادشاہ اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ پگوڈا سے باہر نکل کر وہ دونوں رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

آخر وہ دونوں ٹوٹی پھوٹی اور فرسودہ حال جھونپڑی پر پہنچے جھونپڑی کی شکستہ حالی اس کے مکینوں کی زبوں حالی اور مفلسی کی گواہ تھی گردو نواح کی خاموشی باشندوں کی بے زبانی کی دلیل تھی۔ آس پاس کی بربادی مالکوں کی بے سرو سامانی کی شہادت تھی راستہ کا نشیب وفراز لوگوں کی قسمت کے پھیر ظاہر کرتا تھا اور جنگل کی تاریکی ان کی بل کی تباہی ظاہر کرتی تھی۔

جنگ جینگ صدوش کے لیے بے مثال حسن اور بے مائگی پر تعجب ہوا لڑکی نے کہا کہ وہ مفلسی سے ہیں بلکہ ہمسایوں کی کینہ پروری سے عاجز تھیں ان کی دشمنی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ اس کے تربوز اور انناس کی فروخت میں بھی آڑے آتے تھے۔ بادشاہ کی نظر لڑکی پر جمی رہی اور وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا آخر کار وہ لڑکی کی حفاظت کا ضامن بنا اور وعدہ کیا کہ بہت جلد وہ اس جنگل میں اس کے لیے ایک عالی شان مکان تعمیر کرا دے گا۔

اس نے کہا وہ دو سال تک مطلق العنان رہے گا اور ان دو سال میں بلا شرکت اپنی زندگی کا مالک رہے گا غرض یہ کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور اسے اپنانا چاہتا تھا وہ دونوں مل کر ایک جنت کی بنیاد ڈالیں گے۔

لڑکی حیرت اور خوف کے جذبات سے کانپ اٹھی اور پوچھا دو سال کے بعد۔

بادشاہ نے جواب میں کہا۔

جنگل میں جھونپڑی کی جگہ ایک پختہ عمارت بن گئی۔ جس کی ساخت نصف برمی اور نصف اطالوی تھی اور اس کے کمرے نصف اطالوی فرنیچر برمی ساز و سامان سے مزین تھے۔ عمارت کے چھوٹے چھوٹے برآمدوں میں نہایت بیش بہا ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔

دوپہر کا وقت تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی آس پاس کے پیڑ اس سناٹے میں سنتریوں کی طرح عمارت کی حفاظت کر رہے تھے برمی ملازم باہر سفید اور چوڑی سیڑھیوں پر اونگھ رہے تھے۔ اندر رباب پر نغمہ محبت بج رہا تھا زندگی موسم گرما کی لمبی دوپہر میں سو رہی تھی آخر دو ملازموں نے اس خاموشی کو یوں توڑا یہ حضرت آخر اس زندگی سے اکتائیں گے نہیں۔ پہلے نے نفرت سے کہا گھبراؤ نہیں۔ دوسرے نے کہا۔ خاتمہ قریب ہی ہے۔

آخر کار کتنا عرصہ۔ پہلے نے پوچھا۔

ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا۔ دوسرے نے جواب دیا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ دو میں سے ایک کا دل ضرور ٹوٹے گا۔

کیا وہ اسے چھوڑ دے گا۔ پہلے نے پوچھا۔

ہاں دوسری کوئی صورت ہی نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ قسمت سے کون لڑ سکتا ہے کوئی نہیں

سورج قدرے ڈھلا۔ ہوا کھجور کے ساکت پتوں کو پیار کرتی اور وہ مست ہو کر جھومنے لگے ملازمین ایک بڑا خیمہ۔ چاندی کی کرسیاں پھل

پھول اور کئی چیزیں لائے تین سازندے بری اور اطالوی لباس پہنے اپنے ساز ہاتھ میں لیے وہیں آ گئے۔ خیمہ نصب ہوا منگ بینگ اور مہوش بھی آئے اور ان کے پیچھے پیچھے دو بری خادمائیں دو چھوٹے بچوں کو گود میں لیے آ گئیں۔

ملازمین کچھ دور ہٹ گئے شاہ برما اور اس کی محبوبہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ بچے رنگین گیندوں سے زمین پر کھیلنے لگے۔ سازندوں نے ایک نغمہ چھیڑا

دو سالی میں اب دو دن باقی ہیں۔ شاہ برما نے اندوہناک لہجے میں کہا

اور تم خوش ہو۔ مہوش نے کہا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ وہ مسکرائی اسے کسی بات کا شبہ نہیں ہوا وہ ریشم کا بہترین لباس زیب تن کیے اور یاقوت کے بندے پہنے بیٹھی تھی وہ آج ہمیشہ سے زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی۔

منگ بینگ نے شطرنج کی بساط بچھائی اور وہ دونوں شطرنج کھیلتے رہے سورج غروب ہو رہا تھا یکایک گاڑی کے پہیوں کی آواز آئی کچھ دیر بعد شاہ برما کے وزیر اعظم نے ایک خط دیا جو منگ بینگ نے بغیر پڑھے ہی رکھ لیا۔ خیمہ کے پردے گرے اور ساز بند ہو گئے۔

بادشاہ اور وزیر اعظم بات چیت کرنے لگے۔ وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ لنکا کی شہزادی اور اس کا قافلہ عنقریب پہنچنے والے ہیں درباری اور رعایا بے چینی سے حضور کا انتظار کر رہے ہیں اور بندہ آپ کو لینے آیا ہے منگ بینگ پر بجلی سی گری اور وہ خاموش ہو گیا۔

جہاں پناہ کا جب دل چاہے واپس آ سکتے ہیں۔

بادشاہ نے مہوش کو سمجھایا کہ وہ ضروری کاموں کے لیے کچھ عرصہ کے لیے اس سے جدا ہوگا۔ ممکن ہے وہ ایک ماہ سے پہلے ہی واپس آ جائے وہ ایک دوسرے سے بمشکل جدا ہوئے۔

بادشاہ وزیر اعظم کے ساتھ چل پڑا۔ مہوش دور تک اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر غش کھا کر گر پڑی۔

سات سال گزر گئے اور وہ نہ آئے مہوش برآمدے میں بیٹھی تھی۔ آس پاس کے درخت کاٹ دیے گئے تھے تاکہ دور تک سڑک صاف نظر آ سکے وہ ہمیشہ ٹکٹکی لگائے اسی سمت دیکھا کرتی جس طرف اس کا محبوب گیا تھا اس کے ساتھ اس کے بھولے بھالے بچے بھی بیٹھے تھے اور وہ دل میں کہتی۔ شاید آج کل لیکن ایک دن ضرور آئیں گے۔

آج وہ ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔ گاتے گاتے وہ یکایک پکار اٹھی۔

آخر آ ہی گئے۔ دور سے سڑک پر کچھ سوار نظر آئے مہوش برآمدے سے باہر آئی۔ اتنے میں سوار بھی آ گئے تھے اس کی نظر کیان تھو پر پڑی وزیر اعظم سفید لباس میں ملبوس تھا۔ سفید لباس برما کا ماتمی لباس ہوتا ہے۔ مہوش حیران رہ گئی دل

دھک سے رہ گیا اور ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

بادشاہ نے اپنے بچوں کو بلا بھیجا ہے۔ وزیر نے کہا۔ ملک کا انتقال ہو گیا ہے اور کوئی وارث نہیں بچا۔

ملک --- کون ملک۔ مہ وش نے حیرانی سے پوچھا۔

برما کی ملکہ۔ وزیر اعظم نے جواب دیا۔

مہ وش کو آج معلوم ہوا تھا اس کا محبوب ملک کا بادشاہ ہے وہ زارو قطار رو رہی تھی اس نے اپنے جگر گوشوں کو بلایا اور حکم شاہی سنایا اس میں خلاف ورزی کی ہمت نہ تھی اس نے گڑگڑا کر اپنے بچوں کے ساتھ جانے کی اجازت چاہی خواہ وہ ملازمہ یا آیا ہی کی صورت کیوں نہ ہو۔ وزیر اعظم نے انکار کر دیا اور کہا۔

اس بڑی سی دنیا میں اس چھوٹی سی عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں ۔ بڑوں کو بھول جانے کی ہی عادت ہوتی ہے ۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ آپ یہیں قیام کریں۔

تب اس نے حکم دیا کہ ہونے والے بادشاہ اور اس کے بھائی کے سفر کا فوراً انتظام کیا جائے ۔ بچے خاموش کھڑے اپنی ماں اور وزیر اعظم کو تک رہے تھے اور خوف وہراس کے آثار ان کے چہروں پر عیاں تھے مہ وش بھی کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا وہ بت بن گئی ہے۔

اسی شب مہ وش چیتی جادوگر کے گھر گئی جادو گر کا مکان دریا کے کنارے تھا جس میں ہر قسم کی اشیاء کا انبار لگا تھا ۔ سونے کے اژدھے جن کی زمردی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں ۔ قیمتی دھاتوں کے بنے ہوئے گوتم بدھ کے بڑے بڑے مجسمے جن کے سر جنبش کر رہے تھے ۔ لہراتے ہوئے جھنڈے جن کے کناروں پر موتی جڑے ہوئے تھے ۔ لالٹینیں جن کے شیشوں پر عجیب سی تصویریں تھیں جادوگر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر جھریاں پڑی تھیں اس کے ہاتھ نہیں پنجے تھے سارا منظر ہیبت ناک اور ڈراؤنا تھا۔

جادوگر نے گدوں کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کیا مہ وش وہاں کھڑی ہو گئی اور اپنا غم سنانا شروع کیا جو کچھ اس نے کہا جادوگر نے بہت غور سے سنا اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ خوفناک اژدھوں کی آنکھوں کو جنبش ہوئی اور گوتم بدھ کی مورتیوں کے سر گھڑی کے پنڈولم کی طرح آہستہ آہستہ ہلنے لگے عشق و محبت کا یہی انجام ہوتا ہے ۔ جادوگر نے کہا۔ میری عمر ایک ہزار سال ہے اور میں نے اس عرصہ میں دنیا میں یہی ہوتے دیکھا ہے۔

مہ وش کھوئی کھوئی سی معلوم ہوتی تھی اور جادوگر کی باتیں سن رہی تھی میں اپنے بچوں کے پاس کیسے پہنچ سکتی ہوں ۔ اس نے پوچھا۔

میں تمہیں پرندہ بنا سکتا ہوں ۔ جادوگر نے جواب دیا۔ تم اڑ کر محل میں جا سکتی ہو ۔ باغ میں ٹہل سکتی ہو اور اپنے بچوں کو دیکھ سکتی ہو ۔

کون سا پرندہ بناؤ گے۔ مہ وش نے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔

سفید بگلا۔ جادوگر نے جواب دیا۔

مہ وش کو یہ بات پسند نہ آئی وہ بڑے سے کمرے میں ٹہلنے لگی اور بولی۔

مجھے مور میں تبدیل کر دو۔ وہ زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔

جاؤ ایسا ہی ہوگا۔ جادوگر سر جھٹک کر بولا۔

کمرے کی سب روشنیاں ایک ایک کر کے سب بجھ گئیں۔ شام کا وقت تھا بادشاہ کے محل کے باغات سے پانی نکل رہا تھا اور پھولوں پر پھوار پڑ رہی تھی باغ کے سبزہ پر طاؤس خراماں خراماں چل رہے تھے صرف ایک دوسروں سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت مور اپنا سر جھکائے اور پروں کو سمیٹے تنہا کھڑا تھا منظر رنگ اور روشنی سے چمک رہا تھا ایک قسم کی خاموشی طاری تھی وزیراعظم اور وزیر خزانہ جوتشیوں کے ساتھ آئے۔

کوئی دوائی کارگر نہیں ہوتی۔ طبیب نے کہا۔ کوئی تدبیر سمجھ نہیں آتی۔ صبح تک بیمار کا بچنا مشکل نظر آتا ہے۔ بیماری جان لیوا صورت اختیار کر چکی ہے۔

سیاروں کی رفتار بادشاہ کی صحت یابی کے خلاف ہے۔ جوتشی نے کہا۔ صرف کوئی معجزہ ہی بادشاہ کی جان بچا سکتا ہے۔ قسمت کے آگے ہتھیار ڈالنا ہی پڑتے ہیں سب نے ایک دوسرے کی طرف گھبرا گھبرا کر دیکھا اور سب اپنا سر جھکائے محل کی طرف چل دیئے۔ دیوار پر بیٹھے مور نے اپنی دم پھیلا دی اور ایک دل خراش چیخ نکالی جسے سن کر ہر کوئی خوف دہراس سے پھڑک پڑا۔ طاؤس نے اپنی دم سمیٹ لی اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ غور وفکر کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہو۔

یہ مور دوسرے موروں کی طرح نہیں ہے۔ ایک جوتشی نے کہا۔ میں اسے کئی سال سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ ہمیشہ تنہائی پسند ہے اور غضب تو یہ ہے دوسرے مور بھی اس سے ڈرتے ہیں۔

تم غلطی کر رہے ہو۔ دوسرا جوتشی بولا۔ یہ تو مور کی شکل میں بھوت ہے۔ اس کی آنکھیں دیکھو۔ پرندوں کی آنکھوں کی طرح تو ہیں ہی نہیں وہ تو ایک سفید روح کی مانند ہے۔

یہ کہہ کر وہ چل دیئے۔ مور نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں دونوں نوجوان شہزادے باغ میں آئے باغ میں آتے ہی ان کی رفتار سست ہو گئی اور وہ دبی زبان سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ شہزادوں کے پیچھے پیچھے ان کے نوکر تھے۔ جن کے ہاتھوں میں چڑیوں کو کھلانے کے لیے دانہ کی ٹوکریاں تھیں دیوار پر بیٹھے ہوئے مور نے ذرا بھی جنبش نہیں کی اس کی نظر ہمیشہ شہزادوں پر ہی رہی بڑا شہزادہ مٹھی بھر دانے لے کر مور کو دینے کے لیے آیا لیکن مور نے دانوں کی طرف منہ نہ کیا۔

اے ملک سلطنت پرندگان میں نے تجھے سمجھنے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ میں آج تک تجھے نہ

سمجھ سکا۔ یہ کہہ کر وہ مور کے پروں کو تھپتھپانے لگا اس کا ہاتھ لگتے ہی پروں کی چمک دوچند ہو گئی۔

شہزادہ مور سے کچھ منہ ہی منہ میں کہہ رہا تھا۔ بادشاہ اس وقت موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے میرا اور میرے بھائی کا دل غم کا شکار ہے۔ اگر بادشاہ مر جائے تو میں ہی تخت وتاج کا وارث ہوں گا مگر حکومت اور سلطنت کا خیال آتے ہی میں کانپ اٹھتا ہوں ہم دونوں ہی یہ چاہتے ہیں کہ باپ کی موت کے بعد جنگل واپس چلے جائیں اور اپنی ماں سے جا ملیں جو یقیناً ہم دونوں کی واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتی ہو گی

مور یہ سب باتیں غور سے سنتا رہا پھر اپنے پر پھیلائے اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اڑنے کو پر تول رہا ہو لیکن پھر خاموشی سے بیٹھ گیا اور شہزادے کو غور سے دیکھتا رہا۔

اتنے میں محل سے ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔

جہاں پناہ قریب المرگ ہیں اور شہزادوں کو یاد فرماتے ہیں۔ شہزادے ملازم کے ساتھ چلے گئے اور مور اڑ گیا۔

اسی دن رات کو جادوگر نے مہ وش کو انسانی شکل میں بدل دیا اور اس سے کہا میں نے تمہیں تمہاری درخواست پر دوبارہ انسانی شکل میں بدل دیا ہے۔ لیکن تمہاری زندگی کے چند گھنٹے ہی باقی ہیں کیونکہ تم اپنے پہلے کے عہد کو ایفا نہ کر سکیں

بادشاہ تو زندہ رہے گا۔ مہ وش نے پوچھا

ہاں وہ زندہ رہے گا۔ جادوگر نے جواب دیا۔ اور کسی اور حسینہ کو اپنی آغوش میں لے کر داد عیش دے گا لیکن یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو جاؤ تم اپنی جان دے کر اسے بچا سکتی ہو۔

میرے محبوب کی جان کے مقابلہ میں مہ وش نے کہا۔ میری جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کیا میں پانچ سال تک اپنے محبوب کا دیدار نہ کیا۔ اس کی آواز نہ سنی۔ میں گھنٹوں بھوکی اور پیاسی رہی۔ میں نے گھنٹوں تک اپنے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ لیا۔

تب تو قطعی طور پر مطمئن ہو۔ جادوگر نے پوچھا۔

آپ جادوگر ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

بے شک یہ محبت کا کرشمہ ہے۔ جادوگر نے کہا۔ اور یہ وہ جادو ہے جس سے نہ صرف جادوگر بلکہ ہر کوئی واقف ہے۔

بادشاہ اپنی آرام گاہ میں ریشمی گدوں کے ڈھیر پر موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کمرے میں دھندلی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی بادشاہ کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں بے نور جو نقاہت کی وجہ سے کھل بھی نہیں سکتی تھیں۔ وزراء اراکین سلطنت درباری ملازمین اور بہت سے خواص ادھر ادھر کھڑے تھے اور ان کے چہروں سے غم کے آثار نمایاں تھے۔ یو پھٹ چکی تھی

قریب ہی میز پر دوائی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ طبیب دوائیں بدلتے بدلتے تھک چکے تھے لیکن کوئی دوا مریض کی حالت ٹھیک نہ کر سکی۔ کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ طبیب دبی دبی زبان سے کہہ رہے تھے۔ بس اب چند لمحے کے مہمان ہیں یہ سن کر سب کی نگاہیں مریض کی طرف پھر جاتیں۔ یکا یک جوتشی بول اٹھے۔ ستاروں کی نحوست پر زوال آچلا ہے اور ان کے اثرات کمزور ہو چلے ہیں۔

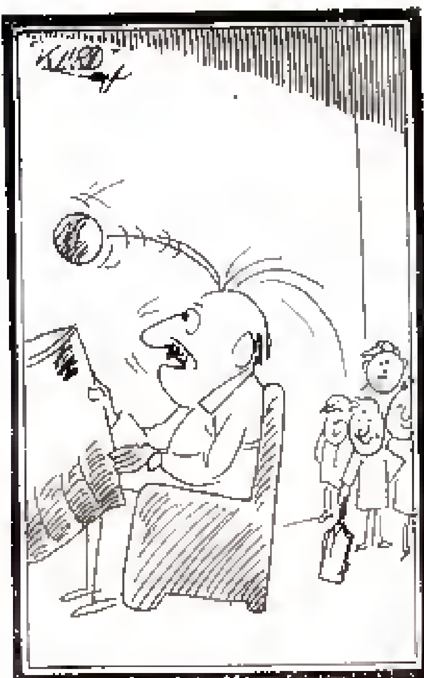
سورج کی شعاعیں مریض کا منہ چوم رہی تھیں اور وہ آنکھیں کھول رہا تھا۔ شہزادے بادشاہ کو دیکھتے آگے بڑھے انہوں نے اس کا سر اونچا کر کے تکیوں پر رکھ دیا۔

اچانک کمرے کے دروازے سے بے تحاشا کھلے بال ایک جوان اور حسین عورت دیوانہ وار کمرے میں داخل ہوئی اس نے ان لوگوں کو دھکیل کر ایک طرف کر دیا جو اس کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے آسمان زندگی کے ستارے۔ وہ بادشاہ کے قریب پہنچتے ہوئے بولی۔

میں تیرے لیے زندگی لائی ہوں۔ آب حیات لائی ہوں۔ اور۔۔۔اور

وہ جملہ پورا نہ کر سکی اس کا سر اپنے محبوب کے قدموں میں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا سب لوگ دوڑے دوڑے آئے۔ کمرے کے



بیگم! بچوں کے سکول کب کھلیں گے



جوہرات چمک اٹھے پوری دنیا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہ کی بیماری غائب ہو گئی تھی۔



دوسری اور آخری قسط

اس نے تیزی سے کروٹ بدلی اور حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ سانس روک کر کان کھڑے کر لیے۔ کمرے میں سامنے خالی بستر پر کچھ حرکت ہو رہی تھی

پراسرار سیٹی

تحریر...... اشفاق انور

دیا سلائی کی رگڑ اور روشنی کے شعلے سے رات کی مخلوق چونک اٹھی۔ وہاں چوہے تھے یا شاید کوئی اور چیز بہر حال فرش پر تیزی سے کچھ حرکت ہوئی۔ لیکن یہ کیا دیا سلائی تو بجھ گئی دوسری تیلی اچھی طرح جلی اور ایک موم بتی اور ایک کتاب کا انتظام ہو گیا جس کے سہارے پارکنس نے خاصا وقت کاٹ لیا حتیٰ کہ گہری نیند نے اس پر غلبہ پالیا۔ اس کی باقاعدہ اور محتاط زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اگلی صبح کوئی آٹھ بجے اسے آواز دی گئی تو شمعدان میں روشنی کی لو اب بھی جھلملا رہی تھی اور میز کی سطح پر موم جمی ہوئی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں گولف کھیلنے کا لباس تبدیل کر کے تیار ہو رہا تھا۔ قسمت نے کرنل کی صورت میں ایک اچھا ساتھی دیا تھا۔ ایک خادمہ کمرے میں داخل ہوئی۔

”جناب کیا آپ اپنے بستر کے لیے مزید کمبل لینا پسند کرتے ہیں؟“ اس نے دریافت کیا۔

”او شکریہ۔“ پارکنس نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے ایک کمبل اور چاہیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردی کچھ بڑھ رہی ہے۔“

تھوڑی ہی دیر میں خادمہ ایک کمبل لے کر آ گئی۔

”کون سے بستر پر رکھوں جناب؟“ اس نے پوچھا۔

”اسی بستر پر رکھ دو جہاں میں رات کو سویا تھا۔“ پارکنس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

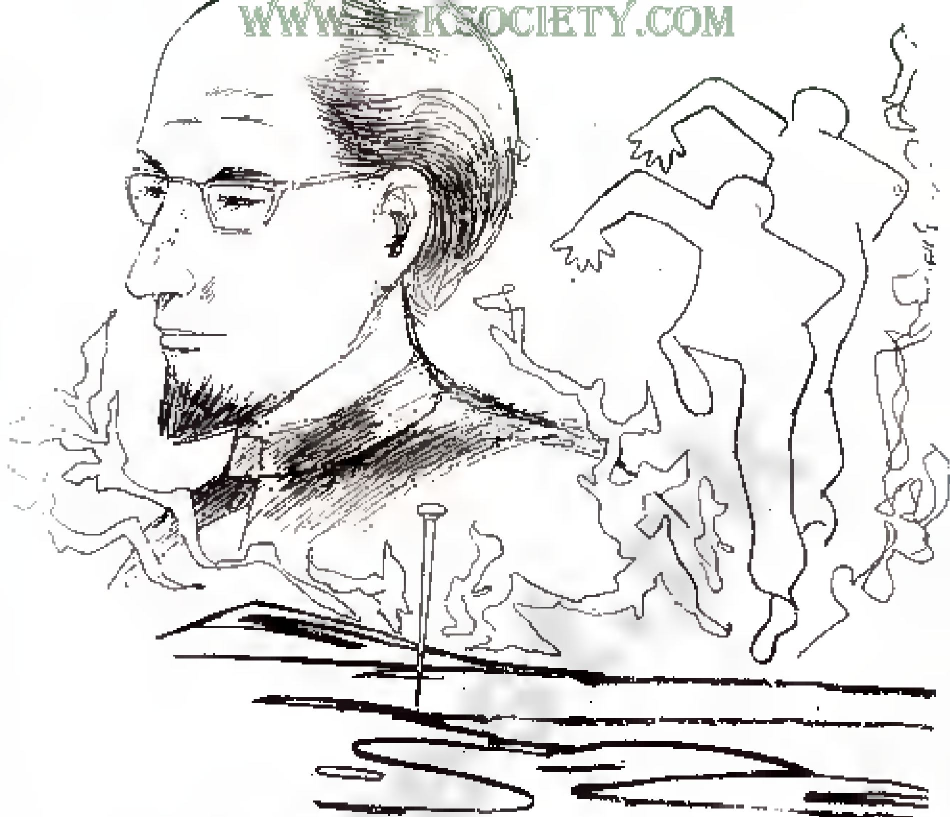
”معاف کیجئے گا جناب معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں بستر استعمال کیے ہیں لہذا آج دونوں کی چادریں بدلنی پڑیں گی۔“

”واقعی؟ بڑی عجیب سی بات ہے۔“ پارکنس نے کہا۔

”لیکن میں نے تو دوسرے بستر کو چھوا بھی نہیں۔ البتہ اس پر کچھ چیزیں ضرور رکھی تھیں۔ کیا واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس پر سویا ہوا تھا؟“

”بالکل جناب۔“ خادمہ نے کہا۔

”بستر پر بری طرح شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور



سب چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ بلکہ آپ اجازت دیں تو یہ بھی کہوں گی کہ سونے والے نے رات بڑی بے چینی سے گزاری ہے۔''

''اچھا۔'' پارکنس نے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ میں نے اس پر سامان کھول کر اسے توقع سے زیادہ شکن دار کر دیا ہو۔ بہر حال مجھے افسوس ہے کہ تمہیں زحمت دی۔ مجھے امید ہے کہ میرا ایک دوست کیمبرج سے جلد ہی یہاں پہنچ جائے گا اور وہ ایک دو راتیں یہاں قیام کرے گا۔''

''کوئی بات نہیں جناب مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی شکریہ۔'' خادمہ نے یہ کہا اور باہر چلی گئی۔

''پارکنس گولف کی مشق کرنے اور کھیل کو بہتر بنانے کا ارادہ کر کے چل پڑا۔

میں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ وہ اپنے ارادے میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ دن چڑھتے ہی کرنل جو اس کے ساتھ کھیلنے کا صبح ہی سے پروگرام بنا رہا تھا بڑی بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا۔ اور اس کی آواز اس طرح گونجنے لگی جیسے کسی شاعر کے کہنے کے مطابق کسی گرجے میں بہت سے

آدمی مل کر گا رہے ہوں۔

''رات بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔'' اس نے کہا۔

''ہمارے ہاں ایسے موقعوں پر کہتے ہیں کہ کوئی اس کے لیے سیٹی بجا رہا ہوگا۔''

''کیا واقعی؟'' پارکنس نے کہا۔

''کیا آپ کے علاقے میں اب بھی کوئی اس قسم کا توہم پایا جاتا ہے؟''

''مجھے تو ہم کا تو پتہ نہیں۔'' کرنل نے کہا۔

''البتہ ڈنمارک اور ناروے کے علاوہ یارک شائر کے ساحلی علاقوں میں لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اور میرا تجربہ ہے کہ کئی پشتوں سے لوگ جس چیز میں اعتقاد رکھتے ہوں اس کی تہہ میں ضرور کوئی بات ہوتی ہے۔ لیکن اب آپ کی باری ہے۔'' (گولف کھیلنے والے تصور کر سکتے ہیں کہ مناسب وقفوں کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔)

جب گفتگو دوبارہ شروع ہوئی تو پارکنس نے ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ابھی جو کچھ کہا تھا اس کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اس قسم کی باتوں کے متعلق میرے نظریات بڑے ٹھوس ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کو مافوق الفطرت کہتے ہیں میں اس میں قطعاً یقین نہیں رکھتا۔''

کرنل نے کہا۔ ''کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ آپ بھوت پریت یا اس قسم کی چیزوں کو نہیں مانتے؟''

پارکنس اس کا یہ جواب دینا چاہتا تھا کہ یہی

ان سب لوگوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں ان کا قدیم عہد نامے میں ذکر موجود ہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شاید اس میں ان کا زیادہ حوالہ نہ ہو اس نے اپنے اوپر عائد کیے گئے الزام پر قہقہہ لگایا۔

''شاید ایسا ہی ہو۔'' اس نے کہا۔

''لیکن...... ذرا معاف کیجیے گا...... لڑکے مجھے میری سٹک دینا۔'' (کچھ وقفہ)

''اب یہ جو ہوا کے لیے سیٹی بجانے کا مسئلہ ہے اس کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ ہوا پر جو قانون چلتا ہے وہ مچھیروں اور اس قسم کے لوگوں کو بالکل معلوم نہیں۔ اس کے فوراً بعد تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔ لیکن اب ایسے آدمی عام ہیں جو آسمان کو دیکھ کر یا بیرومیٹر کی مدد سے اس کے متعلق پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ لیکن دیہاتی مچھیروں کے پاس بیرومیٹر نہیں ہوتے اور وہ موسم کی پیش گوئی کے کچھ بعد ہی یہی اصول برتتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی مفروضہ بے دین آدمی کو ہوا چلانے کا باعث سمجھا جائے گا۔ اور وہ اس قابلیت کے لیے شہرت حاصل کر لے گا۔ اب گزشتہ رات کے واقعے کو ہی لیجیے ہوا یوں کہ میں خود سیٹی بجا رہا تھا۔ میں نے دوبارہ سیٹی بجائی اور ہوا چلنے لگی جیسے وہ واقعی سیٹی کی آواز سن کر ہی آئی ہو۔ اگر مجھے کوئی دیکھ لیتا۔''

معلوم ہوتا تھا کہ سننے والا اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ پارکنس کسی حد تک وعظ کے انداز میں بول رہا تھا۔ آخری فقرے کو قطع کرتے ہوئے کرنل بولا۔

''آپ سیٹی بجا رہے تھے؟'' اس نے کہا۔

''کس قسم کی سیٹی ہے جو آپ نے بجائی تھی۔

پہلے آپ گیند کو ضرب لگالیں۔" (وقفہ)

"آپ جس سیٹی کے متعلق پوچھ رہے ہیں وہ بڑی عجیب سی ہے۔ یہ میری جیب میں...... نہیں وہ تو میں اپنے کمرے ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ بہرحال یہ سیٹی کل مجھے ملی تھی۔"

اور پھر پارکنس نے سیٹی پانے کا واقعہ بیان کیا جسے سن کر کرنل نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر وہ پارکنس کی جگہ ہوتا تو کیتھولک گرجے سے تعلق رکھنے والا ایسی چیز کو استعمال کرنے سے احتیاط کرتا جس کے متعلق یہ یقینی بات ہے کہ نہ جانے کیا پیش آ جائے۔ پھر وہ علاقے کے پادری کی برائیاں گننے لگا۔ جس نے گذشتہ اتوار کو اعلان کیا تھا کہ جمعے کے دن حواری سینٹ طامس کی دعوت ہوگی اور پھر گیارہ بجے گرجے میں دعا ہوگی۔

کرنل کا خیال تھا کہ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پادری درپردہ طور پر پوپ پرست ہے اور پارکنس نے اس سے اختلاف نہ کیا۔ وہ اس علاقے کی باتوں سے فوری طور پر کرنل سے اتفاق بھی نہ کرسکتا تھا۔ دراصل صبح وہ اتنی خوش اسلوبی سے وقت گزار چکے تھے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد ان کے درمیان علیحدگی کی کوئی بات قابل قبول نہ تھی۔

دونوں دوپہر کے بعد بھی کھیلتے رہے یا کم از کم اس حد تک مگن رہے کہ وہ شام کا جھٹپٹا ہونے تک ہر چیز کو بھولے رہے۔ پارکنس کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ درسگاہ کے کھنڈروں میں مزید تحقیقی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا کہ اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں۔ دن بہرحال ٹھیک ٹھاک گزرا تھا لہٰذا وہ کرنل کے ساتھ گھر روانہ ہوگیا۔

جونہی وہ مکان کے پاس سے گھومے ایک لڑکا جو بھاگتا آ رہا تھا کرنل سے بری طرح ٹکرایا۔ اور پھر بھاگ جانے کے بجائے اس کے ساتھ ہی چمٹا رہا۔ وہ ہانپ رہا تھا یہ قدرتی بات تھی کہ کرنل نے لڑکے سے پہلے جو کچھ کہا وہ ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ تھے لیکن اسے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ لڑکا خوف کے مارے بول نہیں سکتا۔ شروع کے سوالات تو غلط ثابت ہوئے جب لڑکے کا دم میں دم آیا تو وہ چلانے لگا۔ وہ اب بھی کرنل کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا تھا۔ آخرکار اسے الگ کیا گیا مگر وہ بدستور چلاتا رہا۔

"کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟ یوں چلا کیوں رہے ہو؟ کیا دیکھ لیا ہے تم نے؟" دونوں نے اس سے پوچھا۔

"اف میں نے اسے کھڑکی میں اپنی طرف گھورتے دیکھا ہے۔" لڑکے نے دردناک آواز میں کہا۔

"اور میں اسے قطعاً نہیں دیکھ سکتا۔"

"کون سی کھڑکی میں؟" کرنل نے غصے سے کہا۔

"پوری بات بتاؤ لڑکے۔"

"سامنے کی کھڑکی ہوٹل کی۔" لڑکے نے کہا۔

پارکنس نے یہ سن کر لڑکے کو گھر بھیجنے کی رائے دی۔ لیکن کرنل نے انکار کر دیا۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ لڑکے کو اس طرح ڈرا

یہ بہت بڑی بُری بات ہے اور اگر پتہ چل جائے کہ کچھ لوگ مذاق کر رہے ہیں تو انھیں اس کی سزا ملنی چاہیے۔ کئی سوالات کرنے کے بعد یہ کہانی بنی لڑکا گلوب ان کے سامنے کچھ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب کھیل کے بعد سب لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چل دیے اور وہ بھی روانہ ہو رہا تھا کہ اس کی نظر سامنے کی کھڑکی پر پڑ گئی۔ وہاں کوئی چیز تھی جس نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جہاں تک اسے معلوم ہوا اس چیز کا رنگ یا لباس سفید تھا لیکن اس کا چہرہ نہ دکھائی دے سکا۔ وہ کوئی اچھی چیز نہیں تھی۔

اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھا شخص نہیں تھا۔ کمرے میں روشنی تھی؟ نہیں اس کا خیال یہ کہ وہاں روشنی نہ تھی۔ کھڑکی کون سی تھی؟ اوپر والی یا دوسری؟ دوسری والی۔ بڑی کھڑکی۔

"اچھا بھئی لڑکے۔" کرنل نے کچھ اور سوالوں کے بعد کہا۔

"اب تم گھر جاؤ میرا خیال ہے کہ کوئی شخص تمہیں محض ڈرانے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ پھر بھی ایسا موقع پیش آئے تو ایک بہادر انگریز لڑکے کی طرح اس پر پتھر پھینکو لیکن نہیں ایسا نہ کرنا بلکہ کسی بیرے یا ہوٹل کے مالک مسٹر بین کو بتا دینا اور کہنا کہ میں نے تمہیں ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی۔"

لڑکے کے چہرے پر جو تاثرات تھے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کچھ شک سا محسوس کرتا ہے کہ شاید مسٹر بین اس کی بات دھیان سے نہ سنے لیکن کرنل نے اسے اہمیت نہ دی [illegible] نے کہا۔

"اور یہ رہے چھ پنس ...... نہیں بلکہ یہ لو ایک شلنگ ...... اور اب اپنے گھر بھاگ جاؤ۔ اس کے بارے میں اور کچھ نہ سوچنا۔"

لڑکا جلدی سے شکریہ ادا کرتے ہوئے چلا گیا اور کرنل اور پارکنس مڑ کر دیکھ بھال کرنے کی غرض سے گلوب ان کے سامنے کے رخ پر پہنچے۔ لڑکے نے جو تفصیل بتائی تھی اس کے مطابق وہاں ایک ہی کھڑکی تھی۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" پارکنس نے کہا۔

"بظاہر تو یہ میرے ہی کمرے کی کھڑکی ہے۔ جس کا اس لڑکے نے ذکر کیا تھا۔ کیا آپ کچھ دیر کے لیے اوپر آئیں گے کرنل ولسن؟ دیکھیں تو سہی کہ کون میرے کمرے میں آزادانہ آتا جاتا ہے۔"

وہ جلد ہی دروازے کے سامنے جا پہنچے اور پارکنس دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"یہ بڑی ہی عجیب بات ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج صبح میں نے جاتے وقت کمرے کو تالا لگایا تھا۔ تالا اب بھی اسی طرح لگا ہوا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ چابی بھی میرے پاس ہی ہے۔" اس نے چابی دکھاتے ہوئے مزید کہا۔

"اب اگر نوکروں کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی کی غیر موجودگی میں کمروں میں داخل ہوتے ہیں تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں ایسی باتیں ہرگز پسند نہیں کرتا۔" عجیب طرح کے جذبات کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا (جو کہ واقعی مقفل تھا) اور [illegible]

بتیاں جائیں۔

”کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تو معلوم نہیں ہوتی۔“ اس نے کہا۔

”سوائے آپ کے بستر کے۔“ کرنل نے کہا۔

”معاف کیجیے وہ میرا بستر نہیں۔“ پارکنس نے کہا۔

”میں اسے استعمال نہیں کرتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسے چھیڑا ضرور ہے۔“

واقعی بات کچھ ایسی ہی تھی۔ بستر کے کپڑے ایک ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے اور بڑے پیچ دار طریقے سے مڑے ہوئے تھے۔ پارکنس کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”میرا خیال تو یہ ہے۔“ آخر اس نے کہا۔

”کہ کل رات میں نے اپنا سامان کھولنے کے دوران انہیں بے ترتیب کر دیا تھا اور اس کے بعد کسی نے بستر کو ٹھیک نہیں کیا۔ شاید میرے بعد کوئی بستر ٹھیک کرنے کے لیے اندر آیا ہو اور اسے لڑکے نے کھڑکی میں دیکھا ہو اور پھر اسے کسی نے بلایا ہو اور وہ بستر ٹھیک کیے بغیر ہی تالا لگا کر چلا گیا ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ واقعات اسی طرح ہوئے ہوں گے۔“

”اچھا تو گھنٹی بجا کر کسی کو بلائیں اور دریافت کریں۔“ کرنل نے کہا۔ پارکنس کو یہ تجویز بڑی پسند آئی۔

خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور مختصراً یہ کہ اس نے حلفیہ بیان کیا کہ مسٹر پارکنس ابھی ہوٹل ہی میں تھے کہ اس نے صبح بستر ٹھیک طرح بچھایا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اس کمرے میں نہیں آئی۔ اس کے پاس کوئی دوسری چابی نہیں ہے۔ مسٹر سیمن کے پاس البتہ چابیاں ہوتی ہیں اور وہی آپ کو بتا سکیں گے کہ یہاں کوئی آیا تھا یا نہیں۔

یہ ایک معمہ تھا۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ کوئی بھی قیمتی چیز اٹھائی نہ گئی تھی۔ اور پارکنس کو میزوں پر چھوٹی چیزوں کی ترتیب اچھی طرح یاد تھی اور اسے یقین بھی تھا کہ کوئی حرکت نہیں کی گئی۔ مسٹر اور مسز سیمن نے بھی یہی کہا کہ ان میں سے کسی نے بھی اس کمرے کی چابی کسی شخص کو نہیں دی۔ پارکنس ایک اچھے ذہن کا مالک تھا۔ اسے ہوٹل کے مالک اس کی بیوی یا کسی ملازم میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس سے کسی پر کوئی الزام لگایا جا سکے۔ اس کا یہی خیال تھا کہ لڑکے نے کرنل کو من گھڑت کہانی سنائی تھی۔

موخرالذکر خلاف معمول رات کے کھانے پر اور شام کے وقت خاموش اور متفکر سا رہا۔ سونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت اس نے پارکنس کو شب بخیر کہی اور روکھے سے لہجے سے کہا۔

”اگر رات کو میری ضرورت پڑے تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کہاں ہوتا ہوں۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے شکریہ کرنل ولسن لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے آپ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔ ہاں یاد آیا۔“ اس نے مزید کہا۔

”میں نے جس پرانی سیٹی کا آپ سے ذکر کیا

تھا وہ آپ کو دکھاؤں؟...... یہ دیکھئے یہی ہے وہ شے۔" کرنل نے اسے موم بتی کی روشنی میں بڑی احتیاط سے دیکھا۔

"کیا آپ اس عبارت کا مطلب سمجھ سکتے ہیں؟" پارکنس نے اسے واپس لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں اس روشنی میں نہیں۔ آپ اسے کیا کریں گے؟"

"جب میں کیمبرج واپس جاؤں گا تو وہاں کسی ماہر آثار قدیمہ کو دکھا کر معلوم کروں گا کہ وہ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ کوئی محفوظ رکھنے کے قابل چیز ہوئی تو میں غالباً کسی عجائب گھر کو تحفہ دے دوں گا۔"

"ہوں۔" کرنل نے کہا۔

"ہوسکتا ہے آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر یہ میرے پاس ہوتی تو میں اسے سمندر میں پھینک آتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ باتوں سے قائل نہیں ہوں گے لیکن مجھے توقع ہے کہ آپ اس سے کوئی نہ کوئی سبق ضرور سیکھیں گے۔ اللہ کرے کہ آپ کی رات خیریت سے گزرے۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں اپنے اپنے کمرے میں تھے۔

بدقسمتی سے پروفیسر کے کمرے کی کھڑکیاں پردوں اور جھلملیوں سے محروم تھیں گزشتہ رات اس نے اس طرف دھیان نہ دیا تھا۔ لیکن آج رات معلوم ہوتا تھا کہ چاند بالکل اسکے بستر کے سامنے چمک رہا ہے۔ اور شاید وہ اس طرح سونہ سکے گا۔ یہ سوچ کر اسے اگرچہ کسی حد تک ناگواری سی ہوئی

لیکن وہ ہمت کر کے اٹھا اور ایک کمبل، کچھ سیفٹی پنوں اور ایک چھڑی اور ایک چھتری کی مدد سے کھڑکی کے آگے ایک "پردہ" لگانے میں کامیاب ہوگیا۔ اگر یہ قائم رہ سکے تو اپنے بستر پر چاند کی سیدھی کرنوں کو نہ پڑنے دے گا۔ اور جلد ہی وہ اپنے بستر میں بڑے آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ کافی دیر تک کچھ پڑھتا رہا تو اس نے بالآخر سونے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے کمرے میں خواب آلود نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور روشنی بجھا کر لیٹ گیا۔

وہ بمشکل ایک گھنٹہ سویا ہوگا کہ اچانک کسی کھٹ پٹ کی آواز نے اسے جگا دیا۔ ایک لمحے ہی میں اسے احساس ہوگیا کہ اس نے بڑی احتیاط سے کھڑکی کے آگے جو پردہ کھڑا کیا تھا وہ گر چکا ہے۔ اور روشن چاند بالکل اس کے چہرے کے سامنے ہے۔ اسے کافی حد تک ناگواری سی محسوس ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اٹھ کر پردے کو پھر ٹھیک کرے؟ یا محض سونے کی کوشش کرے؟

چند منٹ تک وہ لیٹا ہوا امکانات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے تیزی سے کروٹ بدلی اور حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ سانس روک کر کان کھڑے کر لیے۔ کمرے میں سامنے خالی بستر پر کچھ حرکت ہو رہی تھی اس کا اسے یقین تھا۔ کل وہ اسے یہاں سے اٹھوا دے گا کیونکہ اس میں ضرور چوہوں یا کسی اور چیز نے بسیرا کر لیا ہوگا۔ اب خاموشی تھی۔ اب ہل چل پھر شروع ہوگئی۔ وہاں کچھ ایسی کھڑکھڑاہٹ اور چرچراہٹ کی آواز پیدا

ہو رہی تھی جو کوئی چوہا وغیرہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

میں اپنے طور پر پروفیسر کی گھبراہٹ اور دہشت کا کافی حد تک انداز کر سکتا ہوں کیونکہ میں سال پیشتر میں نے اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔ لیکن قارئین شاید اس منظر کا تصور نہ کر سکیں کہ کتنی دہشت ناک حالت میں اسے خالی بستر پر ایک دم کوئی اٹھ کر بیٹھتا ہوا نظر آیا۔

پارکنس اپنے بستر سے کود کر اترا اور تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکا تا کہ اپنا اکیلا ہتھیار یعنی چھڑی پکڑ لے۔ جس کی مدد سے اس نے کھڑکی کے آگے پردہ سا بنایا تھا لیکن عین اسی وقت خالی بستر سے وہ شخص تیزی سے اٹھا اور دونوں بستروں کے درمیان اور دروازے کے سامنے بازو پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

پارکنس نے اسے بڑے دہشت ناک اضطراب سے دیکھا۔ اس کے پاس سے گزر کر کسی طرح دروازے کے راستے فرار ہونے کا خیال اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ نہ جانے کیوں وہ شخص کو چھونے سے گریز کر رہا تھا۔ اور اگر اس شخص نے اسے چھونے کی کوشش کی تو وہ اس سے پہلے ہی کھڑکی سے چھلانگ لگا دے گا۔

پل بھر کے لیے وہ شخص تاریک سائے میں کھڑا رہا لہٰذا وہ اس کا چہرہ اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔ اب اس نے ذرا جھک کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اچانک پارکنس کو کچھ دہشت اور قدرے اطمینان کے ساتھ احساس ہوا کہ وہ اندھا تھا کیونکہ آگے بڑھتے ہوئے وہ اپنے لپٹے ہوئے بازوؤں کو یوں حرکت دے رہا تھا۔ جیسے راستہ ٹٹول رہا ہو۔

پارکنس کی جانب سے ذرا پرے مڑتے ہوئے اسے اچانک پارکنس کے چھوڑے ہوئے بستر کا احساس ہوا اور وہ تیزی سے ادھر بڑھا۔ وہ بستر پر جھکا اور تکیوں کو ٹٹولنے لگا جس سے پارکنس کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اگر وہ اپنے بستر پر ہوتا تو کیا ہوتا؟ چند لمحوں میں اس مخلوق کو معلوم ہو گیا کہ بستر خالی ہے۔ اس کے کھڑکی کی طرف روشنی میں چلنے سے پہلی بار پتہ چلا کہ وہ کس طرح کی چیز ہے۔

پارکنس جو اس بارے میں کسی پوچھ گچھ کو پسند نہیں کرتا ایک دفعہ میرے سامنے اس دہشت ناک مخلوق کے متعلق کچھ بیان کر رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسے زیادہ تر جو بات یاد ہے وہ یہ ہے کہ اس کا چہرہ جو شکن دار کپڑے کا چہرہ دکھائی دیتا تھا بہت زیادہ خوفناک تھا۔ اس کے چہرے پر کیا تاثر تھا۔ وہ بتانے سے قاصر ہے۔ البتہ اس وقت اس کا خوف اس حد تک شدید تھا کہ اس کا پاگل ہو جانا یقینی تھا۔

لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہ سکا تھا کیونکہ وہ شخصیت بڑی تیزی سے کمرے کے وسط کی طرف حرکت کر رہی تھی۔ اور جونہی اس نے راستہ ٹٹولتے ہوئے اپنے بازو ادھر ادھر لہرائے تو اس کے لباس کا ایک کونہ پارکنس کے چہرے سے ٹکرا گیا۔ اور وہ نفرت سے چلائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے ڈھونڈنے والے کو بہت جلد اس کا سراغ مل گیا اور وہ پھرتی سے پارکنس کی طرف لپکا۔ پل بھر میں پارکنس کھڑکی میں آدھا پیچھے کی طرف جھکا ہوا

اپنی پوری طاقت سے متواتر چیخ رہا تھا اور کمرے کا چہرہ اس کے اپنے چہرے پر بہت قریب جھکا ہوا تھا۔ عین اس موقع پر جبکہ لمحہ بھر کی دیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس کی گلو خلاصی ہو گئی۔ جیسا کہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کرنل نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا اور ٹھیک وقت پر پہنچ کر کھڑکی کے پاس یہ خوفناک منظر دیکھا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو دونوں میں سے ایک ہی وہاں موجود تھا۔ پارکنس غش کھا کر آگے کی طرف کمرے کے فرش پر گر پڑا اور اس کے سامنے فرش پر بستر کے کپڑوں کا ایک بے ترتیب ڈھیر پڑا تھا۔

کرنل ولسن نے اس موقع پر اس سے کوئی سوال دریافت نہ کیا۔ بلکہ دوسروں کو کمرے میں داخل ہونے سے روکتے ہوئے اس نے پارکنس کو اس کے بستر پر آرام سے لٹا دیا۔ اور خود ایک کمبل لے کر دوسرے بستر پر قبضہ جما لیا جہاں وہ رات بھر رہا۔ اگلے دن سویرے ہی راجرس آ پہنچا۔ اگر وہ ایک روز پہلے آتا تو اس کا اتنا اچھا استقبال نہ ہوتا۔ اور پھر تینوں نے پروفیسر کے کمرے میں طویل تبادلہ خیالات کیا جس کے اختتام پر کرنل ہوٹل کے دروازے سے باہر نکلا۔ اس نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ایک چھوٹی سی چیز پکڑ رکھی تھی جسے اس نے لے جا کر اپنے ورزشی بازو کی پوری طاقت سے دور سمندر میں پھینک دیا۔ اس کے بعد گلوب ان کی پچھلی سمت سے آگ کا دھواں اوپر اٹھتا دکھائی دیا۔

ہوٹل کے عملہ اور مہمانوں سے اس معاملے کی کیا وضاحت بیان کی گئی۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ البتہ پروفیسر کو ہولناک دیوانگی سے نجات مل گئی اور ہوٹل آسیب زدہ مکان کے طور پر بدنام ہونے سے بچ گیا۔

اس بارے میں کچھ زیادہ سوالات نہیں کیے گئے کہ اگر کرنل اس وقت نہ آ جاتا تو پارکنس کا کیا حشر ہوتا۔ بظاہر وہ یا تو کھڑکی سے باہر کود جاتا یا پھر اپنے حواس ہی کھو بیٹھتا۔ لیکن اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ مخلوق جو سیٹی کے جواب میں وہاں وارد ہوئی تھی۔ اسے خوفزدہ کرنے کے علاوہ کیا کر سکتی تھی۔ وہاں بستر کے کپڑوں کے سوا اور کوئی سامان بھی نہ تھا۔ جس سے اس مخلوق کا جسم وجود میں آتا تھا۔ کرنل نے جسے ہندوستان کا ایک ایسا ہی واقعہ یاد تھا رائے ظاہر کی کہ اگر پارکنس اس مخلوق کے ساتھ بند رہتا تو وہ اسے کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکتی تھی کیونکہ خوفزدہ کرنا ہی اس کی واحد خوبی تھی۔ کرنل نے مزید کہا کہ اس سارے معاملے سے کلیسائے روم کے بارے میں اس کی رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس ضمن میں کوئی اور خاص قابل ذکر بات نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ پروفیسر کے نظریات میں بڑی حد تک تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اس کے اعصاب بھی بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اب وہ کسی دروازے پر کوئی جبہ لٹکا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتا خواہ وہ ساکن ہی ہو۔ اور ایک دن کسی کھیت میں اس نے چڑیوں کو ڈرانے والا پتلا دیکھ لیا جس کے بعد اس کی رات ایک راتیں بڑی بے چینی سے گزریں۔

(ختم شدہ)

نئے لکھنے والوں کے لیے خوشخبری

آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں..... لکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہے ہیں..... اپنے دل کی آواز دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا دوسرے رسائل و ڈائجسٹ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ گھبرائیے نہیں آپ کی تحریروں کے لیے "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے دروازے کھلے ہیں۔ ہم آپ کی تحریر کی نوک پلک درست کر کے شائع کریں گے۔ آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے اور اصلاح کرنے میں آسانی رہے۔ آپ کی تحریر خوفناک ہونی چاہیے۔

ماہنامہ سچی کہانی لاہور' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

موبائل نمبر 0314-4008530

نامور قلمکار محمد رضوان قیوم کی 11 انعام یافتہ دلچسپ منفرد پلاٹ کے حامل سچی کہانیوں کا مجموعہ

"کربِ ماضی"

کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب درج ذیل بکسٹال پر دستیاب ہے

ورائٹی بک شاپ' بینک روڈ' صدر راولپنڈی کینٹ فون: 051-5583397

ملک بک شاپ' کمیٹی چوک' مری روڈ' راولپنڈی فون: 051-5530352

قیمت کتاب -/250 روپے

قبر کی سل اٹھا کر تابوت پر لیٹ جاتو کل صبح میں تمہیں لینے آئوں گی

میں واپس آؤں گا

تحریر......رانا جی

کہنے کو تو جارج میرا دوست تھا لیکن سچ پوچھئے تو میں اس کے ساتھ کسی تقریب میں شامل ہونا پارک میں گھومنا یا تفریح پر جانا پسند نہ کرتا تھا۔ شکل و صورت سے اچھا خاصا کارٹون نظر آتا تھا۔ چھوٹا قد گنجا سر ٹیڑھی آنکھیں نچلے دانت باہر کو نکلے ہوئے چال ایسی بے ڈھنگی کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا زمین پر گیند لڑھک رہا ہے۔ وہ خود بھی اپنی جسمانی خامیوں سے آگاہ اور ان کے سبب شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ گفتگو کرتے ہوئے اچانک خاموش ہو جاتا اور کچھ سوچنے لگتا۔ سب لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور لڑکیاں تو بالخصوص اسے دیکھتے ہی ہنسنے لگتیں۔ یہی وجہ تھی ہماری منڈلی میں بیٹھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی چاردیواری سے باہر اس کا ساتھ دینا پسند نہ کرتا تھا۔

شکل و صورت کے علاوہ اس کی تعلیم معمولی اور مالی حالت خراب تھی۔ اسکے باوجود جب اس نے ایک شام یہ اعلان کیا روزی اس کی شریک حیات بننے پر رضامند ہوگئی ہے تو ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں روزی ہمارے دوست جارج کی چچازاد بہن تھی لیکن وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ شہر کے سارے کنوارے یکے بعد دیگرے اسے شادی کا پیغام بھجوا چکے تھے۔ دوسرے اسے جارج سے دلی نفرت تھی کم از کم ہمارا یہی خیال تھا کیونکہ وہ جارج سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتی تھی اور کئی بار اس نے ہمارے سامنے بری طرح اس کی بے عزتی کی تھی۔

جارج یہ خبر سنا کر چلا گیا تو ہم سوچنے لگے ایسی حسین و جمیل لڑکی جس کے تذکروں سے کلب آباد ہیں جارج جیسے بدصورت، مفلس وقلاش اور کم تعلیم یافتہ شخص سے شادی کرنے پر کیونکر رضامند ہوگئی۔ کچھ دوستوں کا خیال تھا جارج نے یونہی گپ لگائی ہے لیکن ریمنڈ نے جو اتفاق سے روزی کا پڑوسی تھا تصدیق کی اس نے دو تین بار روزی کو جارج کے



ساتھ ساحل کی طرف جاتے دیکھا ہے۔

ہم کل نو دوست جمع تھے اور ہم میں سے سات کو روزی نے ٹھکرا دیا تھا۔ حسد اور رقابت کے سبب ہماری بری حالت تھی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ہم میں سے دو اشخاص خفیہ طور پر جارج کی نگرانی کریں اور اس امر کا کھوج لگانے کی کوشش کریں کہ روزی اور جارج کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے اور کیا واقعی وہ حسین لڑکی چڑیا کے اس غلام کے ساتھ شادی پر رضامند ہوگئی ہے یا وہ ڈیکس ہے بے وقوف بنا رہا ہے۔

قرعہ فال میرے اور ریمنڈ کے نام پڑا۔ ریمنڈ تو روزی کا پڑوسی تھا مجھے منتخب کرنے کی وجہ محض رہی تھی کہ دوسروں کی نسبت جارج مجھ پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ علاوہ ازیں میں شادی شدہ تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی وقت بسر کر رہا تھا۔ لہٰذا روزی بھی مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اسے معلوم تھا میں اس کا امیدوار ہوں۔

خدا کی قدرت دیکھیے ریمنڈ انہی دنوں بیمار پڑ گیا اور مجھے شرلاک ہومز بننے کا بہت آسان راستہ مل گیا ہے چونکہ میری بیوی بچوں کو لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھی اور میں گھر پر اکیلا تھا۔ چنانچہ بڑی تندہی سے روزی اور جارج کی نگرانی شروع کر دی۔ جلد ہی مجھے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا موقع مل گیا۔

مارچ کی ایک کہر آلود صبح تھی میں جارج کے گھر سے قریب ہی ایک کیفے میں ناشتے کی غرض سے گیا تو روزی اور جارج سڑک پر نظر آئے۔ انھوں نے ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور اس میں بیٹھ کر شمال کی طرف روانہ ہوگئے۔ میں ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اپنے موٹر سائیکل کی طرف لپکا اور آن واحد میں اسے اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

ٹیکسی بڑی سڑک چھوڑ کر قبرستان جانے والی چھوٹی سڑک پر آگئی۔ میں نے کچھ فاصلے پر ان کا تعاقب جاری رکھا۔ سینٹ اینوز کے قبرستان کے دروازے پر ٹیکسی رکی اور جارج اور روزی اتر کر اندر چلے گئے۔ میں نے اپنا موٹر سائیکل سڑک کے کنارے ایک چائے فروش کے پاس چھوڑا اور دوڑتا ہوا قبرستان میں داخل ہوگیا۔ وسیع و عریض قبرستان میں انھیں تلاش کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ انھیں میری خبر نہ ہو سکے بہت مشکل کام تھا۔ تاہم میں نے جاسوسی کہانیوں اور سراغرسانی کی فلموں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بالآخر درختوں کے ایک جھنڈ میں انھیں ڈھونڈ نکالا۔

قبر کی سل پر بیٹھی ہوئی روزی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ جارج اس کے قدموں میں لیٹا ہوا تھا۔ دونوں کسی اہم موضوع پر بات چیت کر رہے تھے۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور ایک ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے ان کی آواز بخوبی سنائی دیتی تھی۔ روزی کہہ رہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں میرا ہونے والا شوہر میرے حکم پر اپنی جان تک قربان کر دے۔"

"تم جب چاہو مجھے آزما سکتی ہو۔" جارج نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے تم پر اعتماد ہے۔ تم نے میرے کہنے پر اپنا

ہاتھ جلتے ہوئے انگاروں پر رکھ دیا تھا' لیکن میں زیادہ سخت امتحان لینا چاہتی ہوں۔ وہ ایک وقتی جذبہ تھا ہوسکتا ہے تمہیں میری وجہ سے کچھ دیر تک آزمائش میں مبتلا رہنا پڑے تو ہمت ہار بیٹھو۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟" جارج جیسے مکمل طور پر روزی کے قبضے میں تھا۔

"مجھے قبرستانوں سے خوف آتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں رات کے وقت قبرستانوں میں آوارہ روحیں آتی ہیں میں ان روحوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہوں' لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں کہ رات کے وقت یہاں رہ سکوں میری جگہ تم آج رات اس قبرستان میں بسر کرو اور دیکھو رات میں کسی وقت بھی یہاں آؤں گی اور اگر تم موجود نہ ہوئے تو زندگی بھر تم سے کلام نہیں کروں گی۔ بس اسی غرض سے تمہیں یہاں لائی تھی۔"

"ایک رات تو کیا میں عمر بھر قبرستان میں رہنے پر تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے قبر کی سل اٹھا کر تابوت پر لیٹ جاؤ کل صبح میں تمہیں لینے آؤں گی بسکٹ کا پیکٹ اور چائے کا تھرموس اپنے پاس رکھ لو۔"

یہ کہہ کر روزی اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں چیزیں جارج کے پاس رکھ دیں۔ جارج نے پرستش کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ سل ایک طرف کھسکا دی اور تابوت پر لیٹ گیا۔ روزی نے کچھ خشک جھاڑیاں اس کے اوپر رکھ دیں تاکہ قبرستان میں آنے والے کسی شخص کی نظر اس پر نہ پڑے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قبرستان کے دروازے کی طرف چل دی۔

میں کچھ دیر خاموش کھڑا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو آگے بڑھ کر جھاڑیاں ایک طرف پھینک دیں اور ہنستے ہوئے کہا۔

"بیسویں صدی کے مجنوں صاحب ذرا باہر تشریف لائیے۔" میری آواز سن کر جارج کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اٹھا اور میرے قدموں میں گر کر بولا۔

"خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اگر تم نے کسی کے سامنے میرے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں قسم کھاتا ہوں فوراً خودکشی کرلوں گا۔"

اس نے یہ بات کچھ ایسے لہجے میں کہی کہ مجھے رحم آگیا۔

"میں کسی سے نہیں کہوں گا مگر تم باہر تو نکلو۔"

جارج باہر آگیا۔ ہم دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتا رہا پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو تمہارا خیال ہے مجھ پر عشق کا بھوت سوار ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ روزی کے باپ نے اس کی ماں کو گھر سے نکال دیا تھا ماں بیٹی اب تک ملازمت کر کے اپنا پیٹ پالتی ہیں۔ روزی نے بچپن ہی سے اتنے ظلم اٹھائے ہیں کہ اسے مرد کی ذات پر اعتماد نہیں رہا۔ ہونے والے شوہر کو اپنے قدموں پر جھکانے سے اس کی انا کو تسکین ملتی ہے۔ وہ میری بچازاد ہے اور میں چاہتا ہوں اس کا مرد کی

ذات پر اعتماد بحال ہو جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تم جانتے ہو شکل وصورت اور مالی لحاظ سے میری حیثیت معاشرے میں اونچی نہیں۔ میں اور روزی ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اسے اعتماد چاہیے اور مجھے کوئی ایسا وسیلہ جس کے ذریعے میرا اعتماد اپنی ذات پر بحال ہو سکے اور احساس کمتری دور ہو جائے۔ روزی میری آغوش امید ہے وہ میرے لیے محبوبہ نہیں زندگی کی علامت ہے۔ اگر اس کے ساتھ میری شادی ہو جائے تو تم سب لوگوں پر مجھے ایک طرح سے فوقیت حاصل ہوگی اور یہ فوقیت مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں مدد دے گی۔ میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا اور اب میں تم سے درخواست کرتا ہوں میرے بارے میں اپنی زبان بند رکھو۔"

"تم کہتے ہو تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن دوست مجھے یقین ہے روزی کا ذہنی توازن درست نہیں۔ کیا واقعی اس نے تمہیں جلتے ہوئے انگاروں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا تھا؟"

"ہاں مگر میں تمہیں اس کی وجہ بتا چکا ہوں۔ علاوہ ازیں میں اس کی خواہش پر چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا چکا ہوں اور بڑے پل پر سے دریا میں کود چکا ہوں۔ ایک بار اس نے مجھے رسے یا پائپ کی مدد کے بغیر تیسری منزل سے زمین پر آنے کا حکم بھی دیا تھا اور میں نے اس حکم کی تعمیل میں اپنا ایک گھٹنا زخمی کر لیا۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے تم لوگوں کے سامنے جھوٹ بولا تھا کہ گالف کھیلتے ہوئے چوٹ لگی ہے۔ پچھلے سنیچر کو روزی کے ہاتھ ایک کتاب لگی جس میں یوگا کی ورزشیں لکھی تھیں۔ اس نے وہ سب ورزشیں مجھے کرائیں اور ایک ورزش میں تو میں سر کے بل تقریباً گھنٹے تک دیوار کے ساتھ کھڑا رہا۔ روزی نے وعدہ کیا ہے وہ جلد ہی شادی کے لیے اپنی ماں سے بات کرے گی۔ شاید یہ آخری امتحان ہو کیونکہ اس ماہ کی بیس تاریخ کو روزی کی سالگرہ ہے اور وہ چاہتی ہے اس موقع پر ہماری شادی ہو جائے۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جارج کی تعریف کروں یا اس کی بے وقوفی پر قہقہے لگاؤں۔ تاہم اس نے میری اتنی خوشامد کی کہ مجھے اپنے بچوں کی قسم کھا کر وعدہ کرنا پڑا میں کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کروں گا۔ اس کی خواہش پر میں نے دوبارہ اسے قبر میں لٹا دیا اور اس کے اوپر خشک جھاڑیاں بکھیر دیں۔

تیسرے روز وہ کلب میں آیا تو روزی اس کے ساتھ تھی۔ اسی شام ان کی منگنی ہو گئی۔ شادی کے لیے بیس تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ اس دوران میں حسب وعدہ میں نے کسی سے جارج کے بارے میں ذکر نہ کیا چنانچہ وہ مجھ سے بہت خوش تھا۔ ایک بار تو وہ روزی کو ساتھ لے کر میرا شکریہ ادا کرنے گھر پر بھی آیا۔

سولہ مارچ کی شام اس نے مجھے فون کیا کہ میں ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جاؤں وہ مجھ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے ہامی بھر لی۔ وہ اور روزی پلیٹ فارم پر میرے منتظر تھے۔ روزی کا چہرہ اترا ہوا تھا جارج بولا۔

"میرے استاد اور دادا جان کے نہایت قریبی دوست مسٹر بروبن رج کا تار آیا ہے۔ وہ سخت بیمار ہیں اور مجھے بہر صورت سکنا ولی جانا چاہیے۔ روزی پریشان ہے اس کا خیال ہے میں بیس تاریخ کی صبح گیارہ بجے تک واپس نہیں آسکوں گا اور اس طرح شادی کا پروگرام ملتوی ہو جائے گا تم اسے تسلی دو۔"

"روزی ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے فوراً کہا۔

"ہوسکتا ہے مسٹر بروبن رج کی طبیعت زیادہ خراب ہو اور تمہیں وہاں رکنا پڑے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے بخدا میں ہر قیمت پر شادی کے وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے تب بھی وہاں نہ رکوں گا۔" اس نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ میں نے روزی کو تسلی دی مگر وہ آخر وقت تک یہی کہتی رہی۔

"جارج تم نہ جاؤ نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے ہماری شادی ملتوی ہو جائے گی کیونکہ تم وقت پر نہ پہنچ سکو گے۔"

جارج ہنس دیا اور مجھے اس کا خیال رکھنے کی نصیحت کر کے گاڑی میں سوار ہو گیا۔ میں نے روزی کو موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھایا اور اس کے گھر چھوڑ دیا۔

بیس تاریخ کی صبح ہم سب دوست نو بجے ہی گرجا گھر پہنچ گئے۔ ساڑھے نو بجے تک روزی بھی دلہن کے لباس میں اپنی ماں اور چند دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ آن پہنچی۔ کئی بار ہم نے جارج کے گھر سے معلوم کیا مگر پتہ چلا وہ ابھی تک سکناولی سے نہیں لوٹا۔

روزی نے مجھے بتایا رات اس کا تار موصول ہوا تھا وہ صبح سات بجے والی گاڑی سے پہنچ رہا ہے۔ ساڑھے نو بجے تک اس کا نہ پہنچنے کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ دس بجے والی گاڑی میں آئے گا۔ پونے دس بجے میں موٹر سائیکل پر فوراً اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا تاکہ اسے سواری لینے میں دیر نہ ہو جائے۔ گاڑی تین منٹ لیٹ تھی۔ دس بج کر تین منٹ سے دس بج کر دس منٹ تک یعنی جب تک گاڑی اسٹیشن پر رہی میں نے اس کا ایک ایک ڈبہ چھان مارا لیکن جارج کہیں دکھائی نہ دیا۔ مایوس ہو کر میں اسٹیشن سے نکلا اور گرجا گھر کی طرف روانہ ہوا۔

دروازے پر مجھے ریمنڈ مل گیا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔

"جارج نہیں آیا؟"

"جارج تو خیر پہنچ گیا ہے البتہ اس کی حالت قابل رحم ہے شاید ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوا ہے۔" ریمنڈ نے جواب دیا۔

ہم دونوں اندر پہنچے۔ شادی کی رسوم ادا ہو رہی تھیں۔ لیکن حاضرین کے چہروں پر خوف کے آثار تھے جارج واقعی روزی کے پہلو میں موجود تھا لیکن اف میرے خدا اس کا رنگ پیلا تھا کپڑے خون سے تر تھے ایک بازو ٹوٹ گیا تھا اور کندھے پر کاری زخم آیا تھا۔ وہ بار بار اپنی گردن سیدھی کرنے کی کوشش کر رہا تھا جیسے گردن ٹوٹ گئی ہو۔ ریمنڈ نے مجھے بتایا دس بج کر دس منٹ پر وہ دوڑتا ہوا گرجا گھر میں داخل ہوا اور جب لوگوں نے اس سے پوچھا

جا ہا تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تو اس نے انگلی لبوں پر رکھتے ہوئے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پادری صاحب کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”آپ شادی کی رسومات شروع کریں۔“

روزی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو بیہوش ہو کر گرنے لگی۔ جارج نے اسے سہارا دیا۔

حاضرین دم بخود تھے۔ نہ جانے جارج کی آنکھوں میں کیا جادو تھا کوئی شخص زبان سے کچھ نہ کہہ سکا خوف کی ایک سرد لہر نے سب کا احاطہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ پادری بھی خاموشی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔

دولہا اور دلہن باہر نکلے تو کسی نے ان پر پھول نہیں برسائے۔ پھولوں کے ہار لوگوں کے ہاتھ میں رہ گئے۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی گھر کی طرف چل دی۔ ہم چند ایک دوست محض یہ جاننے کے لیے کہ جارج کو کیا حادثہ پیش آیا ہے گاڑی کے پیچھے ہو لیے۔ ریمنڈ کا خیال تھا جارج گاڑی سے اترا اور راستے میں اسے ٹریفک کا حادثہ پیش آ گیا۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوا کہ میری نظر نے دھوکا کھایا ہے میں نے گاڑی کا ایک ایک ڈبہ تلاش کیا تھا۔

جب ہم جارج کے گھر پہنچے تو سڑک پر کہرام مچا ہوا تھا۔ جارج کے گھر کے بازو میں روزی اور اس کی ماں رہتے تھے۔ روزی کی ماں اب ... الی نوچ رہی تھی۔ معلوم ہوا گاڑی گھر کے سامنے پہنچی اور ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا تو اندر روزی کی لاش پڑی تھی اور جارج غائب تھا۔ رشتہ داروں کا خیال تھا جارج نے راستے میں روزی کا گلا گھونٹ دیا ہے لیکن میں جانتا تھا وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ ہم نے اسے سارے شہر میں تلاش کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پولیس والوں نے روزی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی۔

دوپہر کے وقت پوسٹ مارٹم کے نتائج آ گئے۔ ڈاکٹر نے بیان دیا تھا لاش پر کسی ضرب کا نشان نہیں اور نہ گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔ موت حرکت قلب بند ہونے سے اور اچانک واقع ہوئی۔ پولیس کا خیال تھا جارج کو زخمی دیکھ کر روزی ڈر گئی اور اسی حالت میں اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ جارج نے اسے مردہ دیکھا تو اس خوف سے کہ پولیس قتل کے جرم میں گرفتار نہ کر لے چلتی ہوئی گاڑی سے باہر کود گیا۔

لیکن تین بجے سہ پہر ہمارے یہ خدشات دور ہو گئے اور ایک ایسی حقیقت سامنے آئی جس نے حیرت کے سبب ہمیں پاگل کر دیا۔ سکناولی سے پولیس نے اطلاع دی آج یعنی بیس تاریخ کی صبح پانچ بجے سکناولی کے اسٹیشن کے قریب جارج نامی ایک نوجوان تیزی سے ریل گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پلیٹ فارم کی طرف دوڑا تو ایک تیز رفتار کار نے اسے کچل دیا۔ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد تین بجے کی گاڑی سے بھیجی جا رہی ہے۔

جارج صبح پانچ بجے مرا تھا ایک بجے تک پوسٹ مارٹم ہوا دس بجے صبح اس نے شادی کی اور پھر راستے ہی میں غائب ہو گیا۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس پر سے پردہ اٹھانا کم از کم میرے لیے ممکن نہیں۔

میری روح کو یہاں آنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا احساس نہیں کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو! مجھے قبر سے باہر نکلنے کے لیے کتنی تگ و دو کرنی پڑی ہے اور میں اسی لباس میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں

روح کا ملاپ

تحریر......فریحہ ملک

میرے بھائی! تم پوچھتے ہو کیا میں نے کبھی محبت کی ہے؟ ہاں میں نے محبت کی ہے۔ میری داستان ایک بچی آپ بیتی ہے۔ ایسی آپ بیتی جو قدرت کی نیرنگیوں کی عجیب داستان ہے اور جسے میں ۶۵ سال کی عمر تک پہنچنے کے باوجود نہیں بھلا سکا۔ بڑھاپے میں میرے ذہن پر ہر وقت جوانی کے واقعات سوار رہتے ہیں۔ میں تم سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گا۔ واقعات ایسے ہیں جن کا تعلق میری ذات سے ہے۔ اس کے باوجود مجھے خود بھی کئی بار یقین نہیں آتا کہ یہ مجھ پر گزرے ہیں؟

تین سال میں نے ایک متقی پرہیزگار پادری کی زندگی گزاری۔ مگر اس کے بعد تین سال شیطان نے مجھ پر غلبہ کیے رکھا۔ اگر میرے پیشوا کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی تو خدا معلوم مجھ پر کیسی تباہی نازل ہوتی۔ ہاں میں نے واقعی محبت کی ہے۔ ایسی محبت جو شاید ہی کسی کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ میں حیران ہوں کہ محبت کی اس شدید ضرب سے میرا دل اس وقت کیوں نہ پھٹ گیا۔ میں تا حال کیوں زندہ ہوں؟

بچپن ہی سے میرا رحجان پادری کے مقدس پیشے کی طرف تھا۔ مجھے مقدس بائبل اور دیگر مذہبی کتابوں کی تکمیل کے لیے گرجے کے ساتھ دینی کالج میں داخل کرایا گیا۔ جس وقت میں نے مقدس کتب کا کورس کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ اس وقت میری عمر چوبیس سال تھی۔ میرا قلب اور ذہن بالکل صاف تھا۔ عورت کے متعلق مجھے صرف اتنا احساس تھا کہ یہ صنف اس دنیا میں موجود ہے اور بس۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں اور کسی خیال کا غلبہ نہیں تھا۔ دنیا میں میرا صرف ایک رشتہ دار تھا۔ اور وہ تھی میری ماں۔ جس نے والد کی



WWW.PAKSOCIETY.COM

وفات کے بعد ابا نے زبردستی کر مجھے پادری کی تعلیم دلائی۔ مجھے فطری طور پر اس مقدس پیشے سے دلی لگاؤ تھا۔ جس دن مجھے گرجے کا نائب پادری بنانے کی رسم ادا کی جانے والی تھی میں خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ یہ ایک طویل رسم تھی جس میں دونوں انگوٹھوں پر مقدس تیل ملا جاتا ہے۔ اور مقدس گیت گائے جاتے ہیں۔ اور آخرکار بڑے بشپ کے ساتھ ایک جلوس سا نکالا جاتا ہے۔ یہ رسمیں جلد ادا ہونے والی تھیں۔

آخرکار وہ دن بھی آ گیا۔ سینٹ جان کے بڑے گرجے میں وہ رسم ادا ہونے والی تھی۔ جیسم ٹاؤن کے عوام اور روسا بڑی تعداد میں گرجا میں آئے ہوئے تھے۔ پیرس کے آرچ بشپ کو یہ مقدس رسم ادا کرنی تھی۔ تمام رسوم خوش اسلوبی سے ادا ہو چکیں تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ چوتھی قطار میں ایک دبلی پتلی حسین عورت کی ساحرانہ آنکھیں میری طرف تک رہی تھیں۔ خدا معلوم اس وقت کیا ہو گیا۔ ایک جنبش سے میرے احساسات کو ایک دھچکا سا لگا۔ جیسے کسی کو روح القدس کا یکدم دیدار ہو گیا ہو۔ میں بالکل مبہوت ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا تھا۔

دو منٹ پہلے آرچ بشپ کی مقدس ذات میرے لیے سب کچھ تھی۔ صرف یہی ایک ہستی میری نظروں میں دنیا کی سب سے مقدس ہستی تھی۔ مگر اس کی تقدیس کا احساس یک لخت کافور ہو گیا۔ گرجے کی دیواریں مجھے جان سے زیادہ عزیز تھیں۔ مگر اب مشغلہ [illegible] کے باوجود [illegible]

اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔

دو منٹ کے اس قلیل وقفے میں میری نظروں میں ایک صرف ایک چیز محبوب ترین رہ گئی۔ میری سالہا سال کی عبادت مقدس کتاب اور روح القدس کے لمبے لمبے وظائف اور مقدس بائبل کے اوراق اور سب سے بڑھ کر میرا مقدس پیشہ۔ یہ سب احساسات مجھے اس طرح جواب دے گئے۔ جیسے ان کا کوئی اثر میری طبیعت میں تھا ہی نہیں مجھے خود بھی علم نہ ہو سکا کہ اچانک ایسا کیونکر ہو گیا۔

میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب نظر اوپر نہیں اٹھاؤں گا۔ مگر کوئی شیطانی طاقت میری نظروں کو پھر اوپر اٹھا رہی تھی۔ 'شیطانی طاقت' کے الفاظ میں نے اس لیے استعمال کیے ہیں کہ میں ایک نہایت مقدس اور روحانی ماحول کی پیداوار تھا۔ اس ماحول میں ذرا سی لغزش بھی شیطانی طاقت کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ مقدس کتب میں عورتوں کے قصے کئی مرتبہ پڑھے تھے۔ فردوس بریں کی پریوں کے حالات سنے تھے۔ میں نے حسن کے متعلق اس دنیا کے کئی مصنفوں، مصوروں اور فن کاروں کے تاثرات پڑھے تھے۔ مگر آج عملی تجربہ مجھ جیسے مسکین طبیعت اور عاجز انسان کے ساتھ پیش آ گیا تھا۔ جس کا ماحول، لباس، ملازمت، پیشہ سب قدامت پسندانہ تھے۔ جسے ماڈرن لباس اور سوسائٹی سے کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔

آرچ بشپ مقدس کلام پڑھتے جاتے اور میں انہیں غیر شعوری طور پر دہراتا جاتا تھا۔ میری عقل [illegible] ہو چکی تھی اور میرے اوسان خطا ہو چکے

تھے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ طبعی طور پر میں کمزور تھا اور ایک رقیق القلب انسان پر ایسے ماحول میں کیوپڈ کا حملہ ایک کاری ضرب تھا۔ مقدس آرچ بشپ کے ایک سوال کے جواب میں ہاں کی بجائے منہ سے نہ نکل گیا۔ مگر میں فوراً سنبھل گیا اور اپنے حواس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی۔

ہم مذہبی آدمی اور پادری اکثر رقیق القلب ہوتے ہیں۔ دلیر جوان مرد تو عشق کا وار سہہ جاتے ہیں مگر کیوپڈ کا حملہ کسی کمزور دل کے لیے موت کا باعث بن جاتا ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ بشپ کو جواب دے دوں کہ میں پادری بننے سے باز آیا۔ مگر میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی اور وہ میری طرف برابر ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ اور زبان حال مجھ سے کہہ رہی تھی کہ تم تو پادری اس لیے بن رہے ہو کہ آسمانی باپ کو خوش رکھ سکو اور خود بھی ایک مطمئن زندگی گزار سکوں۔ میری طرف آؤ میں تمہیں خدا سے زیادہ اطمینان اور خوشی بخش سکتی ہوں۔ تم اپنی جوانی خدا کے آگے گزار کر کیا حاصل کرو گے۔ میرے پاس آؤ خدا کی طرف رغبت نہ کرو۔ انسان کی طرف لوٹو۔ تمہیں زیادہ خوشی نصیب ہوگی۔

رسم ختم ہوگئی۔ تمام لوگ مجھے مبارک بادیاں دے رہے تھے اور میرے ہاتھ چوم رہے تھے۔ جب میں باہر نکلا تو ایک نسوانی آواز میرے کان میں آئی۔

''ظالم تو نے مجھے کیا کر دیا؟'' اور وہ چہرہ صرف یہ کہہ کر ہجوم میں غائب ہوگیا۔ میں ایک عجیب قسم کے تاثر کا بوجھ ذہن میں اٹھائے ہوئے اپنے حجرے کی طرف جا رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے کارڈ دیا جس پر لکھا ہوا تھا۔

''کروشیما پلازا کا ئی پیلس جینسم سٹی۔''

میں نے کارڈ پکڑا۔ میرے ہاتھ بے حد لرزاں کی طرح کانپ رہے تھے۔ میں یہی چٹ سینے پر رکھ کر سو گیا اور مجھے نیند آ گئی۔

کروشیما۔ پلازا تھیٹر کے بوڑھے مالک کی بیٹی تھی۔ جب کوئی پلازا تھیٹر کی ایکٹریس بیمار ہوتی یا کام نہ کر سکتی تو کروشیما کو یہ پارٹ ادا کرنا پڑتا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی۔ ایک طرف تو لکھ پتی عورت مگر ایکٹریس اور دوسری طرف ایک مفلس مگر مقدس پوپ کے اعلیٰ خاندان کا فرد اور پیشہ ور پادری۔ آسمانی باپ نے یہ سوچا کہ ناممکن کو کیسے ممکن بنایا جا سکتا ہے؟ دوسرے دن وہی لڑکا مجھے ایک اور کارڈ دے گیا۔ جس پر لکھا تھا۔

''کروشیما آج رات گاربو کی بجائے ڈرامہ جلن میں پارٹ ادا کرے گی۔''

کیوپڈ کے اس حملے نے میرے لیے تمام دنیا تاریک کر دی تھی۔ میں نے رات کو بھیس بدلا اور اپنی سالہا سال کی عبادت کو بالائے طاق رکھ کر چوری چوری تھیٹر کی جانب چلا گیا۔

کروشیما نے جو پارٹ تھیٹر میں ادا کیا وہ صرف پانچ یا دس منٹ کا تھا کیونکہ اصلی ایکٹریس گاربو کی آمد کا اعلان کیا گیا اور وہ آن پہنچی۔ کروشیما کے جانے کے بعد مجھے ڈرامے سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ میں دیوانوں کی طرح تھیٹر کے باہر

گھورنے لگا۔ میرا باپ بھی اگر موجود ہوتا تو مجھے بھیس بدلے ہوئے بھی نہ پہچان سکتا۔ مگر خدا معلوم اس نے کیسے جان لیا۔ ایک نسوانی ہاتھ میرے کندھے سے مس ہوا اور آواز آئی۔

"رونالڈ! آخر تمہاری خوشبو سے میں نے تمہیں پہچان ہی لیا نا۔"

میں نے کرشما سے جو پہلی بات کی وہ میری نصیحت تھی کہ تم کبھی اس غیر مقدس ایکٹنگ میں دوبارہ مت جانا۔ ادھر میں حق تعالیٰ کے احکام کے متعلق وعظ شروع کر رہا تھا اور ادھر کرشما کی آنکھیں میرے آگے تبسم آمیز رقص کر رہی تھیں۔ خداوند تعالیٰ کی روحانی طاقت اور شیطانی طاقت کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ آخرکار دو آنکھوں کی فتح ہوئی اور کرشما میرے تمام پند و نصائح کا مذاق اڑاتی ہوئی غائب ہوگئی۔

اسی طرح دن گزرتے گئے اور کبھی کبھار ہماری ملاقات ہو جاتی۔ میں انہی احکام خداوندی کو دہرانا شروع کرتا جن کی تبلیغ میں گرجے میں کرتا تھا اور ادھر صرف دو آنکھیں میری چشم بصیرت کو خیرہ کر دیتیں۔

میرے پیشوا آرچ بشپ نے آخرکار مجھ میں تبدیلی محسوس کرنی شروع کی۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا۔

"رونالڈ! میں ایک دو ماہ سے تجھ میں عجیب سی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ تو اب صبح دیر سے اٹھتا ہے اور صبح کے وعظ میں بھی کئی بار نہیں آتا۔ حالانکہ تو وہ عابد تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی وعظ میں آ موجود ہوتا تھا۔ میں نے تیرے متعلق عجیب عجیب باتیں سنی ہیں۔ ایک راہب پرسوں مجھے کہہ رہا تھا کہ پلازا تھیٹر کی لڑکی کرشما تجھ پر فدا ہوگئی ہے۔ میں نے یقین اس لیے نہیں کیا کہ وہ قلھ پتی باپ کی بیٹی ہے۔ اور تو پاپائے روم کی مقدس نسل سے ہے۔ پھر بھی مفلس اور قلھ پتی کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ رومن کیتھولک پادری ہمیشہ کنوارے ہی رہتے ہیں اور تمہارا راہب اور راہبہ عورتیں روح القدس اور کنواری مریم کے نام پر کنوارپن ہی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ خواہ تو پروٹسٹنٹ فرقہ اختیار کرے پھر بھی کرشما تیرے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہے؟ آگ اور پانی کا اتحاد ناممکن ہے۔ رونالڈ مجھے تجھ پر ناز تھا۔ مگر شیطانی طاقتوں نے تجھ پر غلبہ شروع کر دیا ہے۔ میں نے آج احکام جاری کر دیئے ہیں کہ تجھ کو آرلین کے قصبے کے چرچ کا ناظم اعلیٰ بنا کر بھیج دیا جائے۔ رونالڈ تجھے جدا کرنے میں مجھے روحانی کوفت محسوس ہوئی مگر حالات درست ہونے پر یہاں واپس بلا لیا جائے گا۔ آخر پچیس میل ہی کا فاصلہ تو ہے۔ رونالڈ انجیل مقدس کا روزانہ باقاعدگی سے جاری رکھنا۔ اور یہ تعویذ تیرے بازو پر میں خود باندھ دیتا ہوں۔ کل تجھ کو آرلین کے قصبے میں پہنچنا ہوگا۔ تیرا دوست کرامیٹس راہب کلر آرلین کے گرجا کا چارج دلوانے کے لیے تیرے ساتھ جائے گا۔ آرلین کے پادری کا انتقال گزشتہ ماہ ہوگیا تھا۔ وہ جگہ اب تک خالی ہے۔ خدا حافظ مقدس باپ تیری رکھوالی کرے۔"

آرچ بشپ کے یہ الفاظ سن کر میں پانی پانی ہوا جاتا تھا۔ مگر میں چپ چاپ ادب کے ساتھ اپنا قصور مانتا رہا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ دوسرے دن کرامینس دو گھوڑے لے کر آ گیا۔ اور میں زادِ راہ باندھ کر آرلین کے قصبے کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پلازا قیصر کی بالکنی بھی نظر آئی (خدا معلوم میری رخصتی کا علم کروشیما کو کیسے ہو گیا تھا) وہاں کروشیما کو میں نے رومال ہلاتے اور کبھی آنکھیں صاف کرتے ہوئے دیکھا۔ دل پر پھر ایک دھکا سا لگا اور کرامینس کی موجودگی کے باوجود میں نے رومال ہلا کر الوداع کہی اور پلازا کے در و دیوار کے ساتھ جسٹیم ٹاؤن کی شہر پناہ بھی ہم دونوں کی نظروں سے غائب ہو گئی۔

کرامینس مجھے آرلین کے گرجے کا چارج حوالے کر کے واپس آ گیا۔ اس نئے ماحول میں میرے دو ماہ اچھی طرح گزر گئے۔ میں نے اپنے معبودِ حقیقی کی طرف توجہ دی اور اپنے مرشد آرچ بشپ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف پر عمل کرنا شروع کیا۔ میرا وقت وعظ و تبلیغ میں گزرتا تھا۔ میں نے روزے رکھنے شروع کیے اور تزکیہ نفس شروع کیا۔ میں بیماروں کی عیادت کو جاتا اور ایک سچے راہب کی طرح اپنے وجود کو ہر طرح کے عیش و آرام سے دور رکھتا۔

ایک رات میرے دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی۔ گرجے کی بوڑھی ملازمہ دروازہ کھولنے اٹھی تو وہ دوڑا۔ دروازے پر ایک عظیم الجثہ انسان امیرانہ کپڑوں میں ملبوس رائفل تھامے ہوئے نظر پڑا۔ وہ ڈر گئی۔ مگر اس نے ملازمہ کو تسلی دی اور یہ کہا کہ اس کی مالکہ عالمِ نزع میں ہے۔ دعا و درود کے لیے کسی پادری کی خدمت کی ضرورت ہے۔

میں نے رضامندی کا اظہار کیا اور اپنے ساتھ چند ضروری اشیاء لے لیں جن کی ایسے موقعوں پر کبھی ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ دروازے پر دو سیاہ رنگ کے گھوڑے تیار تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور میرا گھوڑا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہوا کی سی تیزی سے ساتھ دوڑنے لگا۔ راتوں رات ہم نے ایک گھنا جنگل عبور کیا۔ تقریباً دو گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد میں نے اپنے رہبر سے منزل دریافت کی مگر وہ ہوا سے باتیں کیے اڑا جا رہا تھا چاروناچار میں بھی اس کے پیچھے سیاہ رات میں چلتا گیا۔ آخر منزل آ پہنچی۔ ہم ایک امیرانہ مکان میں داخل ہوئے جس کے پہلے کمرے میں چند نوکر پیشہ لوگ مشعلیں لیے پھر رہے تھے۔ میرے رہبر سے ایک ملازم نے کہا۔

"آپ بہت دیر سے پہنچے۔ مریضہ نے جان دے دی۔"

میرے رہبر نے مجھ سے کہا کہ مرحومہ عالمِ نزع میں کہہ رہی تھی کہ آرلین کے پادری رومالڈ کو میری آخری رسوم کی ادائیگی کے لیے لایا جائے۔ اسی لیے میں نے آپ کو اتنی تکلیف دی۔ میں نے دریافت کیا کہ مریضہ کس کمرے میں ہے؟ میرا رہبر مجھے آخری کمرے میں لے گیا۔ جہاں خوش نما پلنگ پر لاش پڑی تھی۔ میں عجیب تذبذب کے عالم میں آگے بڑھا میت دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔

کرشیما موت کی گود میں تھی۔

میں نے کمال ضبط و تحمل سے اپنے آپ کو سنبھالا میرا رہبر کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ اور اس وقت صرف کرشیما کی لاش کمرے میں تھی۔

میرے دل سے ایک آہ نکلی اور اسی آہ کے ساتھ ایک ہلکی سی نسوانی آہ کی آواز بھی سنائی دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ ایک مدھم سی بتی جل رہی تھی۔ کمرے سے گلاب کی معطر جیسی خوشبو آ رہی تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کرشیما بھی ہے۔ کرشیما کے حسن پر اگرچہ موت کے اثرات طاری تھے مگر اس کے باوجود اس حسن نے ڈراؤنے موقع پر بھی مجھے مسحور کر دیا۔ میں بھول گیا کہ کن فرائض کو سرانجام دینے کے لیے مجھے یہاں بلایا گیا تھا۔ میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھیلتے جا رہے تھے۔ میں لمحہ بہ لمحہ مسحور ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے رخساروں کی دلکش بناوٹ اس کی موٹی آنکھیں اور دلکش چہرہ موت کی گود میں بھی ساحرانہ کیفیت کا حامل تھا۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال اس بھیانک رات میں بھی مجھے حسین ترین نظر آ رہے تھے۔ کرشیما مجھے بالکل ویسی ہی نظر آ رہی تھی جیسی اس دن نظر آئی تھی۔ جب میری پادری بننے کی رسم ادا کی جا رہی تھی میں نے کانپتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوا۔ وہ برف کی طرح سرد تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اپنے محبوب سے آخری ملاقات تو ہے ہی۔ میں نے ان مردہ لبوں کو چوم لیا۔ اس کمرے میں عجیب معجزہ رونما ہوا۔ مردہ لاش نے بھی اپنے لب ہلائے اور آنکھیں کھول دیں۔ ہلکی سی آواز اس کے ہونٹوں سے نکلی۔

"آہ رومالڈ تم یہاں کیسے آ گئے؟ میں نے موت کی سرحد تک تمہارا انتظار کیا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہماری سچی محبت کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ رومالڈ آج سے میں تمہارے ساتھ منسوب ہوں۔ میں ہر رات تمہیں ملا کروں گی۔ رومالڈ کاش تم جانتے میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں الوداع رومالڈ ہم عنقریب ملیں گے۔"

لاش کو بولتا دیکھ کر اور حسن خداداد سے مسحور ہو کر میں بے ہوش ہو گیا اور اسی وقت گر پڑا۔

جب ہوش میں آیا تو میں آرلین کے قصبے میں اپنے کمرے میں تھا۔ بوڑھی ملازمہ مجھے آنکھیں کھولتا دیکھ کر فرط خوشی سے چیخ اٹھی۔ مجھے بتایا گیا کہ دوسرے دن ہی امیرانہ کپڑوں والا آدمی مجھے بند گاڑی میں واپس لایا تھا اور مجھے یہاں چھوڑ گیا۔ تین دن سے میں اسی بے ہوشی میں پڑا رہا۔ صرف سانس کی آمد جاری تھی۔ لیکن زندگی کے آثار یکسر مفقود تھے۔ میں نے پہلے تو اس واقعہ کو خواب ہی سمجھا۔ مگر جب بوڑھی ملازمہ نے شہادت دی کہ وہی دو گھوڑوں والا امیر آدمی مجھے رات لے گیا تھا دوسرے دن وہی مجھے بند گاڑی میں چھوڑ گیا تھا۔ تب مجھے یقین آیا کہ یہ واقعہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

ایک دن میرا دوست کرمیٹس مجھے ملنے آیا۔ اسے میری ملازمہ نے میری بیماری کی خبر بھیجی تھی۔ اس نے بتایا کہ پلازا تھیٹر کے مالک کی مشہور لڑکی بلکہ ساحرہ کرشیما کا پچھلے ہفتہ انتقال

ہو گیا ہے۔ اس ساحرہ کے متعلق تمام جسیتم سٹی میں مشہور ہے کہ وہ جادوگرنی تھی۔ کرامینس صرف ایک رات میرے پاس بسر کر کے دوسرے روز جسیتم سٹی واپس چلا گیا۔

دو تین دن بعد میں ٹھیک ہو گیا۔ اور چوتھے دن میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میری خواب گاہ کے پردے ہل رہے ہیں۔ میں ایک نسوانی آواز سن کر چونک پڑا۔ سامنے کروشیما کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بتی تھی۔ جو مقبروں میں جلایا کرتے ہیں۔ وہ انہی سفید کپڑوں میں ملبوس تھی جن میں اسے تابوت میں دفن کرتے وقت لپیٹا گیا تھا۔ اس نے بتی میز پر رکھی اور بیٹھ گئی۔

''روما اللہ تمہیں کئی دن سے میرا انتظار ہوگا۔ تم یہ سمجھتے ہو گے کہ کروشیما تمہیں بھول گئی۔ دیکھو میں کتنی دور سے تمہارے پاس آئی ہوں۔ اس سرزمین سے آئی ہوں جہاں سے کوئی مسافر واپس نہیں آسکتا۔ آج عشق نے موت پر فتح پالی ہے۔ یہ عشق سچا تھا۔ میری روح کو یہاں آنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا احساس تمہیں کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو مجھے قبر سے باہر نکلنے کے لیے کتنی تگ و دو کرنی پڑی اور میں اسی لباس میں ہی تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ روما اللہ اس دن گرجے میں تمہاری نظروں نے مجھے گرویدہ کر لیا تھا۔ مگر تم نے آ کر لین آ کر میری خبر نہ لی۔ میری محبت کے اوپر تم نے خدا کی محبت کو ثبت کر دیا۔ میں تمہارے خدا سے حسد کرتی ہوں۔ جس کو تم نہیں بھلاتے اور جس سے تم مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہو۔ اگر تم خدا کی محبت کو اتنی ترجیح دیتے تھے تو تم نے اس دن میرے مردہ لبوں کا بوسہ کیوں لیا تھا؟'' میں نے جواب دیا۔

''کروشیما تیری محبت نے میرے باپ کی محبت کو محو کر دیا ہے۔''

اتنا سنتے ہی اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور مجھے اپنے ہاتھ چومنے کو کہا۔

''اگر واقعی میری محبت نے خدا کی محبت کو مات کر دیا ہے تو میرے ساتھ باہر چلو۔ میں وہ ہوں جس نے روما کے پوپ کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب کہ وہ میری منتیں کیا کرتا تھا۔ بڑے بڑے شہزادوں کو میں نے حقارت سے دیکھا' مگر روما اللہ نہ معلوم تم نے اپنے ان سادہ کپڑوں میں مجھ پر کیا جادو کر دیا۔ چلو یہاں سے کہیں دور نکل چلیں۔''

میں نے کہا۔ ''کروشیما کل چلیں گے۔ اس وقت مجھے تکان سی ہو رہی ہے۔''

صبح میں دیر سے اٹھا۔ گرجے کے صحن میں لوگ درس میں میرا انتظار کر کے واپس چلے گئے تھے۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ مجھے عجیب عجیب خواب دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری رات پھر مجھے کروشیما خواب میں ملی۔ میری خواب گاہ کے پردے اسی طرح ہلے اور ایک ملائم سی نسوانی آواز اسی طرح آئی۔

''میرے محبوب خواب خرگوش سے اٹھ۔ وقت بہت تھوڑا باقی ہے۔ اٹھ اور کپڑے تبدیل کر۔ ہمارے گھوڑے باہر تیار کھڑے ہیں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

کروشیما نے مجھے ایک ڈیوک کا لباس دیا' جو اس کے کہنے پر میں نے پہن لیا۔ اس نے میرے بالوں میں کنگھی کی۔ آئینہ میرے روبرو کیا۔ واقعی اس وقت مجھے پہلی بار اپنے حسن کا احساس ہوا۔ شہزادوں جیسا حسن میرے خدوخال سے برس رہا تھا۔ دروازے پر دو نوکر بھی گھوڑوں پر موجود تھے۔ ہم ایک گھنٹے کے بعد وینس کے شہر کے باہر ایک محل میں داخل ہوئے۔ اس نے اپنے کمرہ خاص میں داخل ہو کر کھانا کھایا۔

اس دن سے میری دورخی زندگی شروع ہوگئی دن کو تو میں آرلین کے گرجے کا ناظم اعلیٰ ہوتا اور پادری کے فرائض انجام دیتا اور رات کو وینس کے محل کا شہزادہ ہوتا۔ اور کروشیما ہر رات میرے پاس ہوتی۔ اسی طرح پانچ ماہ گزر گئے۔ اس عرصے میں کروشیما کی رفاقت مستقل طور پر ہر رات مجھے نصیب ہوتی رہی۔ اس معمول میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا۔

ہر رات خواب میں وہ اور میں انواع و اقسام کے کھانے کھاتے۔ اور مرغزاروں اور باغوں کی سیر کرتے اور تفریح کرتے حیرانی تو یہ ہے کہ اگرچہ یہ سب خواب ہی تھے تو پھر بھی میری صحت قابل رشک ہوتی جارہی تھی۔

ایک دن صبح کو گرجا میں قلم بناتے بناتے میری انگلی زخمی ہوگئی۔ میں نے پٹی باندھ لی۔ اس رات خواب میں کروشیما نے زخم کھولنے کو کہا۔ میں نے پٹی کھولی تو اس نے فرط محبت سے میرا خون چوس لیا اور کہنے لگی۔

"روموالڈ میرے محبوب میں تمام عمر اسی طرح تیرے پاس آتی ہوں گی۔ میری زندگی تیری ہے اور تیری زندگی میری۔ تیرے خون کے چند قطروں نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے۔"

میں نے جواب دیا۔ "کروشیما تیرے بغیر میری زندگی بے کار سی ہے۔ تو یقیناً جادوگرنی ہے جس کے مسحور کن حسن نے آسمانی باپ کی محبت پر بھی غلبہ پالیا۔"

وہ کہنے لگی۔ "روموالڈ تو جانتا ہے کہ میں نے کیوں تیرے زخم کا خون چوسا؟ یاد رکھو میرے وجود کو فنا نہیں۔ آج میں نے تیرا خون چوسا۔ کل تو میرا خون لے گا۔ اس طرح تجھے بھی میرے وجود کی طرح بقائے دوام حاصل ہوگی۔ ہم دونوں اسی طرح زندہ رہیں گے۔ دیکھ چھ ماہ سے تجھے ہر رات ملتی ہوں مختلف شہروں کی سیر کراتی ہوں۔ انواع و اقسام کے کھانے کھلاتی ہوں۔ تو محلوں میں آرام کرتا ہے مرغزاروں اور سبزہ زاروں میں تجھے میری رفاقت نصیب ہوتی ہے۔ کل تجھے دریائے جیحون کی سیر کو لے چلوں گی۔ اور ہم وہاں نہایت تیز رفتاری سے پہنچیں گے۔"

اسی صبح کو میری ملازمہ نے مجھے منہ اندھیرے جگا دیا۔ میں نے اسے لعن طعن کی کہ جب میں نے اسے حکم دے رکھا ہے کہ مجھے سورج نکلنے سے پہلے نہ جگایا کرے تو تو نے ایسا کیوں کیا؟ ملازمہ نے جواب دیا کہ باہر ایک بزرگ نورانی صورت گھوڑے پر سوار دستک دے رہے ہیں۔ میں فوراً باہر نکلا۔ وہ میرے دینی رہنما سیرافیم کے آرچ بشپ

تھے۔ میں نے ان کے قدموں کو بوسہ دیا۔ ان کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور ایک طرف باندھ دیا۔

میں اعلیٰ الصبح آرچ بشپ کو آرلین کے دو دراز قصبے میں اپنی گمنام کٹیا میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے ان کے لیے چائے بنوائی اور ان کے پاؤں دبانا شروع کیے۔

آرچ بشپ نے فرمایا۔ روبالڈ تیرے متعلق آرلین کے لوگوں نے شکایات کی ہیں کہ تو وقت پر درس دینا نو کجا، پچھلی اتوار کو بھی چرچ میں عبادت کرانے بہت دیر سے آیا۔ یہاں کے لوگ تیرے متعلق کہتے ہیں کہ تو مجذوب سا بنا پھرتا ہے اور صبح دیر سے اٹھتا ہے۔ تیرے دوست کرامینس نے کل مجھے بتایا کہ تجھ پر کسی بلا کا سایہ ہے۔ اور بلازا کی کروشیما کی روح مر کر بھی تجھے تنگ کرتی ہے اور شیطان کے قبضے میں تجھے دے رکھا ہے۔ خدا کروشیما کی روح کو ہمیشہ بے چین رکھے۔ اس نے میرے چہیتے روحانی بیٹے کو مر کر بھی خراب کر رکھا ہے۔ تیرے ہم راز دوست کرامینس نے تیری ہی بہتری کے لیے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آج تیرا امتحان ہے کہ تجھ میں آسمانی باپ کی محبت اور روح القدس کا پیار زیادہ ہے یا اس مری ہوئی چڑیل کا۔ جس کے وہم نے تیری یہ حالت بنا رکھی ہے؟ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تو میرے ساتھ ابھی جسینم ٹاؤن چلے۔ وہاں آج رات میں اور تو اس منحوس کی قبر کھودیں۔ اس کے بدن میں کیڑے چلتے دیکھ کر اور اس کی ہڈیاں ملاحظہ کر کے تجھے چین نصیب ہوگا۔ اور تیرے دل سے اس کے وجود کا خیال ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ پھر ہم تابوت کو اسی طرح بند کر دیں گے۔ اس واقعے کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ ہمارے ساتھ صرف کرامینس تیرا ہم راز دوست ہوگا۔ جو کھدائی کرے گا۔ آج رات تو اپنی محبوبہ کا گلا سڑا بدن دیکھے گا اٹھ کر جلدی تیار ہو۔ آسمانی باپ تیرے ساتھ ہو اور ان کی محبت کا غلبہ تیرے دل میں ڈالے۔"

میں اپنے مذہبی آقا کے دبدبے اور جلال کے سامنے شکست کھا گیا۔ اس کے پرنور چہرے کے روحانی اثرات نے مجھے جانے پر مجبور کر دیا۔

رات کو کرامینس نے ہم دونوں کی موجودگی میں تابوت کھولا۔ تو کروشیما کی لاش بالکل محفوظ حالت میں تھی۔ جس حالت میں اسے دفن کیا گیا تھا۔ اس کے جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔ بلکہ کفن تک صحیح سلامت تھا۔ میں کروشیما کے ہونٹوں پر خون کے قطرات اور ٹھوڑی پر خون کا ایک قطرہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ (کل رات ہی خواب میں اس نے میرا خون چوسا تھا)

روبالڈ شیطان کے اثرات یہاں تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ آسمانی باپ ہم سب کی مدد کرے۔"

آرچ بشپ نے یہ کہہ کر جیب سے مقدس پانی کی ایک شیشی نکالی اور کچھ دم کر کے اس کو کروشیما کی لاش پر چھڑک دیا۔ پانی پڑنے کی دیر تھی کہ اچھی بھلی لاش یکدم راکھ سی ہو گئی اور صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آنے لگیں۔

میرے پیرومرشد نے کہا۔ "روبالڈ یہ دیکھ اپنی محبت کا انجام۔" میں اس نظارے کی تاب نہ لا سکا

اور ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے بعد ہم تینوں وہاں سے چلے آئے۔

دوسرے دن میں اپنے قصبہ آرلین آ گیا۔ رات کو کرشما پھر مجھے خواب میں ملی۔

"کمینے ذلیل انسان۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"تو نے یہ کیا ذلیل حرکت کی؟ تو کیوں اس نا ہنجار بڈھے اور بے وقوف پادری کے کہنے میں آ گیا۔ کیا تو خوش نہیں تھا؟ اگر وہ دونوں ذلیل انسان خود ہی یہ کام کرتے تو میں ان سے فوری بدلہ لے لیتی۔ مگر جب اس قابل نفرین کام میں تو بھی شریک تھے تو میں راکھ ہو گئی۔ بے وفا اور بے مروت انسان بتا کیا میں نے تیرے ساتھ کوئی برائی کی تھی۔ جس کا بدلہ تو نے یہ دیا۔ میرے مزار کی توہین اور میرے تابوت کی بے عزتی میں تو شامل ہوا۔ تو نے آج روحوں اور جسموں کے درمیان ربط کو ختم کر دیا۔ یاد رکھ تو ہمیشہ میری یاد میں تڑپا کرے گا۔ اور میری محبت تیرے دل میں دس گناہ ہو جائے گی۔ اور اب ہم اس دنیا میں کبھی نہ ملیں گے۔ بے وفا الوداع۔"

پھر وہ ایک دم غائب ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ واقعی اس نے سچ کہا تھا حالانکہ اس واقعہ کو چالیس سال ہونے کو ہیں اور میں ۶۵ سال کا ہوں مگر آج بھی صرف ایک بار اسے دیکھنے کی تمنا میرے دل میں موجزن ہے۔ افسوس کہ آج تک آسمانی باپ کی محبت نے کرشما کی محبت پر میرے دل میں فتح نہیں پائی ہے۔ میں





نے دوسرے دن آرلین کے گرجے سے استعفیٰ دے دیا اور اس وقت سے لے کر اس لمحہ تک مجذوبوں کی سی حالت میں یہاں وہاں لڑھکتا پھر رہا ہوں۔

برخوردار یہ ہے میری جوانی کی داستان۔ میں تجھے صرف ایک اور نصیحت کرتا ہوں۔ خبردار تیری آنکھیں کبھی کسی عورت کے چہرے کی طرف نہ اٹھیں۔ اس فانی دنیا میں صرف ایسی نظروں کے ساتھ چل جو زمین کی طرف دیکھیں۔ کیونکہ تو لاکھ نیک طینت، نیک خصلت، عابد اور زاہد ہو، صرف ایک لمحے کی نگاہوں کا اتصال تیرے زہد و تقویٰ اور سالہا سال کی عبادت کو برباد کر کے تجھے کسی اور ہی جانب لے جائے گا۔"



ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

ایک ظالم اور سنگ دل جاگیردار کی کہانی جس نے ایک قیمتی ہیرے کی خاطر اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا اور الزام ایک بے بس جوہری پر لگا کر اسے قید کر لیا تھا۔ دنیا کی نظر میں اپنی بیوی کا قاتل اس جوہری کو بنا دیا تھا

بیس برس بعد

تحریر ...... ضرغام محمود

شہر کے پوش علاقے کی ایک کوٹھی سے تیز تیز بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ کوٹھی شہر کے ایک جوہری رضوان منیر کی تھی۔ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں ایک عورت اور ایک مرد جو وکیل کے لباس میں تھا آپس میں بحث کر رہے تھے۔

"بیگم صاحبہ! آپ سمجھنے کی کوشش کریں جو شخص بیس سال سے لاپتہ ہو اسے عدالت بھی مردہ تصور کر لیتی ہے۔" مرد نے کہا۔

"لیکن وکیل صاحب!" عورت نے مرد کو مخاطب کر کے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔"

"مگر عدالت دل کے فیصلے نہیں مانتی۔" وکیل نے جواب دیا۔ "میں کل ہی جائیداد کے تصفیے کے لیے آپ کے رشتہ داروں کی طرف سے دعویٰ دائر کرنے والا ہوں۔" وکیل نے مزید کہا۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" عورت جو جوہری رضوان منیر کی بیگم انجم آرا تھی غصے سے کھڑی ہو گئی۔ "میرے جیتے جی میرے شوہر کی جائیداد کبھی تقسیم نہیں ہو سکتی۔"

"بہتر بیگم صاحبہ!" وکیل بھی کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ "پھر اب عدالت ہی میں ملاقات ہوگی ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ گھر کا معاملہ ہے گھر ہی میں نمٹ



جائے تو اچھا ہے۔" یہ کہہ کر وکیل نے اپنے کاغذات اٹھائے اور چلا گیا۔ مگر بیگم انجم آرا کو ایک نئی پریشانی میں مبتلا کر گیا۔ وکیل کے جاتے ہی بیگم انجم آرا غصے سے اٹھی اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"جس ماں کا جوان بیٹا ہو اور لوگ اس کو عدالت کی دھمکیاں دیں۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔" بیگم انجم آرا اپنے جواں سال بیٹے سہیل پر برس پڑی۔

"مگر میں کیا کروں؟" سہیل بولا۔

"جاؤ...... جا کر اپنے باپ کو ڈھونڈو۔"

"کہاں ڈھونڈو...... اتنا بڑا ملک ہے۔ کہاں تلاش کروں......؟" سہیل بولا۔

"آخری بار تمہارے ابا فتح گڑھ کے مشہور جاگیردار چوہدری ملک دین کے پاس گئے تھے۔ بس پھر یہ خبر آئی کہ انہوں نے چوہدری ملک دین کی بیوی کو قتل کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئے...... پھر ان کا کچھ پتہ نہیں چلا اور آج اس بات کو بیس برس گزر گئے ہیں۔ اس وقت تم صرف پانچ سال کے تھے۔" بیگم انجم آرا نے ساری بات تفصیل اسے بتاتے ہوئے کہا۔

"وہ چوہدری ملک دین کے پاس کیوں گئے تھے؟" سہیل نے سوال کیا۔

"وہ ایک بہت قیمتی ہیرا لے کر گئے تھے۔" بیگم آرا نے کہا۔

"ٹھیک ہے امی جان! میں آج رات ہی فتح گڑھ روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ کی دعائیں میرے ساتھ رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ میں ضرور کامیاب لوٹوں گا۔" سہیل نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔



ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سہیل کے دماغ میں کھچڑی سی پک رہی تھی...... بیس سال پہلے کھوئے ہوئے باپ کو وہ کہاں تلاش کرے...... اسی ادھیڑ بن میں وہ بیٹھا تھا کہ ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ وہ چونک پڑا اس وقت کمپارٹمنٹ میں چند ہی افراد تھے اور وہ سب سو رہے تھے۔ سہیل نے جلدی سے کمپارٹمنٹ کے دروازہ کھولا۔ ٹرین کی رفتار بہت ہلکی تھی اور صبح کی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ سہیل نے دیکھا ٹرین سے ایک لڑکی باہر کودی اور اس کے پیچھے ایک خوفناک شکل کا آدمی کودا پھر دوسرا آدمی...... وہ بھی شکل سے غنڈہ نظر آ رہا تھا۔ سہیل نے جلدی سے زنجیر کھینچی ٹرین رکنے تک وہ لڑکی ریلوے لائن کے ساتھ پھیلے جنگل میں گھس گئی۔ اس کے پیچھے دونوں بدمعاش بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔ ٹرین رکتے ہی سہیل اترا اور فوراً ادھر بھاگا جدھر لڑکی اور وہ بدمعاش گئے تھے۔ جب سہیل جنگل میں داخل ہوا تو دیکھا کہ دونوں بدمعاش آپس میں لڑ رہے ہیں اور لڑکی ایک درخت سے لگی کانپ رہی ہے۔ سہیل نے فوراً ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ایک بدمعاش کے سر پر دے مارا اور وہ بدمعاش نیچے گر پڑا۔ لڑکی نے چونک کر سہیل کی طرف دیکھا اور ساتھ ہی دوسرے بدمعاش نے بھی سہیل کی طرف دیکھا اور فوراً جنگل کے اندر بھاگ گئے۔ سہیل بھی ان کے پیچھے بھاگا اور انہیں روکنا چاہا...... مگر وہ دونوں کسی چھلاوے کی طرح اس کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ سہیل فوراً اس جگہ آیا جہاں دوسرا بدمعاش پڑا تھا۔ جس کے سر پر اس نے پتھر مارا تھا۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔ سہیل نے ایک

لمبی سانس بھری اور ٹرین کی طرف چل دیا۔
جیسے ہی سہیل ٹرین میں سوار ہوا ٹرین چل پڑی۔
سہیل ابھی اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچا ہی تھا کہ گارڈ آدھمکا۔
"تو آپ نے زنجیر کھینچی تھی؟"
"جی ہاں۔" سہیل نے جواب دیا۔
"کیوں......آپ کی کوئی چیز گر گئی تھی......؟"
گارڈ نے سوال کیا۔
"جی نہیں۔" سہیل نے جواب دیا۔ "دراصل ٹرین سے ایک لڑکی کودی تھی اس کے پیچھے دو بدمعاش تھے۔ وہ تینوں جنگل میں گئے پھر ان میں لڑائی ہونے لگی۔ پھر وہ لڑکی ایک غنڈے کے ساتھ جنگل میں روپوش ہو گئی۔"
"یہ کیا کہانی سنا رہے ہیں آپ......!" گارڈ جھنجھلا کر بولا۔ "لڑکی کے پیچھے دو غنڈے تھے پھر لڑکی ایک غنڈے کے ساتھ بھاگ گئی۔"
"یہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" سہیل بولا۔
"ٹھیک ہے حقیقت ہی ہو گی مگر آپ کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ گارڈ بولا۔
"کس چیز کا جرمانہ......؟" سہیل حیران ہوتے ہوئے بولا۔
"بلاوجہ ٹرین رکوانے کا جرمانہ۔" گارڈ بولا۔
"میں جرمانہ نہیں ادا کروں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" سہیل پرجوش لہجے میں بولا۔
"تو آپ کو میرے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔" گارڈ بولا۔ "آپ میرے ساتھ میرے کمپارٹمنٹ میں آ جائیے۔"

سہیل اپنا سامان اٹھا کر گارڈ کے ڈبے میں آ گیا۔
ٹرین جب فتح گڑھ کے ریلوے اسٹیشن پر رکی۔ گارڈ اور سہیل ٹرین سے اترے۔ گارڈ سہیل کو لے کر تھانے پہنچا۔
"کہو لال دین! آج کسے پکڑ لائے ہو؟" تھانیدار گارڈ سے بولا۔
"سر! ہماری تو ڈیوٹی ہے یہ۔" گارڈ بولا۔ "مگر یہ صاحب جرمانہ ادا کرنے کے بجائے ایک عجیب کہانی سنا رہے ہیں۔" یہ کہہ کر گارڈ نے پوری کہانی تھانیدار کو سنا دی۔ کہانی سن کر تھانیدار اور سہیل کی جانب مڑا اور بولا۔
"ہاں تو مسٹر! کیا نام ہے تمہارا؟"
"سہیل منیر۔" سہیل نے جواب دیا۔
"ہاں تو مسٹر سہیل! جو کہانی آپ نے سنائی ہے وہ کتنے فی صد سچی ہے......؟"
"یہ سو فی صد سچی ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔
بہر حال جرمانہ تو آپ کو ادا کرنا ہی پڑے گا۔ تھانیدار نے کہا۔ "باپ کا کیا نام ہے؟"
"رضوان منیر۔" سہیل نے جواب دیا۔
"کیا رضوان منیر......" تھانیدار گھبرا کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ "وہ رضوان منیر جو چوہدری ملک داد کی بیوی کو قتل کر کے فرار ہو گیا تھا۔"
"انہوں نے کوئی قتل نہیں کیا۔" سہیل بولا۔ "اور یہی ثابت کرنے میں یہاں آیا ہوں۔"
"یقیناً......یقیناً رضوان کبھی قتل نہیں کر سکتا۔ یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔" تھانیدار نے

کہا۔

"آپ ..... مگر آپ کیسے جانتے ہیں.....؟" سہیل نے حیرت سے پوچھا۔

"رضوان سے میرے بہت اچھے تعلقات تھے۔ اس وقت میں اسی تھانے میں حوالدار ہوا کرتا تھا۔ ہمارے درمیان اچھی خاصی دوستی تھی۔ میں نے اس کیس پر بہت کام کیا..... مگر ہر طرف سے رضوان ہی کو قتل کا مجرم پایا مگر مجھے حیرت ہے آخر وہ فرار کہاں ہو گیا.....؟" تھانیدار نے کہا۔

"میں انہیں ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔" سہیل بولا۔

"بے شک..... تم ایک بہادر اور ذہین لڑکے لگتے ہو۔ یقیناً تم اپنے باپ کو ڈھونڈ کر ان کے اوپر سے قتل کا الزام صاف کر دو گے۔ اگر کبھی میری کی ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں بلا جھجک آ جانا۔" تھانیدار نے کہا۔

"شکریہ سر!" سہیل نے کہا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" تھانیدار نے سہیل سے ہاتھ ملایا اور سہیل تھانے سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"لیکن سر!" گارڈ نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس..... بس خاموش رہو۔" تھانیدار نے ہاتھ اٹھا کر گارڈ کو بولنے سے روک دیا۔

تھانے سے نکل کر سہیل سیدھا اپنے دوست کے گھر پہنچا اور دروازے پر دستک دی..... تھوڑی دیر میں ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

"سہیل.....! تم یہاں....." دروازہ کھولنے والے نے سہیل سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

"اکبر کے بچے.....! ایک سال کے اندر اندر تو اتنا موٹا..... کون سی چکی کا آٹا کھاتا ہے؟" سہیل نے اکبر کو الگ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے اپنے بخشو کے ہوٹل کی روٹی کمال ہے۔ کمبخت خالص بھوسے کی روٹی بناتا ہے۔"

"کیوں کیا گھر میں روٹی نہیں پکتی؟" سہیل نے پوچھا۔

"کون پکائے گا روٹی.....؟" اکبر نے جواب دیا۔

"کیوں تیری والدہ....." سہیل نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ان کا تو چھ ماہ قبل انتقال ہو گیا تھا۔"

"اوہ..... مگر تو نے مجھے اطلاع بھی نہیں دی۔"

"اچھا..... چھوڑو ان باتوں کو..... آؤ اندر آؤ۔" دونوں گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

"تم نہا دھو لو۔" اکبر نے سہیل کا سامان رکھتے ہوئے کہا۔ جب سہیل غسل لے کر فارغ ہو گیا تو اکبر نے کہا۔

"ہاں..... اب بتاؤ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"یار! تجھے تو سب معلوم ہے ابا جان کے بارے میں..... بیس سال سے وہ لاپتہ ہیں بس ان ہی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"

"مگر تم انہیں کہاں تلاش کرو گے.....؟" اکبر نے پوچھا۔

"ان پر چوہدری ملک دین کی بیوی کے قتل کا الزام تھا بس چوہدری ملک دین کی حویلی سے ہی تلاش شروع کروں گا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"مگر وہ حویلی تو ویران پڑی ہے۔اپنی بیوی کے قتل کے بعد چوہدری صاحب نے رہنا ترک کر دیا اور اپنی حویلی سے باہر نہیں آتے۔ بلکہ اکثر راتوں کو وہاں سے رونے کی بڑی کربناک آوازیں آتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں چوہدری صاحب کی بیوی کی روح گھومتی ہے حویلی میں...... نہ بابا نہ تم وہاں جانے کا خیال دل سے نکال ہی دو۔"

"یہ ناممکن ہے میں آج رات ہی اس حویلی میں جاؤں گا اور تم میرے ساتھ چلو گے سمجھے......" سہیل نے تھوڑا وقفہ لے کر جملہ مکمل کیا۔

"ارے...... اپنے ساتھ مجھے کیوں مروا رہے ہو؟"

"زیادہ بکواس نہیں تو میرے ساتھ رات کو اس حویلی میں چلے گا۔"

رات کے بارہ بجے دونوں دوست چوہدری ملک زین کی حویلی کی طرف روانہ ہوئے...... چوہدری ملک زین کی حویلی فتح گڑھ کے سرے پر واقع تھی اور حویلی کے پیچھے بہت بڑا گھنا جنگل تھا۔ رات کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی حویلی کسی دیو کا بڑا سا سایہ لگ رہی تھی...... وہ دونوں دھیرے دھیرے حویلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک سناٹے میں ایک بھیانک چیخ گونجی...... اس چیخ کے ساتھ ہی اکبر زور سے اچھلا اور اس کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ واپس دوڑ پڑا...... سہیل نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ مجبوراً سہیل تنہا ہی حویلی میں داخل ہو گیا۔ حویلی مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف ایک کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ سہیل نے دروازے کے سوراخ میں سے اندر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا' اندر کمرے کا فرش کچا تھا اور وہاں ایک آدمی گردن تک زمین میں دھنسا ہوا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں سرچ لائٹ کی طرح ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

"کون ہو تم......؟" سہیل کو اپنے پیچھے سے آواز سنائی دی' تو وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ ایک بھیانک شکل کا آدمی اسے گھور رہا تھا۔

"و...... وہ...... م...... میں...... میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ ادھر سے گزر رہا تھا تو مجھے ایک درد بھری چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھا یہاں کوئی بیمار ہے...... لہٰذا ادھر آ گیا۔" سہیل نے بہانہ بنایا۔

"یہاں کوئی بیمار نہیں ہے تم جا سکتے ہو۔"

"مگر کمرے میں تو......" سہیل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ میرا نوکر ہے اور میں نے اسے سزا دی ہے۔"

"مگر سزا دینے کا آپ کو کیا حق ہے؟" سہیل نے کہا۔

"تم ایسے نہیں مانو گے۔" وہ بھیانک چہرے والا آدمی بولا اور دروازہ کھول کر زمین میں دھنسے ہوئے آدمی سے بولا۔ "کونگے اسے سیدھا کر دو۔" زمین میں دھنسا ہوا آدمی ایک جھٹکے سے باہر آ گیا اور سہیل کی طرف بڑھا۔ سہیل خوف کے مارے پیچھے ہٹنے لگا اور حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگا۔

"کونگے اسے پکڑ ورنہ جلا دوں گا۔" وہ بھیانک آدمی پھر چیخا۔

سہیل دوڑتے دوڑتے ایک کمرے میں گھس گیا

اور جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کمرے کی چیزیں دروازے کے ساتھ لگانے لگا..... باہر گونگا دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ ہر ٹکر پر دروازہ پہلے کی نسبت زیادہ ہلتا۔

سہیل نے جلدی سے اپنے چاروں اطراف نظریں دوڑائیں۔ کمرے میں سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی سہیل نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی۔ کھڑکی میں صرف شیشہ لگا ہوا تھا۔ سہیل نے کمرے میں رکھا پیپر ویٹ شیشے پر دے مارا..... فوراً ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا سہیل کے چہرے سے ٹکرایا۔ کھڑکی کے پار تا حد نظر تک طویل جنگل پھیلا ہوا تھا۔ سہیل نے فوراً کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت دروازہ ٹوٹا اور گونگا کمرے میں داخل ہو گیا۔ مگر سہیل کھڑکی کے راستے سے باہر نکل چکا تھا۔ سہیل جلد سے جلد حویلی سے دور ہونا چاہتا تھا۔ اچانک اسے پھر ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پیچھے کوئی بھی نہ تھا..... سہیل کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر حویلی سے باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

اکبر کے گھر پہنچ کر سہیل نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''بھوت..... بھوت.....'' اکبر دروازہ کھولتے ہی چلایا۔

''ابے بھوت کی اولاد..... یہ میں ہوں۔'' سہیل نے اکبر کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

''تم..... تم زندہ ہو..... بھوت نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟'' اکبر نے پوچھا۔

''ارے یار! وہاں کوئی بھوت ہوتا تو کچھ کہتا۔''

''کیا مطلب..... کیا وہاں کوئی بھوت نہیں ہے۔'' اکبر نے پوچھا۔

''نہیں یار! یہ سب لغویات ہیں عملی زندگی میں بھوت پریت کا کوئی وجود نہیں۔'' سہیل نے کہا۔

''مگر..... پھر وہ حویلی سے رونے کی آوازیں کس کی آتی ہیں؟''

''یہی اہم بات ہے۔ آخر وہ آوازیں کس کی ہیں.....؟'' سہیل کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے مجھے دوبارہ اس حویلی میں جانا پڑے گا۔''

''ارے ابا غضب نہ کرنا ایک دفع بھوت نے چھوڑ دیا دوبارہ نہیں چھوڑے گا۔'' اکبر نے جلدی جلدی کہا۔

''میں یہاں ابا جان کی تلاش میں آیا ہوں کوئی گھومنے پھرنے نہیں۔ مجھے ہر حالت میں حویلی میں جانا ہی ہوگا۔'' سہیل نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

💣 💣 💣

حویلی میں چوہدری ملک دین گونگے پر برس رہا تھا۔

''آخر وہ نوجوان کیسے نکل گیا..... میں تجھے اس کوتاہی کی سخت سزا دوں گا۔'' گونگا اشاروں میں چوہدری کو بتانے لگا کہ۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''آخر وہ نوجوان تھا کون.....؟'' چوہدری ملک دین سوچتے ہوئے بڑبڑایا..... پھر خود ہی سر جھٹکتے ہوئے گونگے کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر چوہدری نے گونگے کو فرش کا قالین اٹھانے کو کہا۔ جب گونگے نے قالین اٹھایا تو فرش

میں ایک دروازہ نظر آیا..... چوہدری نے وہ دروازہ کھولا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا..... ساتھ ہی گونگا بھی سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا چوہدری ملک دین نے ماچس جلائی اور وہاں رکھی ایک مشعل روشن کر دی۔ مشعل نے تہہ خانے کے گھپ اندھیرے میں ٹمٹما سا اجالا کر دیا۔ تہہ خانے میں خشک گھاس پر ایک بوڑھا آدمی بندھا ہوا تھا۔

"کہو دماغ ٹھکانے آیا جوہری رضوان منیر!" چوہدری ملک دین نے زہر خند لہجے میں کہا۔ مگر بوڑھا بس۔

"اوں..... اوں" کر کے رہ گیا کیونکہ اس کے منہ پر کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ گونگے نے آگے بڑھ کر بوڑھے کے منہ سے کپڑا نکالا۔

"تم..... تم نے مجھے غیر قانونی طور پر نہ جانے کتنے برسوں سے قید کر رکھا ہے چوہدری ملک دین! میں تو اب دنوں کا حساب بھی بھول گیا..... مگر تم یاد رکھنا قانون کے لمبے ہاتھوں سے کبھی بچ نہیں سکتے۔" منہ کھلتے ہی بوڑھا اپنی نحیف آواز میں بولا۔

"قانون" چوہدری ملک دین نے ایک قہقہہ لگایا۔ "قانون تو تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ میری بیوی کے قتل کے جرم میں۔"

"لیکن..... لیکن اپنی بیوی کو تو تم نے خود قتل کیا تھا۔" بوڑھا جوہری رضوان منیر بولا۔

"ہاں..... مگر قانون تو تمہیں مجرم سمجھتا ہے۔" چوہدری ملک دین نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

"دیکھو....." کچھ توقف کے بعد چوہدری ملک دین پھر گویا ہوا۔ "اگر مجھے وہ ہیرا دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

"مجھے پاگل سمجھتے ہو چوہدری! جس دن تمہیں ہیرا مل گیا اسی دن تم مجھے قتل کر دو گے۔"

"تم..... تم" غصے کی شدت سے چوہدری ملک دین کے منہ سے کف اڑنے لگا..... اس نے گونگے کو اشارہ کیا اور گونگے نے بوڑھے جوہری کو مکے مارنے لگا..... جب بوڑھا جوہری مار کھاتے کھاتے نڈھال ہو گیا تو گونگے نے دوبارہ اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر ٹیپ لگا دی۔ پھر چوہدری ملک دین اور گونگا تہہ خانے سے باہر نکل گئے۔



یہ آج سے تقریباً بیس برس پہلے کی بات ہے جوہری رضوان منیر دارالحکومت کا ایک بڑا جوہری تھا۔ ایک روز اس کے پاس ایک بہت قیمتی ہیرا آیا۔ جوہری رضوان منیر نے سوچا کہ اتنا قیمتی ہیرا کون خریدے گا..... پھر اسے نیچ گڑھ کے جاگیردار چوہدری ملک دین کا خیال آیا جو کہ ہیرے جواہرات کا بہت شوقین تھا۔ لہٰذا جوہری رضوان منیر ہیرا لے کر چوہدری ملک دین کی حویلی آیا۔ چوہدری کو ہیرا بہت پسند آیا۔ مگر قیمت پر دونوں میں بحث ہو گئی۔ جوہری رضوان منیر نے ہیرے کی قیمت پچاس لاکھ لگائی اور چوہدری نے صرف پانچ لاکھ..... بحث ہی بحث میں بات بڑھتی چلی گئی۔ اچانک چوہدری ملک دین نے پستول نکال لیا۔

"چوہدری! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی نیچ حرکت کرو گے۔" جوہری رضوان منیر نے کہا۔

"ہیرا میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہیں گولی

مار دوں گا۔" چوہدری ملک دین نے دھمکی دی۔

"بے شک تم گولی مار دو مگر ہیرا میں نہیں دوں گا۔" جوہری رضوان منیر بھی اڑ گیا۔

"میں تین تک گنتا ہوں ہیرا مجھے دے دو ورنہ......"

"قطعاً نہیں۔"

"ایک' دو......" چوہدری ملک دین نے گننا شروع کیا اور تین کہتے ہی چوہدری ملک دین نے گولی چلا دی مگر عین اس وقت چوہدری کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی اس نے جو یہ منظر دیکھا تو چیختی ہوئی چوہدری ملک دین کے سامنے آگئی۔ چوہدری ملک دین کے پسٹول سے نکلی ہوئی گولی اس کے سینے میں گھس گئی۔

"بے وقوف یہ تو نے کیا کیا' اپنی بیوی کو مار دیا۔" جوہری رضوان منیر چیخا...... تو چوہدری ملک دین کے شیطانی دماغ نے فوراً ایک پلان بنایا اور گونگے کے ذریعے جوہری رضوان منیر کو تہہ خانے میں بند کر دیا اور پولیس کو بلا کر بیان دیا کہ۔

"جوہری رضوان منیر اس کی بیوی کو قتل کر کے قیمتی جواہرات چوری کر کے بھاگ گیا ہے۔" چوہدری نے اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی اس واقعے کے بعد اس کے ماموں کے پاس شہر بھیج دیا۔ جو اس وقت تقریباً تین سال کی تھی۔

ادھر تہہ خانے میں جیسے ہی رضوان منیر کو ہوش آیا اسے سب سے پہلے ہیرے کی فکر لاحق ہوئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ہیرا حاصل کرتے ہی چوہدری اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ تاکہ اس کے جرم کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔

تہہ خانے میں ایک کونے میں سوکھی گھاس پھوس پڑی تھی۔ جوہری رضوان نے ہیرا اس گھاس پھوس کے نیچے ایک درز میں اس طرح چھپا دیا کہ کسی کو یہ ہیرا آسانی سے نہیں مل سکتا تھا۔ بیس برس سے چوہدری روز آتا اور ہیرے کا تقاضہ کرتا اور ہیرے کا پتہ نہ بتانے پر روز گونگے کے ذریعے جوہری پر زدوکوب کراتا۔



حویلی کے ایک کمرے میں چوہدری ملک دین ملک دین کی اکلوتی بیٹی فرزانہ مسہری پر لیٹی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی کہ اچانک اسے رونے کی دبی دبی سی بھنبھناہٹ آواز سنائی دینے لگی۔ فرزانہ جب سے اپنے ماموں کے گھر سے حویلی واپس آئی تھی اس آواز سے سخت پریشان تھی۔ وہ ایک پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی تھی۔ لہٰذا بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتی تھی۔

"آخر یہ آواز آتی کہاں سے ہے آج میں یہ راز معلوم کر کے ہی رہوں گی۔" فرزانہ نے سوچا اور کمرے سے نکل کر باہر آگئی۔ کچھ دیر وہ آواز کے سہارے چلتی رہی مگر اسے وہ جگہ نہ مل سکی جہاں سے آواز آرہی تھی وہ حویلی کے پچھلے حصے کی طرف چلی آئی۔ حویلی کے پچھلے حصے میں خاردار خودرو جھاڑیاں تھیں۔ فرزانہ دو قدم آگے بڑھی تو ٹھٹھک کر رک گئی حویلی کے نچلے حصے میں لگے روشندان سے جو کہ تہہ خانے میں روشنی کے لیے بنایا گیا تھا۔ ایک بوڑھا کمزور سا شخص کھڑا تھا۔ رونے کی آواز اسی آدمی کی تھی۔ چونکہ اس آدمی کا منہ بندھا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ نے

کی آواز بہت بھیانک لگ رہی تھی۔

"ت...... تم...... تم کون ہو......؟" فرزانہ نے پوچھا۔ مگر بوڑھا صرف اوں اوں کر کے رہ گیا کیونکہ اس کا منہ بندھا ہوا تھا۔

"میں ابا جان کو بلاتی ہوں۔" فرزانہ نے بوڑھے سے کہا۔ مگر بوڑھے نے زور زور سے گردن ہلا کر اسے منع کیا۔

"اچھا گونگے کو بلاتی ہوں کہ وہ آپ کو رہائی دلائے۔" فرزانہ نے پھر سے کہا۔ مگر بوڑھے نے پھر گردن ہلا ہلا کر انکار کیا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں خود ہی اوزار لا کر یہ سلاخیں کاٹنے کی کوشش کرتی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

بیس برس میں پہلی بار بوڑھے جوہری کی آنکھوں میں امید کی کرن جھلمائی۔ فرزانہ وہاں سے ہٹ کر حویلی کی طرف آئی۔ تو اس نے دیکھا کہ وہی نوجوان جس نے ایک سال پہلے اس کی جان بچائی تھی۔ وہاں کھڑا تھا۔ فرزانہ تیز تیز قدموں سے چلتی اس کے قریب پہنچی۔

"ارے آپ......!" فرزانہ بولی۔

"آپ...... آپ بھی یہاں......؟" وہ نوجوان جو سہیل تھا فرزانہ سے پوچھا۔

"میں چوہدری ملک دین کی اکلوتی بیٹی فرزانہ ہوں۔" فرزانہ نے اپنا تعارف کروایا۔

"میرا نام سہیل ہے۔" سہیل نے اپنا تعارف کروایا۔

"آپ اندر چلئے حویلی میں۔ میں ابا جان سے آپ کو ملواتی ہوں۔" فرزانہ نے بے تکلفی سے کہا۔ تو سہیل اس کے ساتھ حویلی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ بدمعاش کون تھا؟ جو تنگ کر رہا تھا؟" سہیل نے چلتے چلتے فرزانہ سے پوچھا۔

"وہ یہاں کا نامی گرامی غنڈہ شیرا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کر کے ابا جان کی دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ ابا جان کے انکار کے باوجود مجھے ستانے پر تل گیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر آپ پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرتی؟" سہیل بولا۔

"میں تو چاہتی تھی کہ غنڈے کو پولیس میں دے دیں مگر ابا جان پولیس کے لفڑے میں پڑنا نہیں چاہتے۔"

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں...... چھوڑیے اس موضوع کو آپ اندر آیئے۔" فرزانہ بولی اور سہیل کو ساتھ لے کر حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوئی۔

"ابا جان! یہی وہ شخص ہے جنہوں نے ایک مرتبہ اس غنڈے سے میری جان بچائی ہے۔" فرزانہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ڈرائنگ روم میں ایک آدمی دروازے کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ فرزانہ کے مخاطب کرنے پر اس شخص نے مڑ کر دیکھا۔ سہیل اس شخص کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے گونگے کو اسے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔

"ہم تمہارے بہت شکر گزار ہے نوجوان! تم نے ہماری بیٹی کو اغواء ہونے سے بچایا۔" چوہدری ملک دین نے کہا۔

"جی...... اس میں شکریہ کی کیا بات ہے یہ تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرا اخلاقی فرض تھا۔" سہیل بولا۔

"پھر بھی شکریہ تو ادا کرنا ہی چاہیے۔" چوہدری ملک دین نے کہا اور پھر گونگے کو آواز دینے لگا...... فوراً ہی گونگا حاضر ہوا تو چوہدری ملک دین نے اسے چائے لانے کا کہا۔

"اور سناؤ نوجوان! کیا نام ہے تمہارا؟ اور کہاں رہتے ہو......؟"

"جی...... میرا نام سہیل ہے اور میں دارلحکومت میں رہتا ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔

"دارلحکومت میں...... تو پھر فتح گڑھ کیسے آنا ہوا؟" چوہدری ملک دین نے پھر سوال کیا۔

"ایسے ہی تفریحاً" سہیل نے جواب دیا۔ وہ بغور ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ اتنی ہی دیر میں گونگا چائے لے کر آ گیا۔ فرزانہ چائے بنانے کے لیے آگے بڑھی مگر چوہدری ملک دین نے اسے روک دیا اور خود چائے بنانے لگا۔ فرزانہ، سہیل کو کمرے میں لگی ہوئی اپنے بزرگوں کی تصاویر دکھانے لگی...... دفعتاً سہیل کو ایک تصویر فریم کے شیشے میں اپنے پیچھے کا منظر نظر آیا۔ چوہدری ملک دین ایک کپ میں چمچے سے کچھ سفید سفوف ملا رہا تھا۔ سہیل، چوہدری ملک دین کی اس حرکت کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔

"لو بچو! چائے پیو۔" چوہدری ملک دین نے کہا اور چائے کا ایک کپ سہیل کو پکڑا دیا۔ اس سے پہلے کہ چوہدری دوسرا کپ فرزانہ کو پکڑاتا۔ سہیل نے اپنا کپ فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے آپ لیجیے فرزانہ صاحبہ!" فرزانہ نے شکریے کے ساتھ کپ لے لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کپ منہ تک لے جاتی چوہدری ملک دین نے اس کے ہاتھ سے کپ چھین کر پھینک دیا۔

"یہ...... یہ کیا ابا جان......؟" فرزانہ اس حرکت پر حیران رہ گئی۔

"فرزانہ صاحبہ! یہ کپ صرف میرے لیے تھا کیونکہ اس میں آپ کے ابا حضور نے زہر ملا دیا تھا۔" سہیل تیکھے لہجے میں بولا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں ابا جان! آپ...... آپ نے چائے میں زہر ملایا ہے؟" فرزانہ نے چوہدری ملک دین سے کہا۔

"ت...... تم ابھی نکل جاؤ میری حویلی سے۔" چوہدری ملک دین، سہیل پر دھاڑا۔ سہیل چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

"یہ...... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ابا جان! گھر آئے مہمان سے کوئی اس طرح سلوک کرتا ہے؟" سہیل کے کمرے سے نکلتے ہی فرزانہ بولی۔

"وہ...... وہ مہمان نہیں ہے۔" چوہدری ملک دین نے کہا۔ "وہ اس سے پہلے بھی حویلی میں آ چکا ہے۔ شاید وہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"اگر وہ پولیس کا آدمی ہے تو کیا ہوا۔ کیا آپ نے کوئی جرم کیا ہے......؟" فرزانہ بولی۔

"م...... میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" چوہدری ملک دین، فرزانہ کی بات سن کر گھبرا گیا۔ "لیکن ہمیں محتاط رہنا چاہیے آخر ہمارے کچھ خاندانی راز ہیں۔"

"کیا راز ہیں آپ کے میں جانتی ہوں نہ جانے کتنے برسوں سے آپ نے ایک لاچار بوڑھے انسان کو تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے۔" فرزانہ پھٹ پڑی۔

"ت......تت...... تمہیں کیسے معلوم ہوا......؟"
چوہدری ملک دین بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"مجھے سب معلوم ہے اور میں اسے ضرور آزاد کراؤں گی۔" یہ کہہ کر فرزانہ کمرے سے نکل گئی۔
"گونگے...... گونگے۔" چوہدری ملک دین نے گونگے کو آواز دی اور اسے ساتھ لے کر تہہ خانے کی طرف چل دیا۔ آج اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس قصے کو ختم کردے گا۔ تہہ خانے میں پہنچ کر چوہدری ملک دین نے جوہری رضوان منیر سے کہا۔
"بوڑھے جوہری! آج تیری زندگی کا آخری دن ہے۔ شرافت سے ہیرا میرے حوالے کردے۔"
"نہیں...... قطعی نہیں...... ہیرا تجھے کسی حالت میں نہیں ملے گا۔"
"گونگے! آج اسے اتنا مار کہ اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دے۔" چوہدری ملک دین نے گونگے کو حکم دیا۔ مگر اس سے پہلے کہ گونگا بوڑھے جوہری پر ہاتھ اٹھاتا فائر کی آواز گونجی اور گونگا ٹھٹھک کر رہ گیا۔ چوہدری ملک دین نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا تہہ خانے کے دروازے پر شیرا کھڑا تھا۔ فائر اسی کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے ہوا تھا۔
"تو یہ ہے تمہاری شرافت چوہدری! ایک بوڑھے مجبور شخص کو نہ جانے کتنے برسوں سے تم نے قید کر رکھا ہے۔"
"شیرا! یہ میرا معاملہ ہے مجھ پر چھوڑ دو اور تم یہاں سے چلے جاؤ۔" چوہدری ملک دین دھاڑا۔
"آہستہ چوہدری! آہستہ۔" شیرا بولا۔ "اگر تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو اور ساری جائیداد میرے نام کردو تو میں تمہارے راستے سے ہٹ جاتا ہوں۔"
ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر فرزانہ سہیل کو لے کر تہہ خانے تک پہنچ گئی۔ شیرا نے سہیل کو دیکھتے ہی گولی چلادی۔ مگر بوکھلاہٹ کی وجہ سے اس کا نشانہ چوک گیا۔ مگر سہیل کے پستول سے نکلنے والی گولی شیرا کا پستول لے اڑی۔
"چوہدری ملک دین! تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کون ہوں۔" سہیل نے چوہدری ملک دین کو تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے مخاطب کیا۔ "میں جوہری رضوان منیر کا بیٹا ہوں۔"
"کیا......"
"ہاں...... میں جوہری رضوان منیر کا بیٹا ہوں اور اپنے باپ کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔" سہیل نے کہا۔
"بیٹا......! بیٹا......! میں ہوں تیرا بدنصیب باپ۔" جوہری رضوان منیر چیخ پڑا۔ سہیل کی نظر ایک لمحے کے لیے شیرا سے ہٹی تو اس نے سہیل پر چھلانگ لگادی۔ سہیل کے ہاتھ سے پستول گر گیا اور دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ چوہدری ملک دین کے لیے یہ اچھا موقع تھا۔ اس نے جلتی ہوئی مشعل سے سوکھی گھاس پھوس کو آگ لگادی اور فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی تہہ خانے سے باہر لے کر آگیا۔
ادھر سہیل اور شیرا ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اچانک شیرا کے ہاتھ میں پستول آگیا مگر اس سے پہلے وہ گولی چلاتا سہیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھت کی طرف کردیا۔ لہٰذا گولی چھت پر لگی۔ دونوں کے درمیان پستول کی چھینا جھپٹی

ہونے لگی...... ادھر آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ گھاس پھوس کے بعد آگ نے تہہ خانے میں رکھی ہوئی چیزوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بوڑھا جوہری آگ کے درمیان بری طرح پھنس گیا۔ اسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور شیرا اپنا سینہ پکڑے زمین پر گر پڑا۔ سہیل نے اسے گولی ماردی تھی۔ شیرا کے گرتے ہی سہیل نے پستول پھینکا اور آگ کے اوپر سے چھلانگ لگا کر اپنے باپ تک پہنچا۔ اپنے باپ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر تہہ خانے سے تیزی سے باہر نکل آیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے پوری حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سہیل اپنے باپ کو آگ سے بچاتے ہوئے بڑی مشکل سے حویلی سے باہر لے آیا۔ حویلی کے باہر لوگوں کا بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ سہیل کو دیکھتے ہی اکبر آگے بڑھا۔

"یہ میرے والد صاحب ہیں اکبر! تم انہیں سنبھالو۔" سہیل یہ کہہ کر پھر حویلی کی طرف لپکا مگر اکبر نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"اندر مت جاؤ سہیل! آگ بری طرح پھیل چکی ہے۔" اکبر بولا۔

"نہیں...... ابھی فرزانہ اندر ہی ہے۔" یہ کہتے ہی سہیل جلتی ہوئی حویلی میں گھس گیا اور فرزانہ کو آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے دیکھا چوہدری ملک دین کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل ہے اور دوسرے ہاتھ سے فرزانہ کی کلائی پکڑی ہوئی ہے۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی...... اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہی تھی...... سہیل کو دیکھتے ہی چوہدری ملک دین نے فرزانہ کو چھوڑ دیا اور مشعل سے سہیل پر حملہ کردیا۔ سہیل نے جھکائی دے کر اس کا حملہ ناکام بنادیا۔ اس سے پہلے کہ چوہدری ملک دین دوسرا حملہ کرتا ایک جلتا ہوا شہتیر اس پر آن گرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے چوہدری ملک دین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا......

چند لمحوں بعد چوہدری ملک دین کی آخری اور بڑی بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ فرزانہ چیختی ہوئی چوہدری ملک دین کی طرف لپکی...... مگر سہیل نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ فرزانہ بے ہوش ہو کر سہیل کے بازوؤں میں جھول گئی۔ سہیل نے اسے اپنے کندھے پر اٹھایا اور حویلی سے باہر کی طرف بھاگا۔ گو تنے کا بھی کوئی پتہ نہ چلا وہ بھی شاید چوہدری ملک دین کی طرح آگ میں جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگیا تھا۔

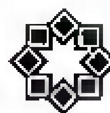
● ● ●

آج بیگم انجم آرا کے گھر پر رونق لگی ہوئی تھی۔ آج ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی چوہدری ملک دین کی بیٹی فرزانہ کے ساتھ ہو رہی تھی۔ عدالت نے جوہری رضوان منیر کو چوہدری ملک دین کی بیوی کے قتل کے الزام سے باعزت بری کر دیا تھا۔ بیگم انجم آرا کو بیس سال بعد آج حقیقی خوشیاں نصیب ہوئی تھیں۔ مگر جوہری رضوان منیر کو افسوس تھا کہ جس ہیرے کی خاطر اس نے بیس برس قید تنہائی میں گزارے وہ چوہدری ملک کی حویلی کے ساتھ ہی جل کر خاک ہوگیا۔

● ●



جناب عرض ہے



بارہ عورتیں بارہ کہانیاں

دکھی مرد و خواتین کی سچی آپ بیتیاں شائع کرنے والا پہلا میگزین

عنقریب اپنی اشاعت کا آغاز کر رہا ہے۔ قارئین و نیوز ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں



وہ مرد و خواتین جو اپنی یا اپنے ارد گرد کی سچی' اچھوتی' معاشرتی آپ بیتیاں جو آپ لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا جسے آپ زبان پر نہیں لاسکتے یا کسی سے کہہ نہیں سکتے یا آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں پر لکھ نہیں پارہے یا آپ دوسرے رسائل و ڈائجسٹ سے تنگ آچکے ہیں، وہ پریشان نہ ہوں اب انتظار کی گھڑیاں ختم کیونکہ اب "بارہ عورتیں بارہ کہانیاں" کے صفحات آپ کی تحریروں کے منتظر ہیں۔

آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ شکریہ

اس میگزین میں آپ مختصر واقعات' اپنی ڈائری کے قیمتی اوراق' پیغامات'
پسندیدہ اشعار' غزلیں' نظمیں' اقوال زریں' ٹوٹکے اور بیوٹی ٹپس بھی شائع کرواسکتے ہیں

صرف 10 عدد میگزین کی خریداری کے بعد آپ اپنی آپ بیتی شائع کرواسکتے ہیں

رابطہ و خط و کتابت کے لیے۔ بارہ عورتیں بارہ کہانیاں۔ 29 جلال الدین بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
موبائل نمبر 0314-4008530



حج اسلام کا عظیم الشان اجتماع

تحریر...... فدا شاہین بھٹی

اسلام کی جتنی عبادات ہیں وہ سب کی سب اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہیں۔ ایک اجتماعی دوسرا انفرادی یعنی ان کے کچھ پہلو تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے ہوتے ہیں اور کچھ پہلو ایسے ہوتے ہیں جن سے ہر مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں فیض یاب ہوتا ہے۔ حج وہ عبادت ہے جس میں یہ دونوں پہلو بہت نمایاں طور پر اپنے وجود کا اظہار کرتے ہیں۔

ذرا اس نقشہ کو تھوڑی دیر کے لیے نگاہ تصور کے سامنے لے آیئے ہر ملک ہر علاقہ اور ہر خطہ کے لوگ اللہ کے گھر پہنچ رہے ہیں۔ کوئی گورا ہے کوئی کالا کسی کی زبان عربی ہے کسی کی فارسی، کسی کی اردو ہے کسی کی انگریزی، کسی کی پنجابی ہے تو کسی کی پشتو یا اپنے علاقوں میں یہ جو بھی زبان بولتے ہیں۔ مگر یہاں ان کی زبانوں پر "لبیک اللھم لبیک" کا ورد ہے۔ وطن کے اعتبار سے یہ جہاں کے بھی باشندے ہوں مگر ان سب کا مرکز ان کا نقطہ اجتماع ان کا قبلہ ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ اللہ کا گھر ہے۔ یوں مسلمانوں کو ہر سال یہ سبق یاد دلایا جاتا ہے کہ رنگ و نسل یا زبان اور وطن سے قومیں تشکیل نہیں پاتیں اصل تعلق خدا اور اللہ تعالیٰ کے دین کا تعلق ہے اور انہیں ان امتیازات باطلہ کے چکر میں ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

حج کی عبادت دنیا بھر کے مسلمانوں کو سال کے سال یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین سے کھنچ کر اور ایک مقام پر جمع ہو کر اپنے مسائل اور مشکلات کا جائزہ لیں اور انہیں دور کرنے کے طریقے سوچیں۔ یہ اس عبادت کا ایک بے نظیر اجتماعی پہلو ہے جس کا خاطر خواہ فائدہ بدقسمتی سے ہم ابھی تک نہیں اٹھا سکے۔

حج ان اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انفرادی اصلاح و فلاح کا بھی ضامن ہے اسے صرف مسلمانوں کی ایک عالمی سیاسی کانفرنس نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر یہی مقصود ہوتا تو حج صرف اہل علم و بصیرت اور ہر علاقہ کے سربراہ اور صاحب اثر مسلمان پر ہی فرض کیا جاتا اور ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم نہ ہوتا۔ کانفرنسوں میں مشاورت کے لیے فقط اہل

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے
لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ — سورۃ الاحزاب

and the Day of Resurrection, and remembers



WWW.PAKSOCIETY.COM

افرادی اصحاب کی [illegible] ہوتی ہے [illegible]
ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حج کے لیے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادت جہاں بعض اجتماعی پہلو رکھتی ہے وہاں ایک فرد کی نجات کے لیے بھی نہایت اہم حیثیت کی حامل ہے۔ اس کا یہی پہلو ہے جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جس نے اللہ کے لیے حج کیا اس حالت میں کہ نہ اس نے فحش بات کی' نہ خدا کی نافرمانی کی وہ ایسے لوٹا جیسے اپنی پیدائش کے وقت تھا۔"

ایک اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جب عرفہ کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرشتوں سے بطور فخر کہتے ہیں۔

دیکھو! یہ میرے بندے بکھرے بال' گرد میں اٹے ہوئے دور دور سے آتے ہیں۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے انہیں بخش دیا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں۔

اے اللہ! فلاں شخص گناہگار ہے۔ فلاں عورت گناہگار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں۔

بے شک میں نے انہیں معاف کر دیا۔

تو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کوئی دن عرفہ کے دن سے زیادہ نجات دلانے والا نہیں ہے۔"

انفرادی حیثیت سے اس کی اہمیت کا عالم یہ ہے

[illegible] حج کے ارادے سے نکلا اور وفات پا گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن اس کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔ وہ بغیر پوچھے جنت میں داخل کیا جائے گا۔"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ۔

"جو شخص حج کے لیے جاتے ہوئے راستے میں وفات پا جائے قیامت تک اس کے حساب میں حج کا ثواب لکھا جائے گا۔" (ترغیب)

اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ نے استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص زاد راہ اور سواری کے ہوتے ہوئے حج نہیں کرتا تو اس میں کوئی فرق نہیں وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔" (مشکوٰۃ)

استطاعت کے حصول کے بعد حج میں جلدی کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

"حج کا ارادہ کرنے والوں کو عجلت سے کام لینا چاہیے۔" (ابوداؤد)

اسی بناء پر فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس شخص کے نامہ اعمال میں (حج) کرنے سے پہلے برابر گناہ لکھا جاتا رہتا ہے۔ جو استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر روا رکھتا ہے۔

بخشش کا ذریعہ

خیر و برکت اور بخشش و مغفرت کے اس انفرادی پہلو کے علاوہ حج کرنے والوں کی یہ سعادت بھی کتنی قابل رشک ہے کہ انہیں روئے زمین پر خدا کے اس پہلے گھر کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے جس میں

ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ جس پر محض نظر ڈال لینا بھی کتنی بڑی عبادت ہے کہ بقول حضرت عطائ تابعیؒ۔

''بیت اللہ پر ایک نظر ڈال لینا بھی ایک سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے۔''

پھر مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ میں روضہ الرسول ﷺ پر حاضر ہونے والوں کی خوش بختی کا اندازہ کیجیے کہ وہ سلام عرض کرتے ہیں اور احادیث میں آتا ہے کہ۔

''جو شخص مجھ پر سلام و درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میرے پاس پہنچا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' (ابوداؤد)

روضہ اقدس کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

''جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی یہ ایسا ہے کہ جیسا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

حج بیت اللہ کو ارکان اسلام میں عظیم تر مقام حاصل ہے کیونکہ اس فریضہ کی ادائیگی میں عبادت کے وہ تمام گوشے جو الگ الگ دوسری عبادتوں میں موجود تھے اس میں نہ صرف یکجا ہو گئے ہیں۔ بلکہ اپنے کمال تک جا پہنچے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب ان بتوں سے اپنی برأت اور بےزاری کا اعلان کیا جو انسان میں تفریق اور باہمی دشمنی کا باعث بنے ہوئے تھے اور انسانوں کو خدا کی توحید کے پرچم تلے متحد ہو کر کام کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ اجتماعی صورت میں اپنے روحانی اور مادی فوائد حاصل کر سکیں تو اس دعوت کے لیے اللہ نے اپنے گھر کو مخصوص مرکز بنایا اور اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ دنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دیجیے کہ وہ قریب و بعید سے چل کر یہاں آئیں اور اس خدائے بزرگ و برتر کے آگے اپنی جبینیں خم کریں جو ایک ہے جس کا کوئی ساتھی اور شریک نہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ۔

''آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیے۔''

آیت پاک کا سیاق و سباق واضح کرتا ہے کہ حج کا تعلق خاص طور پر توحید خالص سے ہے اور یہ کہ حج اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی توحید کو نکھارنے کے لیے تمام انسانوں کو ان کی بھلائی کے لیے ایک صف میں لا کھڑا کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔

حج انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے اس کے لفظی معنی وارادہ کے ہیں اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد و ارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں جا کر وہاں حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر مخصوص اعمال و آداب بجالانے کا نام ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ سے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ انسانی جماعت کی ابتدائی شکل خاندان اور خانوادہ کی صورت میں تھی اس سے آگے بڑھی تو چند خیموں اور جھونپڑوں کی ایک مختصری آبادی بنی پھر وہ شہر کی صورت میں منتقل ہوئی۔ اس سے ترقی کر کے

اس نے ایک قوم اور ایک ملک کا قالب اختیار کیا اور وہ بالآخر تمام دنیا پر چھا گئی۔ مکہ مکرمہ اس انسانی ترقی کے تمام مدارج اور مراتب کی ایک مربوط تاریخ ہے۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مرکز بنا۔ پھر حضرت اسماعیل کے زمانے میں وہ چند خیموں اور جھونپڑوں کی مختصر سی آبادی کی صورت میں ظاہر ہوا پھر رفتہ رفتہ اس نے عرب کے ایک مذہبی شہر کی جگہ حاصل کرلی اور نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بعد وہ اسلامی دنیا کا دینی مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیم کا دستور تھا کہ جہاں کہیں ان کو روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنالیتے تھے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں ان کی تین قربان گاہوں یا خدا کا گھر بنانے کے واقعات کا ذکر ہے۔ اسی قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور موسیٰ نے بھی بنائے اور آخر کار حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر کی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہیں اور اللہ کا گھر بنانے کا دستور عام تھا اور اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں [illegible] ابراہیم کے نام سے آج تک قائم ہے اور [illegible] کی نسبت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا پہلا گھر ہے۔

قدیم زبانوں کے بعض محققین کے نزدیک مکہ بابلی یا عبرانی لفظ ہے جس کے معنی گھر کے ہیں۔ اس سے دو باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس وقت اس آبادی کی داغ بیل پڑی جب بابل وکلدان کے قافلے اس طرف سے گزرتے تھے اور یہ کہ اس کی ابراہیمی نسبت کی ایک اور لغوی دلیل ہے۔ دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی آبادی اسی گھر کے تعلق سے وجود میں آئی اور یہ اس خانہ کعبہ کی قدامت تقدس اور اہل عرب کی روایات کی صحت پر ٹھوس دلیل ہے۔ زبور میں مکہ کا نام بکہ نظر آتا ہے۔ قدیم شامی زبان میں بک کے معنی آبادی یا شہر کے ہیں۔ جیسا کہ شام کے ایک قدیم شہر کا نام بعلبک ہے یعنی بعل کا شہر (بعل ایک دیوتا کا نام ہے) یہ اس آبادی کی قدامت کی دوسری لغوی شہادت ہے اور کعبہ کی ابتدائی تعمیر کے وقت بکہ نام قرآن مجید میں مذکور ہے۔

"کعبہ کے لغوی معنی چوکھونٹے کے ہیں چونکہ یہ گھر چوکھونٹا بنا تھا اور آج بھی اسی طرح ہے اس لیے کعبہ کے نام سے ہی مشہور ہے۔"

حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کی قربانی کا جو خواب دیکھا اور اس پر لبیک کہا تھا اور جس کی تکمیل کے لیے وہ اس دور دراز مقام میں آئے تھے اور عین اس وقت جب چھری لے کر بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا اور بیٹے نے بھی خدا کا حکم سن کر گردن جھکا دی تھی تو آواز آئی یعنی کہ

"اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور ایک بڑی قربانی دے کر ہم نے اس کے بیٹے کو چھڑا لیا۔"

(سورۃ صافات آیت نمبر 104-105-107)

اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر بیٹے کو خدا کے گھر کی خدمت اور تبلیغ کی دعوت کے

لیے مخصوص کر دینا اور اس کے ذریعے اس گھر کو کرہ ارض پر خدا پرستی کا مرکز بنانا ہے۔

"اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور امن کا مرکز بنایا اور کہا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کا طواف کرنے والوں قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔"

(سورۂ بقرہ آیت نمبر 125)

"اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ کو ٹھکانہ بنایا کہ کسی کو میرا ساتھی نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف اور قیام اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر۔"

(سورۂ حج آیت نمبر 26)

"اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے یہ دعا کی اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھ کو میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ میرے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔"

(سورۂ ابراہیم آیت نمبر 35)

ان قرآنی آیات میں وضاحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم خلیل اللہ کو بت پرست اور ستارہ پرست قوموں اور ملکوں سے بچا کر جن میں وہ پریشان اور سرگرداں پھر رہے تھے اور امن و سلامتی کے ایک سنسان مقام کی تلاش میں تھے۔ تاکہ اس میں خدائے واحد کی پرستش کے لیے ایک گھر بنائیں یہ ٹھکانہ عطا کیا۔ جو ازل سے اس کام کے لیے منتخب تھا۔ تاکہ وہ یہاں خدا کے گھر کی چار دیواری کھڑی کریں اور پھر اس کو توحید کا مرکز اور عبادت کرنے والوں کا مسکن بنائیں۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس گھر اور مقام میں حضرت ابراہیمؑ کی بہت سی یادگاریں اور نشانیاں ہیں۔ ان کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور قربانی کا مقام ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ قریب و بعید سے یہاں آئیں اور دینی و دنیاوی فائدے حاصل کریں۔ اس قدیم خانہ خدا کا طواف کریں۔ حضرت اسماعیلؑ کی یادگار میں قربانی کر کے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ اپنی نذریں پوری کریں۔ یہاں پہنچ کر وہ امن و سلامتی کے مجسم پیکر ہوں۔ نہ کسی پر ہتھیار اٹھائیں نہ کسی کو تکلیف پہنچائیں۔ حتیٰ کہ ایک معمولی اور حقیر جانور تک کو مارنے کا ارادہ نہ کریں۔ ظاہری زیبائش و آرائش، راحت و آرام اور پُرتکلف مصنوعی زندگی ترک کر کے ابراہیمی طریقے پر خدا کو یاد کریں۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے خاص عالم میں حاضری، حضرت ابراہیمؑ کی طرح خدا کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس قربانی کی روح کو زندہ کرنا ہے۔ یعنی برگزیدہ پیغمبروں کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تسلیم و رضا اور اطاعت کے ساتھ گردن جھکا دینا اور اللہ سے کیے گئے عہد و پیماں کو اسی طرح بجا لانا جس طرح ہزاروں سال پہلے وہ بجا لائے تھے۔ یہی ملت ابراہیمی کی پہچان اور یہی حقیقی اسلام ہے۔ یہی وہ باطنی احساس اور جذبہ ہے جس کی حاجی صاحبان، حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی طرح اپنی جان خدا کے حضور میں لے جاتے ہیں۔ جب

تک خدا کے حضور میں [illegible]
منڈواتے ہیں نہ خوشبو لگاتے ہیں نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں نہ سر ڈھانپتے ہیں دنیاوی راحت و آرام اور تکلیف سے الگ رہتے ہیں اور اسی والہانہ انداز سے خدا کے گھر میں آتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ تین دن کے پیدل سفر کے بعد گرد و غبار میں اٹے ہوئے آئے تھے اور جس طرح ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی پکار پہ لبیک کہا تھا۔ وہی ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔

ترجمہ۔

''میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ انتہائی تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہیں۔ حکومت بھی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔''

توحید کی یہ صدا ان تمام مقامات میں بلند کرتے پھرتے ہیں جہاں جہاں ان دونوں جلیل القدر بزرگوں کے نقش قدم پڑے تھے۔ جہاں سے جہاں تک حضرت ہاجرہؑ دوڑ کر گئی تھیں۔ صفا اور مروہ تک ہم بھی وہاں دوڑتے ہیں' دعا کرتے ہیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں جمع ہو کر آئندہ زندگی کے لیے خدا کی عبودیت اور اطاعت کا عہد و پیماں باندھتے ہیں اور یہی حقیقت میں حج کا اصل رکن ہے۔

مسجد نبویؐ میں حاضری

مدینہ منورہ ابھی کئی میل دور ہوتا ہے کہ نگاہ گنبد خضرا پر پڑتی ہے۔ اس وقت عشاق کے قلب کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی اسی وقت ہدیہ

[illegible] ﷺ پیش کرنا چاہیے ہیں۔ مدینہ میں داخلہ ہو تو پورے ادب و احترام سے ہونا چاہیے۔

حضرت امام مالکؒ کا عمل تو یہ تھا کہ آپ ہمیشہ جوتا اتار کر مدینہ پاک کے کوچہ و بازار میں چلتے تھے کہ مبادا پاؤں کہیں ایسی جگہ پڑ جائے جہاں سرکارؐ قدم رکھ چکے ہوں۔ مگر یہ محبت کی بات ہے۔ شریعت میں ضرورت نہیں۔ تاہم جس قدر احترام ممکن ہو بجالانا چاہیے۔

سامان وغیرہ رکھ کر غسل کر کے صاف کپڑے پہن لینے چاہئیں اور اگر ایسی تھکان ہو جس کی وجہ سے خشوع و خضوع میں کمی کا خطرہ ہو تو تھوڑا سا وقت آرام میں گزارنا چاہیے اور پھر باب جبرائیلؑ سے مسجد نبویؐ میں دایاں پاؤں پہلے رکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

ترجمہ۔

''اے اللہ! صلوٰۃ و سلام بھیج محمدؐ اور آپؐ کی آل پر۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

مسجد نبویؐ میں داخلہ کے ریاض الجنۃ میں دو رکعت نفل ادا کرے۔ ریاض الجنۃ میں رسول کریمؐ کے منبر اور روضہ اقدس کے درمیان کی جگہ ہے اور اس کے بارے میں خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

یعنی یہی مقام جنت میں بھی ہوگا۔ یہاں نماز پڑھنے والے جنت میں جائیں گے اور چونکہ یہ جنت

نکالا جاتا ہے اس لیے اس میں ایک مرتبہ داخل ہونے والا پھر اس میں سے نکلے گا نہیں کہ جنت میں داخلے کے بعد اس سے خراج کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ریاض الجنۃ میں جگہ نہ ملے تو مسجد نبویؐ میں کہیں بھی نماز ادا کرے۔ یہ موقع مدینہ منورہ میں قیام کے دوران پھر کسی دوسرے وقت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ازاں بعد مواجہ شریف کے سامنے آ کر اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ رسول کریم ﷺ سن بھی رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں، ادب سے درود و سلام عرض کرے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آرام فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں بھی سلام عرض کرے۔

مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے کی بے پناہ فضیلت ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق اس میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں سے زیادہ ہے۔ مگر ابن ماجہ میں ایک نماز کے لیے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب بتایا گیا ہے۔ یہ روایات بظاہر ایک دوسرے سے متضاد نظر آتی ہیں۔ لیکن دیکھا جائے تو ان میں کوئی تخالف و تصادم نہیں کیونکہ بخاری اور مسلم میں ایک ہزار نمازوں سے اوپر ثواب کے خلاف کچھ مذکور نہیں۔

احادیث میں بھی آتا ہے کہ مسجد نبویؐ میں ایک نماز جمعہ ادا کرنے پر دوسرے مقامات پر ایک ہزار نماز جمعہ ادا کرنے سے افضل ہے۔ اسی طرح یہاں کے روزے بھی دوسرے مقامات سے ایک ہزار گنا افضل ہیں۔

مجبوریاں

ملک علی رضا

"چل ری اسما! تیار ہو کر آ جا جلدی سے بیٹھک لگ گئی ہے۔"

"اماں! آج تو منع کر دے میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"ہائے ہائے کمبخت ماری کیوں منع کر دوں..... پگلا گئی ہے کیا تو نے آج ناچ گانا نہ کیا تو رات کو کھانے میں کیا پتھر جانے گی...... چل اٹھ منحوس یہ سر درد کے تیرے سارے بہانے میں جانتی ہوں۔ جلدی آ جا بیٹھک میں، میں انتظار کر رہی ہوں اور سن وہ لال جوڑا پہن لینا آج خاں صاحب آئے ہیں۔ پتہ ہے نا ان کا وہی لمبی کار والے۔ جنہوں نے پچھلے ہفتے سو سو والے نوٹ برسائے تھے۔" یہ کہہ کر سفید بالوں والی بڑھیا پان چباتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اسماء نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ سر واقعی بہت درد کر رہا تھا کل رات بھی بہت دیر تک بیٹھک سجی رہی تھی۔ اماں کے ایک پرانے واقف کار اپنے چند دوستوں کے ساتھ آئے تھے اور صبح چار بجے تک پاؤں تھکنے بند ہوئے تھے۔ اسماء آج بالکل جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ پر اماں کے ڈر سے چار و ناچار اٹھی باہر صحن میں لگے نلکے سے پانی کی بالٹی

نے دل میں سوچا اور منہ دھو کر اندر آ گئی۔ کمرے کے ایک کونے میں رکھے پرانی طرز کے سنگھار میز کے سامنے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ یکا یک اس کی نظر اپنے چہرے پر چلی گئی اور وہ چونک سی گئی۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ آئینہ جیسے اسے کوئی اجنبی سا چہرہ دکھا رہا تھا۔ کتنی بدل گئی تھی وہ۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اپنا ہی چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔ مرجھائے ہوئے گال اندر دھنسی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑ گئے تھے۔ خود کو اس نے غور سے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے اور وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے پہلے بھی کئی مرتبہ خود کو آئینے میں دیکھا تھا۔ پر آج تو آئینے نے جیسے حقیقت دکھانے کی قسم کھا لی تھی۔ اسماء کی سوچ پر ماضی کی گہری دھند چھانے لگی۔

وہ کسی فلمی گانے پر دل جمعی سے رقص کر رہی تھی۔ گھر میں سارا وقت ان ہی گانوں کا راج رہتا تھا۔ رضیہ باجی کو دیکھ دیکھ کر اس کے دل میں بھی ہلچل ہوتی تھی۔ ان کی طرح گھنگرو باندھے رقص کرنے

رضیہ باجی سعدیہ باجی اسے ڈانٹا کرتی تھیں کہ



WWW.PAKSOCIETY.COM

کہتی کہ۔

”آپ بھی تو ناچتی ہیں پھر مجھے کیوں منع کرتی ہیں؟“ وہ دونوں گھور کر دیکھتیں اور پھر رضیہ باجی ایک فقرہ کہتی۔

”جب پیٹ کو پڑے لات نکل جاوے سارے ٹھاٹھ۔“ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس کا کیا مطلب ہے......؟ پر رات کو جب دونوں باجیاں اندر بیٹھک میں ناچ رہی ہوتیں تو وہ بھی چپ چپ کر ان ہی گانوں پر رقص کرتی اور آئینے میں خود کو دیکھ کر خوش ہوتی۔

ایک دن اماں کسی کام سے اندر آئی تو وہ ناچنے میں مگن تھی۔ اماں دروازے پر کھڑی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ جب گانا ختم ہوا تو وہ اماں کو دروازے میں دیکھ کر چونک گئی۔ پر اماں نے اسے کچھ نہ کہا اور اس کی بلائیں لیتی چلی گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ باجیاں تو ہمیشہ اسے ٹوکتی رہتی ہیں پر اماں نے کیوں نہ کچھ کہا......

دن گزر رہے تھے۔ اس کے ناچ میں پختگی آتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دن سعدیہ باجی تیار ہو رہی تھیں' بیٹھک میں جانے کے لیے۔ تو پتہ نہیں انہیں کیا ہوا۔ ان کا جی متلانے لگا وہ صحن میں ٹونٹی کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور قے کر دی۔ ہائے اللہ! سعدیہ باجی نے تو لال الٹی کی تھی۔ خون والی اور ایک نہیں دو تین' پھر وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ایمبولنس آئی۔ انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ وہ ان کا آخری لمحہ تھا جب میں نے سعدیہ باجی کو زندہ دیکھا تھا۔ پھر ہسپتال سے دو گھنٹے بعد اسی ایمبولینس میں سعدیہ باجی کی لاش واپس آ گئی۔ پتہ نہیں کس بات کا خبر ملی کہ انہیں کینسر تھا۔ بڑا پرانا......اماں کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ اس کی اور رضیہ باجی کی آنکھوں میں آنسو تھے' ضبط کیے آنسو سلطان ہوٹل والا' مجاہد موچی' وقار ریڑھی والا اور مراد پان والا جنازہ لے گئے تھے۔ گھر میں کوئی رسم نہیں ہوئی تھی۔ وہ چپ تھی' رضیہ باجی چپ تھیں۔ صحن میں بندھی لاڈلی بکری چپ تھی۔ برآمدے میں رکھے پنجرے میں سعدیہ باجی کا پیارا طوطا بھی کچھ نہ بولا اور پھر دو دن بعد بیٹھک پھر سے سج گئی۔ فرق اتنا پڑا تھا کہ اب رضیہ باجی اکیلی ناچتی تھی۔ اسماء کے ذہن سے آہستہ آہستہ سعدیہ باجی کی موت کا اثر ختم ہو گیا۔ گھر میں کسی نے پھر سعدیہ باجی کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ وہ اب ناچ میں ماہر ہو گئی تھی۔ ہر گانے پر ادا سے ناچنا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔ اماں کے سامنے بھی دل کھول کر ناچتی اور اماں اسے داد دیتی تھی۔ اس نے رضیہ باجی سے کبھی اپنے ناچ کا ذکر نہ کیا۔ وہ صرف تب ناچتی تھی جب رضیہ باتو بیٹھک میں ہوتی یا پھر گھر سے باہر۔

پھر ایک دن اس نے رضیہ باجی کو صحن میں فرش پر بیٹھے دیکھا۔ او......او......خ خ......اوخ......اوخ' لال الٹی......سعدیہ باجی جیسی لال الٹی تھی۔ پھر سب کچھ وہی ہوا۔ ایمبولنس آئی رضیہ باجی کو ہسپتال لے جایا گیا۔ رضیہ باجی بھی زندہ واپس نہ آئیں۔ انہیں بھی کینسر تھا نہ جانے کب سے......وہی سلطان ہوٹل والا' مجاہد موچی' وقار ریڑھی والا اور مراد پان والا ایک بار پھر آئے اور چپ چاپ جنازہ لے گئے تھے۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ بس روتی رہی......بہت روئی......

جی بھر کر روئی۔ صحن میں بندھی بکری بھی نہ ممیائی' برآمدے میں پڑے پنجرے میں رکھا طوطا بھی سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

دو دن بعد اماں کمرے میں آئی۔ وہ پلنگ پر گھٹنوں میں سر دیے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اماں نے آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"اٹھ تیار ہو جاؤ بیٹھک سج گئی ہے اسماء! مہمان انتظار کر رہے ہیں۔"

"پر اماں! میں...... وہاں کیسے ناچوں گی......؟ میں تو کبھی وہاں گئی ہی نہیں۔" وہ بولی۔

"پہلے نہیں گئی اب تو جا رہی ہے ناں۔" اماں بولی۔

"پر اماں! میں وہاں نہیں ناچوں گی مجھے شرم آتی ہے۔ میں تو اپنا دل بہلانے کو ناچ لیتی تھی۔ اماں! تو مجھے وہاں مت بھیج۔"

"ہائے ہائے کیسی شرم......؟ اور کیا کہا تم نے ناچے گی نہیں۔ اری ناچے گی نہیں تو کھائے گی کہاں سے بول......؟ ایک وقت کی روٹی کے پیسے نہیں ہیں اپنے پاس...... چل اٹھ جلدی سے تیار ہو جا۔" اماں کا لہجہ سپاٹ اور آواز تیز ہو گئی۔ ایسا لہجہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ ورنہ تو اماں اسے بہت پیار سے بلاتی تھی۔

وہ کچھ سہم گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی آئینے کے سامنے آ گئی۔ تیار ہوتے ہوئے رضیہ باجی کا کہا ہوا فقرہ یاد آیا۔

"جب پیٹ کو پڑے لالے نکل جاوے سارے ٹھاٹھ۔" اب اسے سمجھ آ گیا تھا کہ جب وہ ناچنے کی ضد کیا کرتی تھی تو باجیاں اس کو کیوں روکتی تھیں۔ اب بیٹھک کی زینت صرف وہ تھی۔ اسے ادائیں بھی آ گئی تھیں۔ خوب نوٹ نچھاور ہونے...... پر وہ دل سے ہمیشہ ناخوش رہتی تھی۔ اسے رضیہ باجی سعدیہ باجی کی لال الٹی اور موت اکثر یاد آتی۔ پر وہ اماں کے سامنے مجبور تھی۔ اکثر گھر سے باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ اسے گھن آتی تھی اپنے آپ سے اور اپنے کام سے۔ پر اس کا بس نہ چلتا تھا۔ وہ بکری اور طوطے سے باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی۔

"اری اسماء! کہاں مر گئی' جلدی دفع ہو ادھر۔" بیٹھک کی طرف سے اماں کی تیز غصیلی آواز نے اس کے ذہن پر چھائے خیالات کی دھند کو صاف کر دیا۔ پر اس کا ذہن کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر وہ یکایک کسی فیصلے پر پہنچ گئی۔ بس اب وہ مزید یہ کام نہیں کرے گی...... خود کو مزید اذیت نہیں دے گی...... کہیں برتن کپڑے دھو لے گی...... سوکھی کھا لے گی...... پر اپنا آپ نہیں مارے گی۔ اس نے جلدی سے پلنگ کے ایک کونے میں پھنسے ہوئے شاپر میں اپنے دو جوڑے رکھے۔ اماں کے ڈبے سے چند پیسے اٹھائے اور بڑی سی چادر لپیٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے میں پڑے پنجرے کے قریب جا کر سعدیہ باجی کے طوطے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ طوطا پرسکون تھا۔ صحن کے ایک کونے میں بکری لنڈے کی جرسی پہنے دبکی بیٹھی تھی۔ اسماء نے اس کے قریب جا کر اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ بکری بھی پرسکون اور چپ تھی۔ اسماء نم آنکھیں لیے بیرونی دروازے سے باہر نکل کر تاریک گلی میں پڑتی دھند میں گم ہو گئی۔

☆☆

"یہ بے زبان ضرور ہوتا ہے" ۔ گجر سنگھ نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"لیکن بے عقل نہیں ہے۔ خاص طور پر کتوں کی جس نسل سے یہ ہے وہ اپنی ذہانت کے لیے مشہور ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ناگ کے مرنے پر ناگن انتقام لیتی ہے اسی طرح اس نے سھناواس سے اپنے مالک کا انتقام لیا ہے

حیوانی انتقام

محمد رضوان قیوم

رستم کی زندگی سے لپٹی یہ سچی کہانی اپنے اندر ایک جہان حیرت لیے ہوئے ہے۔ رستم علی اس وقت لگ بھگ 90 برس کے ہیں لیکن اس ڈھلتی عمر میں بھی حیرت انگیز طور پر ان کی صحت کافی اچھی ہے۔ ان کے حواس پوری طرح کام کرتے ہیں اور اس عمر میں بھی وہ لاٹھی کے سہارے کے بغیر چلتے ہیں اور بغیر عینک کے اخبار پڑھتے ہیں۔ ایک روز جانوروں کی نفسیات پر بات ہو رہی تھی۔ کسی نے کہا۔
"بلی گھر کی وفادار ہوتی ہے اور کتا مالک کا...... گھر کے مکین گھر چھوڑ کر چلیں جائیں تو بلی ان کے ساتھ نہیں جاتی بلکہ گھر میں ہی رہتی ہے اس کے برعکس کتا کبھی مالک کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وفاداری نبھاتا ہے چاہے اس کو اپنی جان بھی کیوں نہ دینی پڑے۔" یہ بات سن کر رستم علی صاحب نے بتایا کہ۔
"ان کو کتے کی وفاداری کا ایک واقعہ یاد آ گیا جس میں ایک بے زبان کتیا نے اپنے مالک سے وفاداری کا ایسا بے مثال مظاہرہ کیا کہ عقل دنگ رہ گئی۔"

محترم رستم علی صاحب قیام پاکستان سے پہلے پولیس میں ملازم تھے۔ یہ واقعہ ایک قتل کی تفتیش کے دوران پیش آیا تھا۔ انہوں نے بڑی ہی لمبی بات سنادی۔ میں اس دلچسپ کہانی کو محترم رستم علی صاحب کی زبانی اپنی تحریر میں پیش کر رہا ہوں......

میں بٹالہ کے ایک پسماندہ گاؤں کے ایک متوسط گھر میں پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب پنجاب پولیس میں کلرک تھے۔ اس زمانے میں ان کی تنخواہ 130 روپے تھی جبکہ ہمارے گھر میں کھانے والے 9 افراد تھے۔ ماں باپ اور سات بہن بھائی۔ بہنیں بڑی تھیں اور شادی کی عمر کو پہنچ رہی تھیں۔ دو بہنوں کے بعد تیسرے نمبر پر میں تھا۔ ہمارا گزارا بڑی مشکل سے کھینچ تان کر ہوتا تھا۔ میں ان دنوں 9TH کلاس میں پڑھتا تھا۔ والد صاحب کو مجھ سے بڑی امیدیں تھیں کہ میں پڑھ لکھ کر افسر بنوں اور گھر کی تقدیر بدل ڈالوں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ والد صاحب



کو دفتر میں بیٹھے بیٹھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ ان کو ہسپتال پہنچا دیا گیا لیکن ان کا وقت آ چکا تھا اس لیے وہ جاں بر نہ ہو سکے۔

ہمارے ہنستے بستے گھر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی یوں لگا جیسے سر سے آسمان ہٹ گیا ہو۔ اس موقع پر کچھ ہمدردوں نے مجھے سمجھایا کہ۔

"محکمے کے بڑے افسر کے سامنے پیش ہو جاؤں اور اپنے باپ کی جگہ نوکری کیلئے درخواست پیش کروں۔" میں نے ایسا ہی کیا۔

میں اس وقت برٹش قانون کے مطابق نوکری کیلئے عمر اور تعلیم کے لحاظ سے کم عمر اور کم تعلیم یافتہ تھا لیکن افسر بڑا رحم دل اور ہمدرد تھا اس نے اپنے اختیارات استعمال کر کے مجھے خصوصی رعایت دے کر پنجاب پولیس میں بطور کانسٹیبل بھرتی کر لیا۔ تین ماہ کی ٹریننگ کے بعد مجھے لاہور پولیس ہیڈ کوارٹر سے آرڈر آیا کہ میں فوراً راجہ بازار راولپنڈی شہر کے بڑے تھانے میں اپنی جوائننگ رپورٹ دوں۔

کہاں بٹالہ اور کہاں راولپنڈی! میری بیوہ ماں جہاں اس نوکری سے خوش تھی وہاں اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ میں انجان شہر میں کیسے رہوں گا۔ اس زمانے میں ہمارے ہاں یہ مشہور تھا کہ راولپنڈی میں جان لیوا سردی پڑتی ہے اور میں اس سخت سردی کو کیسے برداشت کروں گا۔

بہرحال نئی نئی نوکری کا معاملہ تھا۔ اس زمانے میں سرکاری نوکری ملتی کہاں تھی۔ کسی مسلمان کے لئے تو سرکاری نوکری بڑے اعزاز کا باعث تھی۔ محلے کے بزرگوں، دوست احباب اور رشتہ داروں نے مجھے مشورہ دیا کہ۔

"میں یہ موقع ضائع نہ کروں اور راولپنڈی چلا جاؤں۔" میں اگرچہ زندگی کے اس نئے تجربے سے گھبرایا ہوا تھا لیکن میرے لیے "کرو یا مرو" والا معاملہ تھا۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں بذریعہ ریل گاڑی راولپنڈی پہنچا تھا۔ ٹرین سے اترتے ہی مجھے سخت سردی کا احساس ہوا۔ میں گرم علاقے کا رہنے والا تھا۔ میرے لیے یہ سردی بہت زیادہ تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو ایک چائے والا کھوکھا نظر آیا جہاں گرما گرم چائے بن رہی تھی۔ میں نے سردی سے کانپتے ہوئے اس سے ایک کپ چائے لی اور جلدی جلدی پینے لگا۔ چائے نے بدن کو گرمی پہنچائی تو کچھ سکون ہوا۔

"ابھی سے تمہاری قلفی جم رہی ہے۔" چائے والے نے مذاقاً کہا۔ "فروری دسمبر میں یخ بستہ ہوائیں چلیں گی تو تمہارا کیا بنے گا......؟" اس کی یہ بات سن کر ہی مجھے سردی سے لرزہ چڑھ گیا۔ بہرحال! ایک تانگے میں بیٹھ کر راجہ بازار تھانے کے سامنے اترا تو تھانے کا گیٹ بند تھا جبکہ وہاں کا چوکیدار سنتری ہاتھ میں اس زمانے کی لکڑی کی بندوق تھامے سٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دے کر اٹھایا تو وہ ہڑبڑا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے اوئے......!" اس نے پولیس کے روایتی اکھڑ لہجے میں پوچھا۔ "کون ہے تو......؟"

میں نے اسے اپنا تعارف کرایا تو وہ اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے اٹھا اور گیٹ کھول

کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر چلا گیا۔ تھانے کے اندر کا ماحول انتہائی عجیب و غریب تھا۔ ایک بڑے سے ہال نما کمرے کے سامنے دو تین چھوٹے چھوٹے دفتر نما کمرے بنے تھے۔ دائیں طرف حوالات بنی ہوئی تھی جس میں تین چار حوالاتی پھٹے پرانے کمبل اور چادریں اوڑھے بے سدھ سو رہے تھے۔ دوسری طرف پانچ چھ پولیس والے نیند کے جھونکوں میں نائٹ ڈیوٹی ادا کرنے کی رسم نبھا رہے تھے۔

میں نے سردی سے لرزتے ہوئے تھانے کی بلڈنگ کا جائزہ لیا۔ وہ انتہائی بوسیدہ اور بدحالی کا شکار تھی۔ جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ رنگ روغن اڑ چکا تھا اور دیواروں میں جابجا نظر آنے والی دراڑیں اسے کھنڈر ثابت کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد باہر بیٹھا چوکیدار اندر آیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں میں دبی پہلے سے سلگتی بیڑی مجھے پیش کی جسے میں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

''میرا نام سورج لعل ہے۔'' اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں سنتری ہوں۔''

میں اس وقت اپنی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سورج لعل نے میری یہ حالت دیکھی تو حوالات میں گہری نیند سوئے ایک قیدی کے اوپر سے گرم چادر ایک جھٹکے سے کھینچی اور مجھے دیتے ہوئے بولا۔

''باؤ جی اسے اوڑھ لو۔'' میں نے چادر اس سے لے کر اوڑھ لی۔ چادر سے سخت بدبو اٹھ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے اس میں جوئیں بھی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے چادر کی گرم، راحت کا احساس ہوا تو میں نے چادر اتار پھینکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

''تم یہاں تھوڑی دیر انتظار کرو۔'' سورج لعل نے کہا۔ ''تھانیدار صاحب اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد جب وہ اٹھیں گے تم پیش ہو کر اپنی جوائننگ رپورٹ دے دینا۔ اتنی دیر میں میں تمہارے لیے ناشتے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

سورج لعل ناشتہ لینے چلا گیا اور میں وہیں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ کر تھانیدار کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ میرے علاوہ وہاں سب ملازم سو رہے تھے یا اونگھ رہے تھے۔ میں تھانیدار کے دروازے پر یوں ٹکٹکی لگائے ہوئے تھا جیسے میری نظر ذرا ادھر ادھر ہوئی تو تھانیدار باہر نکل کر غائب ہو جائے گا۔''

تقریباً آدھے گھنٹے بعد تھانیدار کے دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلنے لگا۔ میں تھانیدار کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ دروازہ کھلا تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کمرے سے ایک نہایت خوبصورت لڑکی باہر نکلی اور اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک تھکن انگڑائی لی۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو ٹھٹک گئی پھر مسکرا کر بائیں طرف آنکھ دبا دی اور باہر کو چل پڑی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ، آنکھوں کی سرخی اور ناز و انداز اسے بازاری عورت ثابت کر رہے تھے۔ وہ نشے میں بھی تھی۔

اس فاحشہ کے جانے کے بعد ایک موٹا او رقد آور سیاہی مائل رنگت والا کرخت چہرہ آدمی باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے چہرے کو لمبی گھنی مونچھوں نے خوفناک بنا رکھا تھا۔ وہ بھی لڑکھڑاتا باہر آیا۔ مجھ پر نظر پڑی تو منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک

طرف چلا گیا۔

اتنے میں سنتری بابا ناشتہ لے کر آ گیا۔ گرم گرم چائے اور پراٹھوں نے بہت لطف دیا۔ میں نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ۔

''وہ لڑکی کون تھی جو تھانیدار کے کمرے سے نکل کر گئی ہے......؟''

''اپنے تھانیدار کی رکھیل ہے۔'' سورج لعل نے کہا۔ ''ایس ایچ او گجر سنگھ بڑا سخت مزاج اور غصے والا ہے۔ پکا زانی اور شرابی ہے۔ رشوت خوب لیتا ہے۔ روپے اور عورت کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے...... تو ابھی نیا کم عمر ہے! یہاں کی سردی اور گجر سنگھ کے مزاج کی گرمی سے بچنا ہے تو تھانیدار کی ہاں میں ہاں ملانا سیکھ لو۔ تھانے کے ماحول کے مطابق بولیاں بولنا سیکھ لو۔ یہی سرکاری نوکری کرنے کا کامیاب نسخہ ہے۔''

سورج لعل تھوڑی دیر بعد ہی پوری طرح مجھ سے بے تکلف ہو گیا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ ہمدردانہ تھا۔ غالباً یہ میری کم عمری کی وجہ سے تھا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں فجر کی اذان کی مقدس آواز گونجنے لگی۔ میں نے وضو کر کے رب کی بارگاہ میں سر جھکا دیا۔ رفتہ رفتہ تھانے میں بیداری ہونے لگی۔ سورج لعل نے میرا تعارف تمام چٹی بند بھائیوں سے کرایا۔ ان میں ملائم سنگھ بھولا سنگھ شری رام اور ایک مسلمان روشن دین بھی تھا۔ روشن دین سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوئی کہ وہ میرا مسلمان بھائی ہے۔

روشن دین نے واقعی بڑی گرم جوشی سے اور دوں کی نسبت مجھے ریلکم کیا باقی سب کے رویے پھیکے تھے۔ روشن دین نے مجھے کہا کہ۔

''میری ڈیوٹی کی شفٹ تو ختم ہو گئی ہے اور میں نے ابھی اپنے کوارٹر جانا ہے تم ایسا کرو کہ میرے ساتھ وہاں چل کر فریش ہو لو۔'' وہاں موجود سورج لعل نے بھی زور دیا کہ۔

''میں اس کے ساتھ چلا جاؤں کیونکہ گجر سنگھ تھانے میں تقریباً 9 بجے آئے گا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا کہ۔ ''وہ رت جگے کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے ہیں۔'' میں سپاہی روشن دین کے ساتھ تھانے کے قریب موجود اس کی رہائش کوارٹر میں چلا گیا۔ اس نے مجھے بتلایا کہ۔

''وہ اس کوارٹر میں اکیلا رہتا ہے اور اس کا تعلق خانپور سے ہے۔ اس کوارٹر کا کرایہ بڑا مناسب ہے صرف 20 روپے ہے جس میں ضروریات زندگی کی تمام سہولیات موجود ہیں۔''

میں نے وہاں اچھی طرح دانت مانجھے گرم پانی سے نہایا دھویا۔ اس نے دودھ مجھے ناشتہ کروایا۔ جب سے میں راولپنڈی کی حدود میں داخل ہوا تھا مجھے پہلی بار راحت اور سکون ملا تھا۔ مجھے روشن دین فطری طور پر مسلمان ہونے کے ناطے اچھا اور مناسب ساتھی لگا۔ میں نے اسے کہا کہ۔

''ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنی چارپائی بچھالوں ویسے بھی آپ اکیلے ہیں اور میں بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم مسلمان ہیں۔'' اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور مجھے کہا کہ۔

''اس مسئلے پر بعد میں بات کریں گے...... لیکن میں تجھے یہ بتلا تا چلوں کہ میں بھی تیری طرح ایک

غریب مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا ہوں ان ہندو اور سکھوں کے درمیان اس تھانے میں ان کے رنگ کے ماحول کے مطابق رہ رہا ہوں۔"

"ان کا رنگ کیا ہے روشن بھائی......!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"رنگ یہ ہے کہ جو دیکھو سنو اس پر اپنے کان اور آنکھیں بند رکھو اور تصور کرو کہ سب اچھا ہے اور کبھی کبھار دل نہ مانتے ہوئے بھی رشوت لینی پڑتی ہے شراب پینی پڑتی ہے اور بعض دفعہ ان ظالموں کی زیادتیوں کو بھی نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔"

"مجھے تمہارا یہ تھانہ کلچر اور نوکری کا فلسفہ سمجھ آ گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اچھا تو فی الحال تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد فوری طور پر تھانے جا کر گجر سنگھ کو اپنی جوائننگ رپورٹ دے آ۔"

میں اچھی طرح تیار ہو کر پہلی دفعہ گجر سنگھ سے ملا وہ پہلی ملاقات میں انتہائی اکھڑ پن سے پیش آیا۔

"تیری ڈیوٹی میں اپنے ساتھ انویسٹی گیشن سیل میں لگا رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "تجھے یہ شاید پتہ نہیں ہے کہ میں اس تھانے میں قتل اقدام قتل اور ڈکیتی جیسی وارداتوں کے سلسلہ میں سپیشل تفتیشی آفسر بھی ہوں۔ تو نے ان سارے تفتیشی مقدمات کے مجرموں کا پرانا تیار ریکارڈ رکھنا ہے۔" پھر اس نے تھانے کے کلرک بہلول سنگھ کو کہا کہ۔

"تم اس کو سٹاک رجسٹر کی مدد سے فلاں فلاں فائلیں وصول کراؤ۔" پھر اس نے مجھے مزید تاکید کی۔

"تو اس وصول شدہ فائلوں کو دھیان سے اپنے دفتر کی الماری میں محفوظ رکھنا اور جیسا میں کہوں ویسا کرنا اور یاد رکھ مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو میری بات نہیں مانتے اور میرے آگے جھوٹ بولتے ہیں۔" آخر میں اس نے مجھے کہا۔

"تو میرا خیال رکھ۔ میں تیرا چائے پانی کٹیا کا کرایہ وغیرہ نکال دوں گا۔"

میں بہلول سنگھ سے جب متعلقہ ریکارڈ وصول کر رہا تھا تو اس نے بڑے متعصب انداز میں طنز کرتے ہوئے مجھے کہا کہ۔

"تیرے باپ کے مرنے سے تجھے یہ فائدہ ہو گیا کہ تجھے تیری تعلیم کم ہوتے ہوئے بھی یہ کلرکی مل گئی۔" اس لمحے میرا دل چاہا کہ اسے منہ توڑ جواب دوں لیکن مصلحتاً یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ رفع کرو یہ میری نوکری کا پہلا دن ہے اور دوسرا میں ان غیر مسلموں کے درمیان تقریباً اکیلا ہوں اور میں کہاں تک متعصب دشمنوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں میں اس سے چارج لے کر سیدھا درشن رین کے کوٹھڑی میں آ گیا۔

دوسرے دن میں حسب معمول جب اپنی ڈیوٹی دینے گیا تو میں نے دیکھا کہ تھانے میں سارا دن سائلین، مجرمین کی آ جا لگی رہتی...... بے ایمان گجر سنگھ ان کی رہ داری کر رہا تھا جو اس کی مٹھی گرم کر رہے تھے یا نت نئے رنگوں کے میوہ جات فروٹ تحائف دیتے رہتے جن میں نقدی شراب وغیرہ شامل تھی اس نے سارا دن مجھے تفتیشی امور میں کھپائے رکھا یہ فائل اور وہ فائل لا...... یہ الماری میں رکھ اس نے کئی نئی

فائلیں بھی بنوائیں۔ ڈیوٹی کے دوران اس نے قصور بے قصور لاتعداد ملزموں کو بڑی بے رحمی اور ظالمانہ انداز میں ٹارچر روم میں لے جا کر مارا کوٹا۔ ڈیوٹی کے بعد اس نے شام کو مجھے اور روشن دین کے لیے مشترکہ طور پر ایک شراب کی بوتل 50 روپے نقد اور بہت سا خشک میوہ دیا۔

میرے اور روشن دین کے درمیان کوٹھڑی کے کرایہ اور دیگر اخراجات کے معاملات آدھے آدھے کی بنیاد پر طے پا گئے تھے اس کی ڈیوٹی رات کی تھی جبکہ میری دن کی بعض دفعہ وہ رات کو چھٹی کر لیتا تھا تو ہم دونوں مل کر کوئی نہ کوئی فلم دیکھ لیتے یا پھر رات گئے تک خوب دل کھول کر باتیں کرتے۔ ہم کبھی کبھار پینے پلاتے اور تاش کھیلتے۔

"یار! تھانے کا ماحول اور ناانصافی دیکھ کر کبھی میرا دل کرتا ہے کہ میں یہ نوکری چھوڑ کر واپس اپنے شہر بٹالہ چلا جاؤں۔" ایک دن میں نے اسے کہا۔

"پولیس کی نوکری اختیار کی ہے تو اپنے دل سے تمام نرم گوشے نکال دے۔" روشن دین نے کہا۔ "بلکہ اسے مزید سخت کر ورنہ مجھے یہ بتا کہ نوکری چھوڑ کر تو کرے گا کیا...... آج کل اس ملک میں مسلمانوں کو کون پوچھتا ہے......؟" اس کی یہ دلیل دل پر لگی میں نے پھر اپنے دل کو ناپسند آنے والی اس نوکری کو اپنے لیے بہتر سمجھا۔

ایک دن میں حسب معمول تھانے میں اپنی سیٹ پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ حسب معمول تھانے میں ...ں سائلوں اور مشتبھوں کی رونق لگی ہوئی تھی کہ ...نے مجھے بلند آواز سے پکارا۔

"اوئے رستم کا کا! ایک نیا فائل کور ٹیگ اور آرڈر سیٹ لے کر ادھر آ۔"

میں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے پاس یہ چیزیں لے گیا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک لیٹر تھماتے ہوئے کہا کہ۔

"اسے نئی فائل پر پرو کر لاؤ" میں نے اس لیٹر کو بغور پڑھا وہ اصل میں پولیس ہیڈ آفس سے آیا تھا۔ جس میں گجر سنگھ کو تاکید کی تھی کہ جاتگی گاؤں میں جا کر آر۔ اے بازار میں ہونے والی ڈکیتی کی انکوائری کر کے فلاں تاریخ کو اپنی رپورٹ بھیجے۔ اس رپورٹ میں شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس ڈکیتی کے کچھ مجرم جاتگی تھانے کے علاقہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ ایک اسپیشل ٹاسک تھا جو کہ گجر سنگھ کو دیا گیا تھا۔

اس زمانے میں جاتگی قتل ڈکیتی جیسی گھناؤنی وارداتوں کا گڑھ اور بدنام ترین علاقہ تصور کیا جاتا تھا وہاں اچھے اچھے دلیر تھانے دار اور پولیس اہلکار جانے سے کتراتے تھے۔ دراصل ان وارداتوں کے مجرموں کی پشت پناہی یہاں کے ٹھاکر چوہدری وغیرہ کیا کرتے تھے اور ان لوگوں نے پولیس، وکیلوں، ججوں کو زر خرید بنایا ہوا تھا اس علاقے کا بڑا بدمعاش ایک ہندو ٹھاکر سہتا داس نامی تھا جس کی ناک کے نیچے جاتگی گاؤں میں سینکڑوں قاتل، ڈکیت، نوسرباز پناہ لیے ہوئے تھے۔ اس کے زر خرید بے ضمیروں کی فہرست میں گجر سنگھ بھی شامل تھا۔ سہتا داس ہر مہینے تھانے میں نقد بھتہ علاوہ نت نئے تحفوں کی صورت میں رشوت بھیجا کرتا تھا۔ گجر سنگھ سب کے سامنے اس بات کا اقرار بھی کرتا تھا کہ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اس ڈکیتی کے مجرم لازما

سہنا داس کے زیر سایہ اسی گاؤں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن ہر سال دیوالی، دسہرا، خوشی، برے وقت اور جب تھانے کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہمیں روپے پیسے شراب اور ضروریاتِ زندگی سے بھی نوازتا ہے۔ لیکن قاتل کا پیٹ بھی تو بھرنا پڑے گا وہاں جانا ضرور پڑے گا۔

گجر سنگھ نے تفتیشی ٹیم کو تشکیل دیا تو اس نے شری رام، ملائم سنگھ اور روشن دین کے ساتھ میرا نام بھی اس میں شامل کر دیا۔ دو دن پہلے اس نے سہنا داس کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ فلاں دن اس کی حویلی میں مذکورہ ڈکیتی کی تفتیش کے لیے آئے گا۔ طے شدہ دن جب تفتیشی ٹیم جاٹکی گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی تو وہاں سہنا داس اس کے آدمیوں نے ہمارا شاندار ایسا استقبال کیا کہ جیسے ہم پولیس والے نہ ہوں بلکہ کوئی معزز مہمان ہوں۔ اس کے آدمی انتہائی قد آور اور صحت مند تھے اور اپنے بھاری چہروں پر خوفناک مونچھوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے نظر آئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں خطرناک اسلحہ تھا کہ میرے خیال میں پولیس والوں کے پاس بھی نہیں ایسا اسلحہ ہوگا۔

ہمیں سہنا داس کی حویلی کے بڑے مہمان خانے میں بٹھایا گیا جسے پہلے ہی سخت سردی کے بچاؤ کے لیے کوئلے کی انگیٹھیوں سے گرم کیا ہوا تھا۔ ہماری تواضع کے لیے قیمتی میوہ جات ولایتی شراب اور دیگر لوازمات بھی رکھے ہوئے تھے۔ ہم سب احساس کمتری سے سہمے ہوئے وہاں بیٹھ گئے۔ درو دیوار پر نئی پرانی بندوقیں اور شکار کیے گئے جانوروں کے بھس بھرے سر خشک کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ گجر سنگھ نے اس کے ایک آدمی سے پوچھا۔

”ٹھاکر کہاں ہیں......؟“

”آپ کو معلوم ہوگا جناب!“ اس آدمی نے کہا۔ ”کل جو جونسرہ کے علاقے میں پولیس مقابلہ میں وڈا کو بھا اور شیرا مارے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق اس گاؤں سے تھا وہ اس کے پرسے کے لیے گئے ہیں۔ انہیں گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے بس آنے ہی ہوں گے آپ ناشتہ پانی کرو۔“

ہم سب نت نئی سوغاتوں سے محظوظ ہونے لگے تھوڑی دیر بعد سہنا داس اپنے خاص کرتا دھرتا نئے بدمعاشوں کے ساتھ بیٹھک میں داخل ہوا اس نے اپنے کندھے پر انتہائی قیمتی پشم کی چادر تانی ہوئی تھی۔ چہرہ مہرہ آخری حد تک پکے بدمعاشوں والا تھا۔ اس کا تیل سے چپڑا گنجا سر اور بھاری جوڑی بھری مونچھیں اس کی منفی شخصیت کو مزید ابھار رہی تھیں۔ گجر سنگھ اسے دیکھتے ہی بڑے احترام سے اٹھا اور اس کے گھٹنوں کو چھوا۔

”یار! مجھے معاف کرنا میں ذرا ایک ضروری کام سے چلا گیا تھا۔“ سہنا داس نے کہا۔

گجر سنگھ نے ہمارا فرداً فرداً تعارف کروایا میری طرف دیکھتے ہوئے سہنا داس نے طنزیہ طور پر بدتمیزی سے کہا۔

”اوئے! کب بن رہا ہے تیرا پاکستان......؟“

مجھے اس کی بات پر غصہ آیا لیکن میں نے ٹال دیا اس کے بعد شراب نوشی اور باتوں کا دور شروع ہوگیا۔

”تو جب چاہے جا تکی آ۔“ سہنا داس نے مکارانہ انداز میں کہا۔ ”لیکن تو جس ڈکیتی کی انکوائری کے

سلسلے میں آیا ہے۔ سچی بات ہے میں اس واردات کے اصل مجرم تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ لیکن تجھے اگر اپنے کندھے پر مزید ترقی کے پھول سجانے ہیں تو میں تیرا یہ کام کسی اور صورت میں کر سکتا ہوں۔''

سہناداس نے اپنی چمکتی تند پر بڑے شیطانی انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔''تو میرا مہمان اور انکوائری آفیسر بھی ہے میں تجھے خالی ہاتھ بے مراد بھی بھیجنا نہیں چاہتا آخر تجھے کچھ دے کر ہی بھیجنا چاہیے۔''

''سہنا صاحب! کافی عرصے سے میری پر دموشن نہیں ہوئی ہے۔'' گجر سنگھ نے عاجزی کے انداز میں کہا۔''بس مہربانی کر کے اس ڈکیتی کے متعلق میری کچھ مدد کریں۔ ویسے بھی اس واردات کی انکوائری چھان بین کے سلسلے میں مجھ پر اوپر سے بڑا دباؤ ہے۔''

''میں اس ڈکیتی میں جانے والا اصل مال برآمد کروا سکتا ہوں۔'' سہناداس نے کسی ماہر شاطر کی طرح کہا۔''مگر مجرم اصل نہیں دو نمبر تمہارے حوالے کروں گا۔''

''میں آپ کی بات سمجھا نہیں سہنا صاحب!'' گجر سنگھ نے پریشان ہو کر پوچھا۔''مال تو اصل برآمد ہو گا لیکن مجرم دو نمبر سے آپ کی کیا مراد ہے......؟''

سہنا نے بدمعاشی سے اپنی گول گول آنکھوں کو گھماتے ہوئے کہا۔

''سچی بات کروں گا۔ اصل ڈاکو شیرا اس گاؤں میری ناک کے نیچے چھپا ہوا ہے وہ میرا وفادار کتا ہے تو جتنا مرضی زور لگالے میں کسی قیمت پر اسے تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تو نے واقعی اپنے کندھے پر مزید ترقی کے پھول سجانے ہیں تو میں تیری مدد اس طرح کر سکتا ہوں کہ تو اس کی جگہ میرے ایک دشمن کو اس جرم میں گرفتار کر لے۔''

''وہ دشمن کون ہے......؟'' گجر سنگھ نے اس سے پوچھا۔

''تیرے تھانے کے علاقے میں ایک قبرستان ہے اس کے پاس ایک لڑکا ولی خان رہتا ہے اور وہ پیشے کے لحاظ سے ویلڈر ہے پچھلے مہینے اس گاؤں میں نامی گرامی کتوں کے درمیان خونی مقابلہ ہوا میرے شیر نما کتے اجو کے مقابلہ میں وہ اپنا کتا لے آیا تھا اس کا کتا میرے کتے پر بھاری رہا۔ میرا شہزادہ میں نے بڑے مان اور ناز سے پالا تھا وہ اس کے سامنے بھیگی بلی بن کر ہار گیا میری گاؤں میں تھو تھو ہوئی لوگ منہ پر تو کچھ نہیں کہتے لیکن پیٹھ پیچھے مجھے طعنے دیتے ہیں کہ اتنے بڑے ٹھاکر کا شیر جیسا کتا ایک دو ٹکے کے ویلڈر کے کتے سے ہار گیا۔''

''یہ تو ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' کانسٹیبل بہلول سنگھ خواہ مخواہ غیر ضروری طور پر درمیان میں بول پڑا۔ اس کی بات سن کر سہناداس زخمی شیر کی مانند دھاڑا۔

''الو کے پٹھے! گاؤں میں ایسا واقعہ مجھ جیسے ٹھاکر کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا میرے کتے کی شکست کی خبر بدبو کی مانند میری رسوائی بن کر دور دور تک جگ ہنسائی کا باعث بن گئی ہے۔''

گجر سنگھ نے بہلول کو سرخ نگاہیں اٹھا کر ڈانٹا اور پھر سہناداس کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

''تو آپ حکم کریں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟''

"خدمت کی بات نہ کرو گجر سنگھ!" سہنا داس نے کہا۔ "میرے احسانوں کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔"

"سہنا داس! آپ حکم کریں میں آپ کے لیے کیا کروں.....؟" سہنا داس نے اپنے ایک غنڈے کے کان میں کچھ کہا۔ وہ چلا گیا۔

"میں وہ کچھ کرنے لگا ہوں جس سے تیرا میرا بلکہ سب کا کام ہو جائے گا۔" سہنا داس نے پراسرار انداز میں کہا۔

"بس تھوڑی دیر ذرا ٹھہرو۔" ہم وہاں کھڑے اس کی اس عجیب ادا کو تجسس کے عالم میں دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہی بدمعاش اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک پیلے رنگ کی بڑی سی تھیلی لے کر آیا۔ اس نے سہنا کے ہاتھوں میں اسے ادب سے دیا۔ سہنا داس نے اسے گجر سنگھ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس تھیلی میں 700 روپے تیرا انعام اور 100 روپے فی کس ان کو دے دینا۔"

"اس میں تو بہت کچھ ہے سہنا صاحب!" گجر سنگھ نے پوچھا۔ "باقی کا کیا کرنا ہے.....؟"

"اسی تھیلی میں ڈکیتی میں لوٹا ہوا پچیس تولے سونا موجود ہے۔" سہنا نے جواباً دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تم آپس میں بیس تولے سونا بانٹ لو اور بقیہ پانچ تولے سونا اور دو سو روپے ولی خان کے کھاتے میں برآمدگی میں ڈال دو۔"

"میرا کام ہر قیمت پر ہونا چاہیے۔" قیمتی شراب مزید نقد تحفے سہنا داس نے گجر سنگھ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

گجر سنگھ نے تھانے پہنچتے ہی ولی خان کے ڈکیتی میں ملوث ہونے کے بارے میں طویل جھوٹی انکوائری رپورٹ لکھ دی اس کے بعد اس نے یہ کیا کہ تھانے میں موجود ایک مخبر کے ذریعے سہنا داس کی طرف سے دیے گئے لوٹ کے سامان میں سے چند تولے زیور اور نقدی ولی خان ویلڈر کی دکان میں بڑے طریقے سے چھپا دی۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے ولی خان کی دکان پر چھاپہ مارا وہاں سے ڈکیتی میں لوٹا ہوا زیور اور نقدی برآمد کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ ولی خان کو جب پولیس گرفتار کر کے لے جا رہی تھی۔ تو اس کی پالتو وفادار کتیا اس کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی تھانے کی حدود تک آ گئی۔ پہلے سے پروگرام بنائے گجر سنگھ نے ولی خان کو دیکھتے ہی ننگی گالیوں کے ساتھ تشدد کرنا شروع کر دیا۔

"میرا قصور کیا ہے تھانیدار جی!" ولی خان نے گھبرا کر پوچھا۔

"ڈاکے ڈالتے ہو اور قصور بھی پوچھتے ہو۔" گجر سنگھ نے ایک زوردار تھپڑ ولی خان کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔ "آرے اے بازار میں ڈاکا تیرے باپ نے مارا ہے؟"

ولی خان کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پولیس والوں نے مار مار کر اس کا حلیہ خراب کر دیا تھا۔

"میرا کسی ڈکیتی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔ "میں بے گناہ ہوں...... کسی نے سازش کر کے مجھے پھنسوایا ہے۔"

"اوئے! تو کوئی لاٹ صاحب ہے۔" گجر سنگھ نے غصے سے کہا۔ "میرے خلاف کسی کو سازش کرنے کی

کیا ضرورت ہے۔ تھانے میں آ کر ہر مجرم یہی کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ تو اپنا جرم تسلیم کر لے تو تیری مزید دھنائی نہیں کی جائے گی۔"

"وہ مسلسل چلائے جا رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے اسی دوران یہ ہوا کہ اس کے پیچھے آئی ہوئی اس کی وفادار کتیا سپاہیوں کو چکمہ دے کر اندر آ کر اس کے قدموں میں لوٹنے لگی۔ وہ بڑی بے چینی سے ولی خان کے ہاتھ پاؤں چاٹنے لگی۔

"باہر نکلوا دے اس حرام زادی کو۔" گجر سنگھ نے دھاڑ کر کہا۔ "مارو اس کو۔" دو تین سپاہی بے دردی سے اس کتیا کے جسم پر ڈنڈے لاٹھیاں برسانے لگے مگر کتیا اس سے مس نہ ہوئی مار کھاتی رہی مگر مالک سے دور نہ گئی۔

"اسے مت مارو۔" ولی خان چلایا۔

"کیوں یہ تیری بے بے لگتی ہے؟" گجر سنگھ نے ننگی گالی دے کر کہا۔

"یہ میری وفادار کتیا ہے۔" ولی خان نے گجر سنگھ کی بات کے زہر کو نگلتے ہوئے کہا۔

"تیرا وفادار کتا کہاں ہے......؟" گجر سنگھ نے طنزیہ پوچھا۔

"وہ جانگی والے سہنا داس نے مروا دیا تھا۔" ولی خان نے کہا۔

"وہ کیوں اوئے!" گجر سنگھ نے پوچھا۔ "اس کی تیری کیا دشمنی ہے......؟"

"میرے کتے نے اس کے لاڈلے کتے کو مار بھگایا تھا۔" ولی خان نے کہا۔ "اس کا بدلہ لینے کے لیے اس نے میرے کتے کو مروا ڈالا۔"

ولی خان کو ہفتہ والے دن تھانے لایا گیا تھا۔ دوسرے دن اتوار کی سرکاری چھٹی تھی۔ گجر سنگھ کا خیال تھا کہ سوموار کے دن وہ ولی خان کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر کے اس کا جسمانی ریمانڈ لے کر سہنا داس کو خوش کرنے کے لیے اس پر خوب تشدد کرے گا۔ ہفتہ کی رات اور اتوار کا دن اسے اذیت کا نشانہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کی وفادار کتیا بھوکی پیاسی تھانے کے باہر اس اُمید پر بیٹھی رہی کہ ابھی اس کا مالک باہر آ جائے گا۔

ولی خان پر ہونے والا ظلم و تشدد دیکھ کر میرا خون کھولتا رہتا لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں گھر سے چپڑی ہوئی روٹی اور دودھ لا کر اس کی کتیا کے آگے رکھ دیتا جسے وہ نظر بھر نہ دیکھتی۔ آخر کب تک......؟ بھوک پیاس سے مجبور ہو کر اسے ان چیزوں سے پیٹ بھرنا پڑا۔ اب کتیا مجھے پہچاننے لگی تھی۔

ولی خان کی بوڑھی ماں کو بیٹے کی گرفتاری کا علم ہوا تو رونے لگی۔ اس کا خاوند زندہ ہوتا تو بیٹے کو تھانے سے چھڑانے کے لیے کوشش کرتا۔ بے چاری بوڑھی عورت محلے کے ایک ایک گھر میں گئی اور مدد کے لیے کہا۔ محلے کے لوگوں نے پروگرام بنایا اور اکٹھے ہو کر تھانے جا پہنچے اور تھانیدار سے پوچھا کہ۔

"اس نے ولی خان کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے......؟" گجر سنگھ نے لوگوں کو بتایا کہ۔

"اس نے آر۔ اے بازار میں ڈکیتی کی واردات کی ہے اور ڈاکے میں لوٹا جانے والا کچھ مال اس کی دکان سے برآمد ہوا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ولی خان کی ماں نے کہا۔

"میں نے اپنے بیٹے کی پرورش رزق حلال سے کی ہے۔ وہ حرام اور ناجائز کام کر ہی نہیں سکتا۔ وہ محنت مزدوری کر کے رزق حلال کماتا ہے۔ سارا دن آگ اور لوہے سے لڑتا ہے۔"

"اور کرو دیہاتوں میں جا کر کتے لڑانا شریفوں کا کام ہے؟" گجر سنگھ نے ولی خان کی ماں سے کہا۔

"یہ تو نوابوں کے شوق ہیں اور تمہارا بیٹا نواب نہیں ہے۔ بول اتنا مہنگا لڑنے والا کتا اس نے کہاں سے لیا......؟ چوری ڈاکے کی کمائی سے ہی ایسے نوابوں والے شوق پورے کرتا ہوگا۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔" ولی خان کی ماں نے کہا۔ "کتوں کا یہ جوڑا اسے اس کے ماموں نے تحفہ دیا تھا۔ ایسا قیمتی جوڑا خریدنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ پھر اس نے اپنا پیٹ کاٹ کر اس جوڑے کی پرورش کی۔ اس کے کتے نے جاتلی والے سہنا داس کے کتے کو مار گرایا جس کی وجہ سے وہ میرے بیٹے اور اس کے کتے کا دشمن بن گیا۔ کتے کو تو اس نے مروا دیا اور اب میرے بیٹے کے خلاف جھوٹا کیس بنا دیا ہے۔"

"زبان کو تالو سے لگا بڑھیا!" گجر سنگھ نے لاجواب ہو کر کہا۔ "ذات دی کوڑھ کرلی تے شہتیراں نوں جپھے۔"

ولی خان کی ماں کے ساتھ آئے ہوئے محلے داروں نے ڈرتے ڈرتے گجر سنگھ کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ ولی خان کو وہ بچپن سے جانتے ہیں۔ وہ نہایت شریف لڑکا اور ڈکیتی جیسی واردات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

"بند کرو اپنا بھاشن!" گجر سنگھ نے گرج کر کہا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے کہ پولیس جھوٹی ہے اور تم سچے ہو......؟ آ جاتے ہیں چوروں ڈاکوؤں کی سفارش کرنے...... مجھے تو تم بھی اس کے ساتھی لگتے ہو۔ چلو نکلو یہاں سے ورنہ ابھی حوالات میں بند کر کے چھترول کرا دوں گا۔" تمام محلے دار غریب اور شریف سے لوگ تھے۔ وہ گجر سنگھ کی دھمکی سے ڈر کر اپنی جان بچا کر تھانے سے نکل آئے۔ بے چاری ولی خان کی ماں دہائی دیتی رہ گئی۔

اس کے بعد گجر سنگھ نے ولی خان کا جسمانی ریمانڈ لے لیا اور تھانے میں اس پر اس قدر تشدد کیا کہ اس نے ناکردہ گناہ کا بھی اقبال کر لیا۔ گجر سنگھ نے کیس مضبوط بنانے کے لیے جھوٹے گواہ بھی پیدا کر لیے۔

بہر حال مقدمہ چلا...... مشہور ہے قانون اندھا ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ گجر سنگھ نے بڑی مہارت سے ساری بساط بچھائی تھی۔ قانون نے جھوٹے ثبوت جھوٹے گواہوں اور جھوٹے مقدمے کی روشنی میں ولی خان کو مجرم تسلیم کر لیا۔ اس پر صرف یہ کرم کیا کہ اس کی کم عمری کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف چار سال قید کی سزا سنا دی گئی اور اسے سنٹرل جیل بھجوا دیا گیا۔

گجر سنگھ مطمئن تھا کہ اس نے سہنا داس کا نمک حلال کر دیا ہے۔ سہنا داس خوش تھا کہ اس کو ذلیل کرانے والا جیل چلا گیا اور اس کے کتے کو اس نے مروا دیا۔ اس کی جھوٹی انا کو تسکین پہنچی تھی۔ تھانے کا عملہ اپنی جگہ خوش تھا کہ سب کو جھولی بھر بھر کے ملا تھا۔

اگر کوئی بے چین تھا تو وہ ولی خان کی ماں تھی جو جھولی پھیلا کر اللہ سے انصاف مانگتی تھی۔ اس کے دکھی دل سے بددعائیں نکل کر عرش سے ٹکراتی تھیں۔ ولی خان کی ماں کے بعد اگر کوئی پریشان تھا تو وہ اس کی اعلیٰ نسل کی وفادار کتیا تھی۔ وہ اس سے لاعلم تھی کہ اس کا مالک جیل چلا گیا ہے۔ وہ ہمہ وقت تھانے کے آگے بیٹھی رہتی۔ اس کے خیال میں اس کا مالک تھانے کے اندر ہی تھا۔ اس بے زبان کتیا کی متلاشی نگاہیں ہر وقت تھانے کے اندر جھانکتی رہتیں۔ وہ بار بار تھانے کے اندر گھسنے کی کوشش کرتی لیکن چوکیدار سنتری اسے لاٹھی مار کر بھگا دیتا۔

چند دن اسی طرح ہوتا رہا۔ اب کتیا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وردی والے لوگ اس کے مالک کے دشمن ہیں اور انہوں نے اسے بند کر رکھا ہے۔ اس بات کا اندازہ اس طرح ہوا کہ وہ صرف وردی والے لوگوں پر بھونکنے لگی تھی۔ اگر کوئی پولیس والا بغیر وردی کے اس کے قریب سے گزر جاتا تو وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔ وہ ہر آتے جاتے پولیس والے کو دیکھ کر بھونکتی اور کاٹنے کی کوشش بھی کرتی۔ گجر سنگھ کی وہ خاص طور سے دشمن تھی۔ گجر سنگھ کا کرخت چہرہ اور سخت لہجے میں بولنے کے انداز سے کتیا نے اسے دشمن نمبر ایک جان لیا تھا۔

ایک روز گجر سنگھ تھانے میں داخل ہو رہا تھا۔ کتیا کہیں قریب ہی تھی۔ اس نے زبردست غراہٹ کے ساتھ جمپ لگایا اور اس سے پہلے کہ گجر سنگھ سنبھلتا کتیا نے اس کی ٹانگ میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیے۔ گجر سنگھ چلا اٹھا۔ سپاہیوں نے کتیا پر لاٹھیاں برسائیں تو اس نے گھبرا کر گجر سنگھ کی ٹانگ چھوڑ دی اور بھاگ گئی۔

اس روز مرہم پٹی کے بعد گجر سنگھ کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس نے بہلول سنگھ کو بلا کر حکم دیا کہ۔

''جیسے بھی ہو آج اس کتیا کو زہر دے دو۔ اگر یہ کتیا دوبارہ تھانے کے قریب نظر آئی تو تمہاری خیر نہیں۔'' بہلول سنگھ نے اسی دن شام کے وقت کسی نہ کسی طرح کتیا کو زہر پلا دیا اور مرنے کے لیے تھانے سے کچھ فاصلے پر کچرے کے ڈھیر پر پھنکوا دیا۔ مجھ سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ میرا ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ میں تیز قدموں سے کچرے کے ڈھیر کی طرف چلا گیا۔ دیکھا کہ کتیا وہاں نڈھال سی پڑی ہے اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک ابکائی لی اور قے کر دی۔ یقیناً قے کے ساتھ زہریلا مواد بھی نکل آیا ہوگا۔ مجھے اس وقت نجانے کیا سوجھی کہ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کتیا کو اٹھایا اور ایک سیانے حکیم کے پاس لے گیا اور اسے بتایا کہ۔

''میری پالتو کتیا ہے اس نے کوئی زہریلی چیز کھا لی ہے۔'' حکیم نے فوراً ہی چند دوائیوں کا مرکب بنایا اور کتیا کے حلق میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا کہ۔

''بھاگ کر ڈھیر کلو دودھ جلدی سے لے آؤ۔'' میں قریبی دودھ دہی کی دکان سے دو سیر دودھ لے آیا اور حکیم کے کہنے پر کتیا کو پلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کتیا کو کالے رنگ کی قے آئی اور کتیا کی حالت قدرے بہتر ہوگئی۔ حکیم نے کہا۔

"اب یہ بچ جائے گی۔" میں کتیا کو کوارٹر میں لے آیا اور حکیم کی ہدایت پر اسے دودھ میں تیسو کے پھول ابال کر پلاتا رہا...... گزرتے وقت کے ساتھ کتیا بالکل ٹھیک ہونے لگی۔

ادھر روشن دین ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کوارٹر میں آیا تو کتیا کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر ناپسندیدگی کی شکنیں پڑ گئیں لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ کتیا کی کوارٹر میں موجودگی سے خوش نہیں ہے۔

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے روشن بھائی!" میں نے اس سے استدعا کی "اس کتیا کا ذکر تھانے میں کسی سے نہ کرنا ورنہ میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔" روشن دین نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔

اب میں دن رات کتیا کی خدمت کرنے لگا۔ دودھ، دوا، گوشت ہر چیز لانے لگا۔ وہ اس عرصے میں پوری طرح سے میرے ساتھ مانوس ہو گئی اور لگتا تھا کہ اب وہ ولی خان کو بھول گئی ہے۔ میں جہاں جاتا وہ میرے ساتھ جاتی۔ میرے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی۔ رات کو سردی لگتی تو میری چارپائی کے نیچے آ کر سو جاتی۔ میں ایک پرانا سا کمبل اس پر ڈال دیا کرتا۔

وہ ایک اعلیٰ نسل کی کتیا تھی۔ اب اچھی خوراک اور توجہ سے وہ بڑی صحت مند ہو گئی تھی۔ لوگ اسے دور سے دیکھ کر بھی خوف کھاتے تھے۔

ایک روز صبح سویرے میں معمول کے مطابق اسے ٹہلانے کے لیے باہر لے گیا۔ واپسی پر میں ناشتہ لینے سادھو رام کی بیکری میں گھس گیا اور انڈے ڈبل روٹی وغیرہ لے کر باہر نکلا تو کتیا غائب تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آئی۔

میں یہ سوچ کر واپس آ گیا کہ خود ہی آ جائے گی۔ مگر خاصے انتظار کے بعد بھی کتیا واپس نہ آئی۔ میں اپنی ڈیوٹی پر تھانے چلا گیا۔

شام کو کوارٹر آیا تو بھی کتیا کہیں نظر نہ آئی۔ پھر پوری رات بھی وہ نہ آئی۔ اگلی صبح میں تھانے پہنچا تو افراتفری سی نظر آئی۔ گجر سنگھ الگ پریشان نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ۔

"کیا معاملہ ہے......؟" اس نے جو خبر سنائی وہ بڑی ہی سنسنی خیز تھی۔ جاتلی والے سہنا داس کو رات کسی وقت قتل کر دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے ٹکڑوں پر پلنے والے پریشان نظر آ رہے تھے۔ گجر سنگھ کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً پولیس کی ٹیم تیار کی جس میں میں بھی شامل تھا اور جاتلی روانہ ہو گئے۔

جونہی ہم سہنا داس کی حویلی کے نزدیک پہنچے تو وہاں ہندو، مسلمان اور سکھوں کا ہجوم نظر آیا۔ سہنا داس کا چونکہ بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس لیے اردگرد کے دوسرے تھانوں کی پولیس بھی وہاں نظر آ رہی تھی۔ سہنا داس کی لاش حویلی کے بڑے کمرے میں رکھی ہوئی تھی۔ گجر سنگھ نے آگے بڑھ کر لاش کے اوپر پڑی چادر سرکا دی۔ لاش کی حالت دیکھ کر ایک بار تو میں لرز گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے سہنا داس کو کسی خونخوار درندے بھیڑیے یا چیتے نے چیر پھاڑ ڈالا ہے۔ یہ انسانی فعل نہیں تھا۔

گجر سنگھ نے موقع پر جو کارروائی کرنی تھی کی اور پھر لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری ہسپتال بھجوا دیا۔ گجر سنگھ نے حویلی کے محافظوں سے پوچھ گچھ کی۔

اندرونی ملازموں سے تفتیش کی...... لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہوسکی۔ حویلی کے محافظوں نے صرف اتنا بتایا کہ۔

''آدھی رات کے بعد انہوں نے حویلی کے اندر کسی درندے یا جانور کی خوفناک غراہٹ سنی اور اس کے ساتھ ہی سہنا داس کا واویلا سنائی دیا۔ وہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگے۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے ایک سایہ سا حویلی کے باغ کی طرف لپکتا دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بندوقیں سیدھی کرتے۔ وہ سایہ باغ کے اندر کہیں غائب ہوگیا۔ وہ سہنا داس کے بیڈروم کی طرف گئے تو وہ لہولہان پڑا آخری سانسیں لے رہا تھا۔ درندے نے اس کا نرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔'' گجر سنگھ نے محافظوں سے پوچھا کہ۔

''اندھیرے میں غائب ہونے والے جانور کا ہیولہ دیکھ کر کیا اندازہ لگایا کہ وہ کوئی شیر تھا یا بھیڑیے جیسا جانور تھا......؟'' ایک محافظ نے بتایا کہ۔

''وہ شیر جیسا بالکل نہیں تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ کوئی بھیڑیا یا پھر بڑا تندآور کتا ہے۔'' گجر سنگھ نے کرید کرید باتیں پوچھیں اور پھر واپس تھانے آگیا۔ تھانے آتے ہی گجر سنگھ نے سب کی چھٹی بند کردی اور ایک ہنگامی میٹنگ بلالی۔ اس نے بہلول سنگھ سے پوچھا کہ۔

''اس نے ڈکیتی میں پکڑے جانے والے ولی خان کی کتیا کو زہر دے دیا تھا یا نہیں......؟ اور ایک بات کان کھول کر سن لو۔'' اس نے بید میز پر مار کر کہا۔ ''اگر مجھ سے جھوٹ بولا تو تیرا وہ حشر کروں گا کہ تیری آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔''

''واہے گورو کی سونہہ!'' بہلول سنگھ نے کہا۔ ''میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے گلا کھلایا تھا۔'' یہ سن کر گجر سنگھ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ لاشعوری طور پر وہ اپنی کنپٹی پر انگلیاں بھی مارتا جارہا تھا۔

''میں نے ہر زاویے سے اس کیس کا جائزہ لیا ہے۔'' آخر اس نے سر اٹھا کر سب کی طرف دیکھا کر کہا۔ ''میرا ذہن صرف ایک ہی طرف جاتا ہے۔ سہنا داس کو ولی خان کی کتیا نے ہلاک کیا ہے۔ مجھے شک ہی نہیں یقین ہے کہ وہ خبیث کتیا کسی نہ کسی طرح زندہ بچ گئی ہے۔''

میں اس شیطان کے دماغ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ کم بخت نے فوراً اندازہ لگالیا تھا کہ ولی خان کی کتیا زندہ بچ گئی ہے۔ یہ بات بعد کی ہے کہ سہنا داس کو کتیا نے ہلاک کیا ہے یا کسی دوسرے درندے نے۔

آدھی رات کے لگ بھگ اس نے ہماری جان چھوڑی اور جانے کا حکم دیا۔ ہم سب باہر آگئے تھے جب گجر سنگھ کی آواز گونجی۔

''روشن دین! تم ابھی میرے پاس ہی رک جاؤ۔'' یہ سن کر میرا دل ڈوب گیا۔ اب یہ راز فاش ہوجاتا تھا کہ ولی خان کی کتیا کو میں نے زندہ بچالیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میری جان بھی مصیبت میں پڑ جاتی تھی۔ بہرحال میں پریشانی کے عالم کوارٹر آگیا۔ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ کتیا دروازے کے ساتھ لگی سخت سردی سے کانپ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لپک کر آئی اور میرے پیروں میں لوٹنے لگی۔ میں نے جلدی سے کوارٹر کا دروازہ کھولا اور کتیا کو اندر

لے گیا۔ میرے دماغ میں گجر سنگھ کے الفاظ گونج رہے تھے کہ سہنا داس کو ولی خان کی کتیا نے ہلاک کیا ہے۔ میں نے روشنی جلائی اور کتیا کا معائنہ کرنے لگا۔

یہ دیکھ کر مجھے اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی کہ کتیا کے منہ پر، ناخنوں پر اور کھال کے مختلف حصوں پر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اس کے پنجوں کے اوپر کی کھال پر بھی خون جم کر سوکھ گیا تھا۔ اب وہ معصوم اور بھولی بھالی کتیا مجھے قاتل اور خون آشام نظر آنے لگی۔ میں نے فوراً گرم پانی سے اس کا منہ دھویا پھر پنجے بھی صاف کیے۔ میں نے چاہا کہ اسے چھت پر لے جا کر باندھ دوں لیکن وہ اس طرح قدم جما کر کھڑی ہوگئی کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔

ٹھیک اسی وقت کوارٹر کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی بڑی بلند آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ میرے بڑے بھائی آ پہنچے ہیں۔

"دروازہ، جلدی کھول رستم علی!" میں نے گھبرا کر کتیا کو گھسیٹ کر لیٹرین میں بند کیا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔ گجر سنگھ کسی بلائے بے درماں کی طرح اندر گھس آیا اور دھاڑا۔ "کدھر ہے وہ تیری معشوق کتیا؟" اس کے پیچھے پیچھے چند سپاہی بھی آ گئے۔ گجر سنگھ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ روشن دین نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کو کیا جواب دوں...... اچانک کتیا خود ہی لیٹرین سے باہر آ گئی۔ سارا راز فاش ہوگیا۔

"پکڑ لو اس حرامی کتیا کو۔" گجر سنگھ نے ایک ننگی گالی دے کر کہا۔ "اور تھانے لے چلو۔"

دو سپاہیوں نے ایک رسی کتیا کے گلے میں ڈال کر باندھ لیا۔

"رستم علی کے بارے میں کیا حکم ہے حضور!" ایک سپاہی نے چاپلوسی سے پوچھا۔

"اس کتیا کے یار کو بھی لے چلو۔" گجر سنگھ نے میری طرف قہر بھری نگاہ ڈال کر کہا۔ "اس سے بھی پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

کتیا کے ساتھ مجھے بھی پکڑ لیا گیا اور میری خوب تذلیل کی گئی۔ تھانے پہنچے تو ایک بنچ پر بہلول سنگھ اور روشن دین خاموش بیٹھے نظر آئے۔ گجر سنگھ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہی شروع ہوگیا۔

"یہ سب کیا دھرا تمہارا ہے رستم علی!" اس نے چھڑی سے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تو نے پولیس کا ملازم ہوتے ہوئے قانون شکنی کی ہے۔ اس کتیا کے ذریعے سہنا داس کو قتل کروایا ہے۔"

"میرا صرف ایک قصور ہے جناب!" میں نے بلاخوف و خطر کہا۔ "میں نے اس بے زبان جانور پر ترس کھا کر اسے مرنے سے بچایا۔ باقی کوئی بات میرے علم میں نہیں کہ اس بے زبان جانور نے کسی کو قتل کیا ہے یا نہیں...... ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہ بے زبان ضرور ہے۔" گجر سنگھ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "لیکن بے عقل نہیں ہے۔ خاص طور پر کتوں کی جس نسل سے یہ ہے وہ اپنی ذہانت کے لیے مشہور ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ناگ کے مرنے پر ناگن انتقام لیتی ہے اسی طرح سہنا داس سے اپنے نر کتے کا انتقام لیا ہے جس کو سہنا داس نے مروا دیا تھا۔ سہنا داس اور ولی خان کا جھگڑا اس کتیا کے سامنے

ہی ہوا تھا۔"

"آپ نے تو ولی خان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔" میں نے دلیری سے کہا۔" سہنا واس کے کہنے پر اس غریب کو ڈکیتی کے جھوٹے کیس میں سزا دلوا دی۔"

"بکواس بند کر دستم علی!" گجر سنگھ حلق کے بل دھاڑ کر بولا۔" کاش! تو ہمارے محکمے کا نہ ہوتا۔ تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اس کی ہڈیاں بوٹیاں الگ الگ کر دیتا۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی نوکری پر۔" میں نے کہا۔" تم خود پرلے درجے کے واشی، زانی، شرابی اور بھتہ خور ہو۔ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کتنا گند ہے تمہارے اندر......!"

"تم نے اپنے سینئر آفسر سے بدتمیزی کی ہے۔" گجر سنگھ نے مکاری سے کہا۔" میں تجھے اسی وقت معطل کرتا ہوں اور تیرے خلاف سہنا واس کے قتل میں معاونت کے جرم میں الیف آئی آر درج ہو گی۔ تیری ساری اکڑ نکال دوں گا۔" اس کے بعد اس نے دو سپاہیوں سے کہا۔" اسے حوالات میں بند کر دو۔"

مجھے حوالات میں بند کرنے کے بعد اس نے بازار سے ایک موٹی زنجیر منگوا کر کتیا کو بھی وہیں حوالات کے ساتھ باندھ دیا۔ لگتا تھا غصے نے اس کی عقل مار دی ہے اور وہ پاگل ہو گیا ہے۔

گجر سنگھ نے میرے اور کتیا کے خلاف مقدمہ تیار کرنے کے لیے بیسوں قانونی کتابیں پڑھ ڈالیں...... پرانے اور تجربہ کار قانونی ماہرین وکیلوں اور ریٹائرڈ پولیس افسروں سے مشورے کیے...... کاغذوں کا ڈھیر اس نے لکھ لکھ کر کالا کر دیا...... بار بار لکھتا پھر پھاڑ دیتا...... دراصل اسے قاتل کتیا کے خلاف پرچہ کاٹنے کے لیے کوئی دفعہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر اس نے ایک دن میرے اور کتیا کے خلاف پرچہ کاٹ کر مجسٹریٹ کے سامنے جسمانی ریمانڈ اور انکوائری کے لیے پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ انگریز تھا۔ وہ ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت تھا۔

اس زمانے میں برٹش گورنمنٹ کا یہ قانون تھا کہ کسی باوردی سرکاری ملازم اور گریجویٹ ملزم کو ہتھکڑی نہیں لگائی جا سکتی تھی لیکن گجر سنگھ نے اس بات کا خیال نہیں رکھا۔ مجھے سرکاری ملازم اور وردی میں ہوتے ہوئے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی جبکہ کتیا کے گلے میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔

اس انگریز نے درخواست کا معائنہ کیا پھر صورت حال کا جائزہ لیا اور گجر سنگھ کو جھاڑ پلا دی۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے پر ہے یا نہیں......؟" اس نے کہا۔

"وردی میں پولیس ملازم کو ہتھکڑی لگا رکھی ہے اور قتل میں معاونت کا الزام لگایا ہے پھر خود ہی یہ بھی لکھا ہے کہ قتل کی واردات کے وقت رستم علی تھانے میں ڈیوٹی پر حاضر تھا۔ کیا رستم علی کوئی جانوروں کو سدھانے والا علم رکھتا ہے یا اس کے پاس کوئی جادو ہے......؟"

گجر سنگھ کے پسینے چھوٹ گئے اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا...... اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ خوف اور پریشانی سے میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور رنگت اُڑی ہوئی تھی۔

"گھبراؤ نہیں جوان!" اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔" تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اللہ نے مجھے ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا اور میں نے بڑی دلیری سے گجر سنگھ کی ساری کارستانیاں اور سب داواس اور ولی خان کا قصہ گوش گزار کر دیا...... میں نے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اس انگریز نے میری باتیں بڑی توجہ اور غور سے سنیں۔ اس دوران وہ کبھی گجر سنگھ کی طرف دیکھتا اور کبھی اس کی درخواست کی طرف۔

اس موقع پر روشن ذہن نے بھی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بھی ایک مسلمان ہونے کے ناطے گجر سنگھ کی حرام کاریوں اور گالی گلوچ سے بہت تنگ تھا۔ اس نے بھی گجر سنگھ کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی۔

اس انگریز جج نے ولی خان کے کیس کی دوبارہ غیر جانبدار انکوائری کا حکم دیا اور پولیس کے اعلیٰ حکام کو لکھا کہ۔

"گجر سنگھ کی ایک درجہ تنزلی کر دی جائے۔"

مجھے اور کتیا کو رہا کر دیا گیا۔

مختصر یہ کہ غیر جانبدار انکوائری کے بعد ولی خان کو بھی باعزت بری کر دیا گیا۔ جب ولی خان کو رہا کیا جانا تھا۔ میں اس کی کتیا کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ جونہی کتیا نے ولی خان کو دیکھا تو خوشی سے اس نے منہ سے ہلکی سی "بف" کی آواز نکالی اور ولی خان کے قدموں میں لوٹنے لگی۔ وہ اس کے پاؤں چاٹنے لگی۔ ولی خان پیار سے اس کا سر سہلانے لگا۔ اب کتیا پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑی ہو کر اس کا منہ چاٹتی اور والہانہ پن کا اظہار کرتی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس نے گلے مل رہی ہو۔

انسان اور جانور کی یہ محبت اور ملاپ دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

"میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتا۔"

ولی خان میرے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ "تم نے پولیس میں ہوتے ہوئے بھی مجھ غریب اور بے آسرا بندے کی مدد کی۔ اس کا اجر تمہیں اللہ ہی دے گا۔"

"جب پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ولی خان!" میں نے اس سے کہا۔ "اسی طرح پولیس کے محکمے میں ہر کوئی بے ضمیر بے حس نہیں ہوتا۔"

جب ولی خان مجھ سے رخصت ہونے لگا تو اس کی کتیا شش و پنج میں پڑ گئی کہ وہ کس کے ساتھ جائے۔ وہ ولی خان کی وفاداری تھی اور میری احسان مند تھی کہ میں نے اس کی جان بچائی تھی اور اس کی خدمت کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ وہ لپک کر میری طرف بڑھی اور میرے ساتھ لاڈ پیار کرنے لگی...... میرے قدموں میں لوٹتی اور اٹھکیلیاں کرتی رہی اور پھر اپنی سرشت کے مطابق اپنی وفاداری کے مدنظر ولی خان کے ساتھ چل پڑی۔

میں یوں رنجیدہ سا کھڑا ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا جیسے میری عزیز از جان ہستی مجھ سے جدا ہو کر جا رہی ہو۔ کچھ دور جا کر کتیا نے مڑ کر میری طرف محبت پاش نظروں سے دیکھا اور منہ سے "بف" کی پیاری سی آواز نکالی جیسے کہہ رہی ہو خدا حافظ میرے محسن......!

اور پھر میں بوجھل دل کے ساتھ پلٹ آیا۔

☆☆

عصمت چغتائی جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ یہ ایسی ہی
معاشرتی کہانیاں لکھتی ہیں۔ جو اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔
ممبئی کی زبان میں ایک منفرد تحریر

ہمارا چاٹ والا

تحریر..... عصمت چغتائی

پولنگ بوتھ پر ایسی بھیڑ تھی جیسے کسی فلم کا پریمیئر ہو۔ ایک لمبا کیو لگا تھا۔ پانچ سال پہلے بھی اسی طرح ہم نے لمبے لمبے کیو لگائے تھے جیسے ووٹ دینے نہیں سستا اناج لینے جا رہے ہوں۔ ان چہروں پر اس کی پرچھائیاں تھیں۔ کیو لمبا ہی ہوتا گیا تو لگتی باسی سی آنے لگی۔ پھر لگا جیسے ذرا سے بیمار ہیں۔ کچھ تو اپنے چہروں سے کمزور ہی تھے۔ قسمت کی باگ ڈور انہوں نے ہاتھوں میں ہوتی۔ ہمارے لیڈر رو رو بوڑھے جائیں گے نہ۔

اے بائی! تم بھی ہو؟ بکھی بی چادر باندھے ایک عورت نے پیچھے سے ہاتھ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

ادھو رنگا کی بائی.....

رتی بائی! اور گنگا بائی؟ وہ بیچاری تو کبھی کی مر گئی ہے۔

چاربی ہے۔

ارے ہاں..... رمضے بے چاری کی جان سے ...

وہ تو پانچ سال پہلے قلابازی کھا گیا۔

مانتی کہ مستی کی سی ہے میں نے پوچھا۔

مانتی ہے رتی بائی نے مسکرا کر بتایا ہے۔

سالوں کو بہت منع کیا پر نہیں مانا تم کس کا ووٹ گٹر وبیٹ ڈالی ہے۔

تم کس کو ووٹ ڈالو گی؟ میں نے ایک دم سے پوچھا

ہمارا چاٹ والا کو اپنے گاؤں کا ہے۔

پانچ سال ہو گئے جب بھی تم نے اپنی چاٹ والا



کو دیا تھا ووٹ۔

ہاں بائی' پر وہ سالا کنڈم نکلا' کچھ نہیں کیا۔ رتی بائی نے منہ بسور کر کہا۔

اور یہ بھی تمہارا جات والا ہے۔

ہاں' پر یہ ایک دم فرسٹ کلاس۔ ہاں' بائی دیکھنا اپن کا کھیت چھوٹ جائے گا۔

پھر تم گاؤں جا کر دھان کو ٹا کرو گی۔

ہاں بائی۔ رتی بائی نے اپنی چندھی آنکھیں پٹ پٹائیں۔

پانچ سال ہوئے ہسپتال میں جب میری بچی پیدا ہوئی تو رتی بائی نے کہا تھا وہ اپنی جات والے کو ووٹ دینے جا رہی ہیں۔ چوپال پر اس نے ان سے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں وعدہ کیا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں طاقت آتے ہی کایا پلٹ جائے گی دودھ کی نہریں بہنے لگیں گی' زندگی میں سے شہد ٹپکنے لگے گا۔ آج پانچ سال بعد' رتی بائی کی ساڑھی پہلے سے بوسیدہ تھی' بالوں پر سفیدی بڑھ گئی تھی' آنکھوں کی وحشت دوچند ہو گئی تھی۔ آج پھر چوپال پر کئے ہوئے وعدوں کا سہارا لے کر وہ اپنا ووٹ دینے آئی تھی۔

بائی تم اس چھنال سے کائیکو اتنا بات کرتا۔ رتی بائی نے بیڈ پین سرکاتے ہوئے اپنی نصیحتوں کا دفتر کھول دیا۔

کیوں؟ کیا برائی ہے؟ میں نے بن کر پوچھا۔

ہم تمہارے کو بولا تھا نا چھوکری ایک دم کھراب ہے۔ سالی پکی بدمعاش۔ رتی بائی کی ڈیوٹی لگنے سے پہلے گنگا بائی نے بھی اپنی ڈیوٹی کے درمیان مجھے یہی رائے دی تھی کہ رتی بائی ایک دم لوفر ہے۔ اچھنال کی یہ دونوں آیائیں ہر وقت کچر کچر لڑا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی جھوٹم جھاٹا تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ مجھے ان سے باتیں کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔

کیا وہ اس کا سن کر بھائی تھوڑی ہے' اس کا یار ہے۔ اس سنگ سوتی ہے۔ گنگا بائی نے بتایا تھا رتی بائی کا میاں شولہ پور کے پاس ایک گاؤں میں رہتا ہے۔ تھوڑی سی زمین ہے۔ بس اسی سے چمٹا ہوا ہے۔ ساری فصل بیاج میں اٹھ جاتی ہے۔ تھوڑے سے روپے اور رہ گئے ہیں جو چند سالوں میں چکا جائیں گے۔ پھر وہ اپنے بال بچوں کے پاس چلی جائے گی اور وہاں مزے سے دھان کوٹا کرے گی۔ گھر میں مزے سے دھان کوٹنے کے خواب دونوں ایسے دیکھا کرتی تھیں جیسے کوئی ہیرے کے خواب دیکھتا ہو۔

مگر رتی بائی تم بمبئی میں پیسہ کمانے کیوں آگئیں؟ تمہارا میاں آ جاتا تو ایک بات بھی تھی۔

ارے بائی وہ کیسے آتا؟ کھیت جو چلا جاتا۔ میرے سے کھیتی باڑی نہیں سنبھلتی۔

اور بچوں کی دیکھ بھال کون کرتا ہے۔

ہے ایک رانڈ میری۔ رتی بائی نے دو چار گالیاں نکالیں۔

دوسری شادی کر لی ہے تمہارے میاں نے؟

اینہ! سالا دوسری شادی کیا کرے گا' رکھیل ہے۔

اور جو تمہارے پیچھے مالکن بن بیٹھی تو؟

کیسے بنے گی؟ مار مار کر بھوسا نہ بھر دیں گے! بیاج نمٹ جائے پیچھے چلے جائیں گے ہم۔

معلوم ہوا رتی بائی خود اپنی پسند کی ایک لاوارث عورت میاں اور بچوں کی خبرگیری پہ چھوڑ آئی ہیں۔ جب کھیت چھوٹ جائے گا تو پھر گرہستن بن کر دھان کوٹنے چلی جائیں گی۔

رکھیلی کا کیا ہوگا؟ اسے کوئی دوسرا میاں مل جائے گا جس کی بیوی ممبئی میں پیسہ کمانے آئی ہوئی ہے اور بال بچے دیکھنے والا کوئی نہیں۔

اس عورت کا میاں نہیں؟ میں نے پوچھا۔

ہے نہیں تو۔

تو وہ اس کے پاس نہیں رہتی۔

اس کے کھیت خورد برد ہو گئے۔ اس کا میاں کسان مزدور ہے، مگر سال میں آٹھ مہینے چوری چکاری کرتا ہے یا بڑے شہروں کی طرف نکل جاتا ہے، بھیک مانگ کر دن بتاتا رہتا ہے۔

اور بچے؟

ہیں نہیں تو چار بچے ہیں یا تھے۔ ایک تو ممبئی میں ہی کھیل رل گیا، کچھ پتا نہیں کہاں گیا، چھوکریاں بھاگ گئیں، چھوٹا بچہ ساتھ رہتا ہے۔

تم کتنا روپیہ گاؤں بھیجتی ہو رتی بائی؟

اکھا چالیس۔

تمہاری گزر کیسے ہوتی ہے پھر؟

ہمارا بھائی سنبھالتا ہے۔ وہی بھائی جس کے بارے میں گنگا بائی کہہ رہی تھیں کہ ان کا فرنڈ ہے۔

تمہارے بھائی کے پاس بچے۔

ہیں نہیں تو۔

ہاں؟ گزارو دن میں؟

ہاں، پونا کے پاس ایک جگہ ہے اس کا بڑا بھائی کھیتی سنبھالتا ہے۔

یعنی تمہارا بڑا بھائی۔ میں نے چڑانے کو پوچھا۔

ومنت۔ "ہمارا" بھائی کاہے کو ہوتا۔ کیا بائی تم ہمارے کو سالا چھنال سمجھتا۔ ہم گنگا بائی سری نہیں ہے۔ معلوم مہینے میں چار دن سے جاتی کسی کے ساتھ نہیں بی۔ ہاں کوئی پھٹا پرانا کپڑا ہو تو اس بدماش کو مت دینا، میرے کو دینا، ہاں۔

رتی بائی۔

ہاں بائی۔

تمہارا بھائی تم کو مارتا ہے؟

سالا گنگا بائی بولا ہوئیں گی۔ نہیں بائی، ابھی نہیں مارتا۔ کبھی کبھی بہت لاہو ہوتا ... سوچنی لاؤ بھی کرتا۔

لاڈ بھی کرتا ہے؟

کرتا نہیں تو۔

مگر رتی بائی تم اسے بھائی کیوں کہتی ہو کمبخت کو؟ رتی بائی ہنسنے لگیں۔

بائی ہمارے میں ایسا ہی بولتے۔

مگر رتی بائی چالیس روپیہ پگار ملتی ہے تو پھر دھندا کاہے کو کرتی ہو؟

اس بن کیسے پورا پڑے۔ پانچ روپیہ کھولی کا بھاڑا کے تین روپیہ لالہ کے۔

یہ لالہ کو کاہے کے دیتی ہو؟

اکھا چالی کا عورت لوگ دیتا ہے، نہیں تو نکل

زیادہ ہے۔

دھندا جو کرتی ہو اس لیے؟

ہاں نانی۔ زری نانی کچھ جھینپ گئیں۔

اور تمہارا بھائی کیا کرتا ہے؟

نانی بولنے کی بات نہیں بان۔ وارڈ کا دھندا اپنا بکھوتا دھندا ہے جو پولیس کو پیسہ نہیں بھرتے سو تڑی پار۔

یعنی شہر بدر۔

ہاں نانی۔

اتنے میں نرس نے آکر زری نانی کو ڈانٹا۔

کیا جیسی باتیں سنا رہی ہے۔ نکل جا نمبر (1) اس بیچ میں پڑا ہے۔ زری نانی اپنے پیلے دانت نکوستی بھاگیں۔

آپ کیا ان لوفر عورتوں سے گھنٹوں باتیں کیا کرتی ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے ورنہ پھر بلیڈنگ شروع ہو جائے گی۔ نرس نے بچی کو جھنجھوڑے سے نکال لیا اور چلی گئی۔

شام کو گنگا نانی کی ڈیوٹی تھی۔ بغیر گھنٹی بجائے خود ہی آن دھمکیں۔

بیٹھو گنگا نانی۔

نہیں گنگا نانی بیٹھو۔

رانڈ سسٹر بوم مارے گی۔ کیا بولتی تھی تمہارے کو؟

کون سسٹر؟ بولتی تھی آرام کرو۔

سسٹر نہیں اور زری نانی۔

زری بھی کی دوپٹہ لال گنگا نانی کو خوب مار آتا ہے۔

میں نے چھیڑا۔

مارے گی وہ سالا ہمارے کو کیا مارے گی۔ گنگا نانی میرے پاؤں پر ہولے ہولے مٹھیاں مارنے لگیں۔

نانی میرے کو [illegible] تمہارے بیٹی ہی جنی نانی؟

ارے نہیں تو۔ گنگا نانی نے زور سے پنڈلی پر ہاتھ مارا۔

سالا سنیچر ... بوم مچے گی۔ بہت کھٹ کھٹ کرتی ہے۔

گنگا نانی۔

ہاں نانی۔

تم اپنے گاؤں کب واپس جاؤ گی؟

گنگا کی چمکیلی سیاہ آنکھیں دور کھیتوں کی ہریالی میں کھو گئیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور بڑی دکھی آواز میں بولی۔

آرام کرنے کا، بس ایک بار فصل زعفران بالی کی ہو جاوے۔ بس نانی پھر اپن چلا جائے گا۔ اگلے سال باڑھ آ گئی سارا دھان بکھرا ہو گیا۔

گنگا نانی تمہارے بچوں کو تمہارے دوستوں کے بارے میں پتا ہے؟ میں نے کریدا۔

کیا بات کرتا ہے نانی۔ گنگا نانی گم سم سی ہو گئی۔ اسے کچھ جھینپ سی معلوم ہو رہی تھی۔ انہوں نے فوراً بات بدلی۔

نانی تمہارے کو دو چھوکری ہو گیا، بیٹا کیسا کرنے کا؟

کون بیٹا؟ میں نے چکرا کر پوچھا۔

"تمہارا ایک دوسری شادی بنا لے گا تو؟"

"جو وہ دوسرا شادی بنائے گا تو ہم بھی دوسرا شادی بنا لے گا۔"

"تمہارے لوگ میں ایسا ہوتا؟" "ارے بائی ہم سمجھا تم کوئی اونچا جات کا ہے۔"

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گنگا بائی اونچا جات والا کا رزق ناراض کرتی ہیں۔ میں نے بہت بھلے کی کوشش کی کہ گنگا بائی سمجھ جائیں مگر ان کا خیال تھا کہ دوسری لڑکی کی پیدائش پر ضرور میری شامت آئے گی۔ اگر سیٹھ میری خفگی نہ کرے تو سخت مگر کا ابھی بیٹھنا سب ہے۔

اسپتال میں پڑے رہنا قید تنہائی سے کچھ کم نہیں۔ دو گھنٹے شام کو ملنے جلنے والے آجاتے۔ اگر اسپتال میں یہ دونوں نہ ہوتیں تو شاید دم ٹوٹ جاتا۔ دونوں معمولی سی رشوت لے کر ایک دوسرے کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتایا کرتیں۔ ایک دن میں نے رتی بائی سے پوچھا۔

"اے رتی بائی تم مل میں کام کرتی تھیں، کیوں چھوڑ دیا؟"

"ارے بائی سالا مل میں بڑا لفڑا تھا۔"

"کا ہے کا لفڑا!"

"اے بائی ایک تو کام ایک دم بھاری پر کبھی چلتا، پر بائی وہ مہینہ کے بعد چھٹی کر دیتے۔"

"کیوں؟"

"دوسرا بائی لوگ کو رکھتے۔"

"بھئی وہ کیوں؟"

کارخانے کے قانون کا چھ مہینہ ہو جانے ... [illegible]

بحال کر ہو جاوے۔

اور سو سنیں ہیں۔ یعنی ہر دو مہینے، تیسرے مہینے پیا مختلف بدلتا رہتا ہے۔ اگر مستقل ہو جائے ایک دکاندار تو فیکٹری لا کے مطابق اسے بیماری کی چھٹی، زچگی کی چھٹی لینے کا حق مل جاتا ہے۔ اس لیے ہر دو مہینے کے بعد ادل بدل کر دی جاتی ہے۔ سال میں ایک مزدور کی مشکل سے چار مہینے آمدنی ہوتی ہے۔ باقی کے دن گاؤں واپس لوٹ جاتی ہیں۔ جن کی اتنی حیثیت نہیں وہ دوسری ملوں کے چکر کاٹتی ہیں۔ بعض سبزی ترکاری کی ڈھیریاں لگا کر فٹ پاتھ پر بیٹھ جاتی ہیں۔ فٹ پاتھ پر اپنی اپنی جگہ کے لیے خوب دنگا، کھینچ ہوتا ہے۔ بغیر لائسنس کے بیچتی ہیں۔ اس لیے کچھ نکڑ کے سپاہی کو کھلانا پڑتا ہے، اس پر بھی کبھی کوئی انجانا افسر آجاتا ہے تو بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ کچھ سامان جھولیوں میں سمیٹ کر کسی گلی میں سٹک جاتی ہے، کچھ پکڑی جاتی ہیں اور واویلا کرتی ہیں۔ پولیس تھانے لے جاتی ہیں۔ مطلع صاف ہوتے ہی پھر چھچھورا بچھا کر دکان سجاتی ہیں۔ بکھا اور بھی چالاک ہوتی ہیں۔ جھولوں میں چار چھ ٹیڑو دو چار بھیجے بکرے بازار میں ایسے گھومتی ہیں جیسے خود خریدار ہیں۔ نظر بچا کر گزرنے والے سے چپکے سے کہتی ہیں۔

"او بھائی بھٹلیو، ایک ایک آنہ ایک بکری ہو جاتی ہے۔"

اس وقت ترکاری خریدنا گویا چنے کی پڑیاں دینا ہے۔ ... [illegible]

بھیک مانگنے لگتی ہیں۔ دوڑتے بھاگتے دھندا بھی کرتی جاتی ہیں۔ اپنی دانست میں سولہ سنگھار کیے منہ میں بیڑا دبائے یہ لوگ نیم تاریک ریلوے اسٹیشن کے آس پاس ٹہلا کرتی ہیں۔ گاہک آتا ہے' کچھ اشارے کنائے ہوتے ہیں' سودا پٹ جاتا ہے۔ یہ گاہک عموماً" اتر ویش کے گھر چھوڑ کر آئے ہوئے دودھ والے یا بے گھر بے در مزدور ہوتے ہیں جن کی بیویاں گاؤں میں ہوتی ہیں' یا ازلی کنوارے ان کا گھر بار یہی گندی گلیاں اور فٹ پاتھ ہیں۔

صبح گنگا بائی اور رتی بائی میں باقاعدہ برآمدے میں فری اسٹائل کشتی ٹھن گئی۔ رتی بائی نے گنگا بائی کا جوڑا کھسوٹ ڈالا اور اس کے جواب میں گنگا بائی نے رتی بائی کا منگل سوتر توڑ ڈالا۔ منگل سوتر' کالی پوتھ کا باریک سا کنٹھا رتی بائی کے سہاگ کی نشانی۔ رتی بائی ایسے بھوں بھوں کرکے روئیں جیسے انہیں بیوہ کردیا ہو۔ لڑائی کی بنیاد رتی بائی کے وہ کپڑے تھے جو مریضوں کے زخموں کی رطوبت پونچھ کر پھینکے جاتے ہیں۔ یا پاؤں کے استعمال کی روئی۔ میونسپلٹی کا حکم ہے کہ یہ روئی احتیاط سے جلادی جائے مگر معلوم ہوا رتی بائی اور گنگا بائی چپکے سے یہ روئی نکال کر' دھو کر' پوٹلی باندھ کر لے جایا کرتی تھیں۔ چونکہ آج کل تعلقات کچھ زیادہ کشیدہ تھے گنگا بائی نے ہیڈ سے شکایت کردی۔ رتی بائی نے گالیاں دیں جو ہاتھا پائی میں تبدیل ہوگئیں۔ دونوں نکال دی جاتیں مگر ہاتھ پاؤں جوڑے تو ہیڈ نے بات دبادی۔

رتی بائی ذرا عمر والی اور چپ چپ سی تھیں۔ گنگا بائی نے ان کی خوب ٹھکائی کی۔ دوپہر کی سوجی ہوئی ناک لیے جبیں پر چین رکھے آئیں تو میں نے پوچھا۔

رتی بائی اس گندی روئی کا کیا کرتی ہو؟

دھو کر سکھا لیتے ہیں۔ ایک دم صاف ہو جاتی ہے۔

پھر؟

پھر روئی والے کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

کون لیتا ہے۔ یہ جراثیم بھری روئی؟

میٹرس والا جو صاف لوگ کا فرنیچر کا گدا بناتا ہے۔

اف میرے جسم پر سوئیاں کھڑی ہوگئیں۔ ایک دفعہ میں نے ہیڈ کے صوفے کی روئی دھنکوانے کو نکلوائی تو کالی سیاہ۔ تو وہ یہی زخموں کی روئی تھی۔ اللہ میری بچی کا گدا بھی ایسی روئی کا ہے میری پھول سی بچی اور یہ جراثیم کے ڈھیر ہائے گنگا بائی' رتی بائی تمہیں خدا سمجھے۔

آج جو تک ہوتا چلا تھا۔ رتی بائی بھری بیٹھی تھیں۔ گنگا بائی چونکہ ذرا نسبتاً "جوان تھیں۔ رتی بائی انہیں اپنے سے زیادہ گناہگار سمجھتی تھیں۔ کچھ دن پہلے انہوں نے رتی بائی کا خاص مستقل گاہک بھی توڑ لیا تھا۔ وہ تمام پیٹ جو گنگا بائی وقتاً فوقتاً" ضائع کراتی رہتی تھیں' نالے میں جو جیتا جاگتا بچہ چھوڑ آئی تھیں' جو آنول نال سمیت بہ وال دینے کے بعد بھی سسکتا رہا۔ صبح نالے کے پاس ایک خلقت جمع تھی۔ اگر رتی بائی چاہتی تو صاف

پکڑا دیتی گنگا کو' مگر اس نے راز کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور گنگا بائی کا دیدہ دیکھو فٹ پاتھ پر بیٹھی کچے بیر اور امرود کی ڈھیریاں بیچتی رہی۔

رتی بائی کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے اس دوستی میں تو تم اسپتال کیوں نہیں چلی جاتیں۔

کاہے کو جاوے اسپتال؟ ہمارے میں بہت بائی لوگ ہے' ڈاکٹرز کا مالک ایک دم فرسٹ کلاس۔

دوائی دیتی ہیں کوئی؟

اور کیا' فسٹ کلاس دوائی دیتی۔ مٹھی بھی چلتی ہے پن مالش ایک دم اچھی۔

یہ مٹھی اور مالش کیا بلا ہوتی ہے؟

بائی تم نہیں سمجھے گا۔

رتی بائی ذرا شرما کر ہنسنے لگیں۔ میرے ڈسٹنگ پاؤڈر کے ڈبے پر وہ کئی دن سے منڈلا رہی تھیں جب میرے لگاتی ذرا سا ہتھیلی پر ڈال کر اپنے گلوں پر رگڑ لیتیں۔ میں نے سوچا ان کا منہ کھلوانے کے لیے یہ ڈبہ کافی ہوگا۔ میں نے ڈبہ پیش کیا تو بوکھلا گئیں۔

نہیں بائی ہشٹر مار ڈالے گی۔

نہیں مارے گی۔ میں اس سے کہہ دوں گی مجھے اس کی بو پسند نہیں۔

چہ.... ارے کیا ایک دم فسٹ کلاس باس بولتا ہے۔ ارے بائی تمہارا تو مستک پھریلا ہے۔

بڑے اصرار کے بعد رتی بائی نے مجھے مالش اور مٹھی کی تفصیل بتائی ابتدائی دنوں میں تو مالش کارگر ہوتی ہے۔ فسٹ کلاس ڈاکٹرز کا مالک بائی مریضہ کو زمین پر لٹا کر چھت سے لٹکی ہوئی رسی یا کسی لاٹھی کے سہارے اس کے پیٹ پر کھڑی ہو کر خوب کھوندتی ہے۔ یہاں تک کہ آپریشن ہو جاتا ہے۔ یا اسے دیوار کے سہارے کھڑا کر کے بائی پہلے اپنے سر میں خوب کنگھی کر کے کس کے جوڑہ باندھ لیتی ہے۔ پھر چلو بھر کڑوا تیل سر پر ڈال کر مریضہ کے پیروں کو مینڈھے کی طرح ٹکراتی ہے۔ سخت جان محنت مزدوری کرنے والی بعض نوجوان عورتوں پر اس کا بھی کبھی کبھی کچھ اثر نہیں ہوتا' تب مٹھی کی نوبت آتی ہے۔ بے دھلے گندے میل بھرے ناخن والے ہاتھ کو تیل میں ڈبو کر جسم میں سے دھڑکتی ہوئی جان کو توڑ کر نکال لیا جاتا ہے۔

عموماً" آپریشن پہلے وار میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بائی اناڑی ہو تو کبھی صرف ایک ہاتھ ٹوٹ کر آ جاتا ہے' کبھی گردن بچ جاتی ہے اور کبھی جسم کا وہ حصہ بھی گھسٹتا چلا آتا ہے جسے اندر ہی رہنا تھا۔

مالش سے بہت زیادہ موتیں نہیں ہوتیں۔ ہاں عموماً" مریضہ مختلف امراض کا شکار ہو جاتی ہے۔ جسم جگہ بے جگہ سے سوج جاتا ہے۔ مستقل گھاؤ بن جاتے ہیں جو رستے رہتے ہیں۔ بخار رہنے لگتا ہے۔ جان پر کھیل کر اور عموماً" بائی لوگ جان پر کھیل جاتی ہیں۔ جو بچ رہتی ہیں کچھ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں' کچھ چند سال گھسٹ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اور رتی بائی نے کہا کیسی سزا ہے ان بدقماش عورتوں کی۔ مرنا تو چاہیے ان کو۔

مجھے بڑے زور سے قے ہوتی اور رتی بائی' جو چٹخارے لے لے کر سنا رہی تھیں' بوکھلا کر

بجھا لگتی ہے۔ مضمحل خلا میں تیرتی ابھرتی لہروں میں مجھے وحشت ہونے لگی گویا لمحہ لمحہ انسان کو جنم دینے کی آتی چھپکلی مرتے سلسلے میں نئے خنوزگی میں ڈوبتے ہوئے سو جاتا۔

تو خوف سے میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ رتی بائی کی کھنچی ہوئی تصویروں میں تخیل نے رنگ بھرا اور گنگا بائی ترقی ہوئی۔ کھڑکی کے پردے کا سایہ دیوار پر پڑا اور پل بھر دیکھتے دیکھتے سایہ گنگا بائی کی لاش میں ڈھل گیا۔ خون میں نہائی ہوئی لاش کی طرح تڑپنے لگا۔ ایک بھیانک سے ناخنوں والا آہنی شکنجہ دماغ میں گھسا اور سر کو اٹھا کر لیا۔ ایک آواز میں ننھی ننھی ان گنت آوازیں رکی ہوئی گہرائی خون میں غلطاں و پیچاں۔ میں نے چیخنا چاہا، کسی کو پکارنا چاہا مگر حلق سے آواز نہ نکلی۔ میں نے کچھ سوچ کر لیے ہاتھ بڑھایا مگر جنبش نہ ہوئی۔ خاموشی میرے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔

اچھال کر فضا میں جیسے کسی مقتول کی ایک ایک چیخیں میرے کمرے سے آتی ہیں جیسے تنہائی میں نے دیکھا مشکل سے اچھلنے میں مشکل رہا تھا۔

کوئی خطیب دکھائی دیا۔ نرس نے مجھے ہارفیا کا انجکشن دے دیا۔ میں نے بہت کہنا چاہا۔ نرس مجھے ہارفیا دو۔ دیکھو سامنے گنگا بائی کی لاش خون میں نہائی ہوئی صلیب پر پڑی تڑپ رہی ہے۔ اس کی چیخیں میرے دماغ میں گونج کر

[illegible]

ماہ حیرت

مشہور و معروف پینٹنگ مونا لیزا ... کی کے ... سے چوری کر لی گئی تھی اور دو سال تک اس کا سراغ نہ مل سکا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان دو سال کے دوران جتنے لوگ تصویر کی خالی جگہ دیکھنے کے لیے آئے تھے اتنے لوگ گزشتہ بارہ سال میں پینٹنگ کو دیکھنے بھی نہیں آئے تھے۔

دم توڑتے ہوئے بچے کی سسکیاں ہتھوڑے کی ضربوں کی طرح میرے دل پر پڑ رہی ہیں۔ میرے اعصاب پر ہارفیا کا پردہ نہ ڈالو۔ رتی بائی کو پولنگ پر تو چھوڑ جانا ہے۔ نئے مسٹر اس کے جات والے ہیں۔ اب بیان چک جائے گا اور گنگا بائی مرنے سے دھان کوٹنے کی۔ بے نیندی کی چادر میرے دماغ پر سے سرکا دو۔ مجھے جاگنے دو۔ گنگا بائی کے جیتے جیتے خون کے دھبے سفید چادر پر پھیلتے جا رہے ہیں۔ مجھے جاگنے دو۔

میرے سامنے بیٹھے ہوئے ڈاکٹر کی نرس نما شخص نے میرے بائیں ہاتھ کی انگلی پر نیلی روشنائی کا ٹیکہ لگایا تو میں جاگ پڑی۔

ہمارا جات والے کے ڈبے میں ڈالنا ہے۔ رتی بائی نے مجھے ہدایت کی۔

رتی بائی کے جات والے کا ڈبا ایک مجسم سنگی ذہن بن کر میرے دل و دماغ سے ٹکرایا اور میں نے اپنی پرچی اس ڈبے میں نہیں ڈالی۔

خوشخبری

پرانے ڈائجسٹ و رسائل فروخت کرنے والوں کے لیے خوشخبری

ہمارے ہاں پرانے ڈائجسٹ و رسائل اور ہر موضوع پر نئی کتب کی تمام ورائٹی نہایت رعایتی قیمت پر دستیاب ہے

خواتین، خوفناک، عمران، جاسوسی، سسپنس، سچی کہانیاں، نئے افق، مسٹری، ایڈونچر، کرن، شعاع، پاکیزہ، آنچل، سرگزشت، سچی کہانی، آداب عرض، دوشیزہ، جواب عرض، ریشم، حکایت، پاندچترالی، فیشن میگ، اشتہار ایڈ اسائل، لباس، فیشن، بچوں کا پرستان، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا، آنکھ مچولی، نونہال، جگنو، تعلیم و تربیت، مزیدار لطیفے، مہندی کے ڈیزائن، ڈریس ڈیزائن، بچوں کی اسلامی کہانیاں، پکوان کے حوالے سے کھانے پکانے کی خوبصورت کتب و رسائل، چھوٹی بڑی ایس ایم ایس اور چھوٹی بڑی شاعری نیز پرانے ڈائجسٹ و رسائل کی خرید و فروخت کے لیے ہمارے پاس تشریف لائیں۔

منصور حسین پرانے رسالوں والے

نزد شاہ عالم مارکیٹ نیا بازار کورٹ مارکیٹ دکان نمبر 9 لاہور

موبائل نمبر 0333-4765899

انجانی راہوں کے مسافر

تحریر...... انوار الحق طاہر

شاداب نگر سے آنے والی اس خاموش سنسان سڑک پر اچانک ان کی گاڑی رک گئی۔ تب گاڑی چیک کرتے ہوئے اچانک، چلنے والی تیز ہوا میں انسانی سسکی بھی شامل ہو گئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا وہ اپنا وہم سمجھتے ہوئے پھر کام میں لگ گئے مگر پھر اسی سسکی نے انہیں بے چین کر دیا وہ سیدھے کھڑے ہو گئے اور ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ وہاں کی کرب انگیز اداسی محسوس کر کے انہیں جھرجھری سی آ گئی۔

تیز ہواؤں کے سنگ زرد سوکھے پتے اڑ رہے تھے پتوں کی اداس آہٹ اور ہواؤں کی پراسرار سرسراہٹ سے ماحول پر عجیب سی کیفیت طاری تھی شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی سڑک کے کنارے یہاں سے وہاں تک لمبے لمبے درختوں کے اس ذخیرے پر خزاں پوری طرح تسلط جما چکی تھی۔ درختوں کے ننگے تنوں اور پتوں سے برہنہ شاخوں کے نیچے سوکھے پتوں کی چادر سی بچھی تھی جنہیں ہوا کے جھونکے بے چین کر رہے تھے ان درختوں کے بیچوں بیچ ایک درخت کے پیچھے سے سفید آنچل اڑتا نظر آ رہا تھا اور اسی درخت کے پیچھے سے سسکیاں بھی ابھر رہی تھیں وہ چونک اٹھے اور پھر گاڑی بند کر کے وہ اس جانب تیزی سے بڑھنے لگے درخت سے بازو اور سر ٹکائے بری طرح رو رہی تھی، جسم شاخ کی طرح لرز رہا تھا وہ خاموش اور خطرناک جگہ پر کسی لڑکی کا یوں آنسو بہانا بے معنی نہ تھا۔

"سنو!"

آواز میں حلاوت بھری تھی اس نے تڑپ کر سر اٹھایا اور انہیں خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی، اور پھر سے خوفزدہ ہرنی کی طرح بھاگتی چلی گئی سفید کاٹن کے شلوار سوٹ میں اس کا سراپا اس بھیگی شام میں بڑا عجیب اور پراسرار لگ رہا تھا۔ وہ اسے پکارتے ہی رہے مگر وہ درختوں میں کہیں روپوش ہو گئی، وہ چاہتے تھے کہ اس کا پیچھا کریں مگر اس وقت وہ بڑی جلدی میں تھے کیونکہ انہیں شہر جلد از جلد جا کر دوائیں لینا تھیں اور فوراً "شاداب نگر" واپس پہنچنا تھا۔ جہاں اماں بی کی صحت کا خیال آتے ہی وہ گاڑی کی طرف تیزی سے لپکے۔

اماں بی کیلئے جب دوائیں لے کر واپس آئے تو اس جگہ درختوں کے جھنڈ پر ان کی نظریں ٹک گئیں جن پر رات سایہ کیے ہوئے تھی انہوں نے گاڑی کی رفتار مدھم کر لی۔

جانے کیوں انہیں احساس ہوا کہ وہ لڑکی ضرور اس جنگل میں ماری ماری پھر رہی ہو گی تب انہیں اماں بی کی بیماری کا خیال آیا۔ تو انہوں نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

حویلی شاداب کے گیٹ ان کی آمد کے لیے کھلے تھے۔ وہ تیزی سے گاڑی گیراج میں لے گئے اور پھر طویل برآمدہ طے کر کے وہ اماں بی کی خواب گاہ میں آئے۔ خواب گاہ میں نیلا بلب روشن تھا جس کی روشنی میں چھوٹے چچا کی مائرہ کسی کتاب کا مطالعہ کرنے میں محو تھی۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی انہوں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اماں بی کی مسہری کی



طرف بڑھ گئے۔

"اماں! آپ ٹھیک ہیں؟"

مائدہ کی آواز خاموشی میں ابھری۔ وہ کتنی ہی دیر تک اماں بی پر جھکے انہیں چیک کرتے رہے اور پھر شہر سے لائی ہوئی دوائیوں میں سے انجکشن نکال کر اماں کو لگایا۔ یہ سب کام انہوں نے نہایت خاموشی سے نبٹایا اور پھر وہ مائدہ سے مخاطب ہوئے۔

"سب لوگ کدھر ہیں؟"

"کھانے کے کمرے میں" مائدہ نے کتاب کھولتے ہوئے بتایا۔

وہ نیم روشن راہداری طے کرتے ہوئے ڈرائنگ ہال میں آگئے لمبے چوڑے ڈائننگ ٹیبل پر گھر کے سب افراد جمع

تھے۔

"زین میاں اماں جان کو دیکھنا۔"

"جی ہاں اب ان کی حالت تسلی بخش ہے بڑے ابو خطرے کی کوئی بات نہیں۔"

کھانا کھانے کے بعد وہ بیڈ روم میں آ گئے وہ ابھی ایک مریض کی فائل دیکھ رہے تھے کہ تائی جان آ گئیں۔ انہوں نے فائل ان کے ہاتھ سے لے لی اور نائٹ بلب روشن کر کے باقی تمام لائٹیں گل کر دیں اور شال کندھوں پر درست کرتے ہوئے چلی گئیں۔ نرم گرم تکیے میں سر چھپا کر انہوں نے اپنی آنکھیں موند لیں مگر اسی لمحے ان کی بند آنکھوں میں کسی کا سفید آنچل لہرا گیا۔۔۔ دبی دبی سسکیاں ان کانوں میں گونج اٹھیں وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے کچھ دیر بالوں میں انگلیاں پھنسائے سوچتے رہے اور پھر الماری سے ٹارچ لے کر وہ باہر نکل آئے گیراج سے گاڑی نکال رہے تھے کہ بڑے ابو کے چھوٹے بیٹے انکل آ گئے۔

"یار کدھر جا رہے ہو اس وقت۔"

انہوں نے کھڑکی میں جھک کر پوچھا تو زین علی کے چہرے سے گہرا اضطراب جھلک رہا تھا۔

"ذرا ذخیرے تک جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟" وہ حیران سے بولے۔

"اس وقت رات نو بجے وہاں جانے کی کیا مصیبت پڑ گئی۔"

انکل بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر ان کے برابر آ گیا۔

زین علی نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"بھئی کچھ پتہ بھی چلے نو بجے کیا ذخیرے میں کسی چڑیل نے وقت دے رکھا ہے ملنے کا۔"

انکل سنجیدگی سے اکتا کر مذاق پر اتر آیا۔

"چڑیل نے نہیں بلکہ لڑکی نے؟" وہ ہونٹ بھینچ کر بولے۔

"کیا؟"

انکل اچھل پڑے۔

"ہاں" وہ آہستہ سے بولے اور پھر پوری بات بتا دی۔

تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے تمہیں اس وقت اس لڑکی کا پیچھا کرنا چاہیے تھا۔ مگر انا کی وجہ سے مجھے اسے نظرانداز کرنا پڑا اور میں اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے ایک مجبور اور دکھی لڑکی کی مدد نہیں کی۔

لیکن تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ ابھی تک ذخیرے میں ہی ہوگی۔

"انکل دیکھو اس ذخیرے کے آس پاس کوئی بستی یا آبادی نہیں سوائے شاداب نگر کے اور اگر وہ کہیں جاتی تو صرف شاداب نگر۔۔۔ مگر وہ شاداب نگر نہیں گئی، ضرور وہ ذخیرے میں ہوگی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ مجھے پکار رہی ہو۔"

"جی۔۔۔ ہاں روایتی عاشقوں کی طرح۔"

ذخیرے سے کچھ دور انہوں نے گاڑی روک لی پورے اندھیرے کی چادر تنی ہوئی تھی۔

ذخیرے کی خوفناک خاموشی جانوروں کی آوازوں سے کچھ اور پر اسرار ہو گئی تھی مگر اندھیرا جنگل کے تمام دہشت اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھے وہ ٹارچ روشن کر کے ذخیرے میں گھومنے لگے اس دہشت انگیز ماحول میں ٹارچ کی مدھم روشنی بھی کانپ رہی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھ رہے تھے سوکھے پتے ان کے پیروں تلے چرچراہٹ پیدا کر رہے تھے کافی دیر وہ ادھر ادھر پھرتے رہے۔

"یار تم کیا ہوا ہے؟" انکل نے گھڑی کے چمکتے ڈائل پر نظر ڈالی۔

"سوا دس بج رہے ہیں۔"

"زین تمہارے خیال میں جنگل کی اس وحشت ناک اور پر اسرار خاموشی میں وہ لڑکی ابھی زندہ ہوگی اس خطرناک تنہائی میں وہ بے خوف کے کبھی سلامت نہیں رہ سکی ہوگی مگر اسی لمحے۔۔۔ ان کی ٹارچ کی سفید روشنی میں سراپا لہرا دیا۔

تھا۔ وہ درخت کے سہارے نیم دراز تھی۔ چہرے پر کرب کی سی کیفیت تھی جیسے وہ بہت بڑی تکلیف سے دوچار ہو۔ اس نے ہاتھ سے وہ جگہ دبا رکھی تھی۔ [illegible] آنکھیں بند تھیں مگر [illegible] تیز روشنی پڑتے ہی وہ گھبرا کر دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے ابھرے ہوئے تھے۔ ذہن میں تیز خوف کے سائے تھے۔

"کون؟" وہ کانپتی آواز میں بولی۔ تب زین تیزی سے آگے بڑھے۔ "گھبرائیں مت۔ ہم تمہاری مدد کو آئے ہیں۔"

ٹارچ کی روشنی ایک زمین پر پڑ رہی تھی۔ [illegible] انکل نے تمام [illegible] "پہچان" [illegible] جھکایا تھا۔ وہ تشویش سے بولے۔

"ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟"

"سانپ نے کاٹ لیا ہے۔" وہ تکلیف کی شدت سے گزر کر بولی۔ اس کے چہرے پر ایک پسینے کی بوندیں ابھر رہی تھیں۔ زین نے جلدی سے اس کے گلے میں پڑا ہوا دوپٹہ کھینچا اور اس کے ٹکڑے بنا کر زخم کے اوپر اور کس کر مضبوطی سے باندھ دیے اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کسی تیز دھار چیز کو تلاش کرنے لگے۔ انکل نے بھی اپنی جیبیں ٹٹولیں مگر کچھ نہ ملا تب زین نے لڑکی کے بازو میں پڑی سرخ کانچ کی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ لڑکی کی درد سے [illegible] اٹھی۔ [illegible] چوڑی کے ٹکڑے سے زین نے زخم [illegible] کیا [illegible] خون آہستہ آہستہ بہنے لگا۔ پھر لڑکی کو سہارا دے کر وہ جنگل سے باہر آنے لگے مگر تھوڑی دور جانے کے بعد وحشت اور کمزوری سے [illegible] لڑکی [illegible] گر [illegible] زین نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر زین نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"دیکھو انکل [illegible] تھوڑی جلدی [illegible]" انہوں نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے انکل کو ہدایت کی۔ لڑکی کی بند ہوتی آنکھیں دیکھ کر انکل نے اسے باتوں میں لگانا چاہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"نین ہے۔۔ سارا۔" وہ بڑی مشکل سے بول پائی۔

"کہاں رہتی ہو۔۔؟"

"ک۔۔۔ کہیں کی نہیں۔۔۔ میرا کوئی نہیں ہے" [illegible] ہوئے اس کی [illegible] شیشے کی طرح [illegible] آنکھیں [illegible] ۔۔۔ وہ بند ہو گئیں۔

"تقدیر [illegible]" وہ آنکھوں سے [illegible]

تب حویلی کے گیٹ پر روشنی [illegible] مستقل [illegible] انہیں تو انکل نے اطمینان کا سانس لیا [illegible] کو اپنے کلینک میں لے گیا جو حویلی [illegible] تھا۔

اور [illegible] پوری رات حویلی [illegible] طرح [illegible] لڑکی کی زندگی [illegible] پوری طرح اس کے علاج میں [illegible] ایک کونے میں بیٹھے پوری کارروائی دیکھ رہے تھے۔

صبح ہونے سے پہلے حویلی [illegible] کی [illegible] انہوں نے [illegible] معلوم کیا۔ لڑکی کو ہوش آتے ہی [illegible] کے ورثا تک پہنچا دو۔" زین [illegible] بھائی [illegible] چلے گئے۔

☆☆☆

سحر کا اجالا [illegible] رہا تھا۔ انکل آرام کرسی پر [illegible] کمرے میں بیٹھے [illegible] انہیں [illegible] آنکھوں سے [illegible]

طرح چمکتے ہوئے تھے جن کے کونے پر دائیں طرف کالا نل نمایاں تھا جس نے چہرے کے سندر پن کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔ چھوٹی سی اونچی ناک میں سفید کیل چمک رہی تھی۔

"میں نے کہا زین صاحب واپس آ جائیے"

"انکل نے ان کی آنکھوں کے آگے اپنا سفید رومال لہرایا"

اچھا یار اب تم جانو اور تمہارا مریض --- ہم تو چلے لمبی نیند کے مزے لوٹنے، رات بھر جاگ کر اچھی خاصی طبیعت خراب ہو گئی ہے" وہ شوخی سے بولے اور پھر چلے گئے تب ہی اس کی پلکوں نے ہلکی سی جنبش لی اس کی اٹھتی گرتی پلکیں دیکھ کر وہ اس کے قریب چلے گئے --- سارا نے آنکھیں کھول کر اجنبی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا پھر اس کی نظریں ان پر ٹک گئیں اور پھر اسے تمام باتیں یاد آ گئیں۔ اس کے چہرے سے دکھ اور کرب جھلکنے لگا۔

"دیکھو سارا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کو اب کوئی پریشان نہیں کر سکتا"

"آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

"یہ میرا کلینک ہے اور کلینک کے ساتھ ہی ہماری حویلی ہے جس میں ڈھیروں لوگ رہتے ہیں اب آپ تنہا نہیں ہیں بہت سے لوگوں کے درمیان ہیں" زین علی نے اسے دلاسا دیا۔

"یہ لیجئے دوا پی لیں" تب انہوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

جب آپ خود کو بہتر سمجھیں تو اپنی کہانی بلا خوف و خطر بیان کر دیجئے گا" انہوں نے ہولے سے مسکرا کر کہا مگر سارا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

تب ہی حویلی کی ڈھیروں لڑکیاں کمرے میں چلی آئیں اس اجنبی لڑکی کو دیکھنے اور ملنے زین علی نے سب کا تعارف اس سے کروایا سب کو ملنے کے بعد اس کے چہرے پر سکون سا چھا گیا اور ایک بار پھر وہ ہولے ہولے نیند کی وادی کی طرف لوٹ گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

اماں اپنی آرام گاہ میں ایک شان سے بیٹھی تھیں سفید تخت پوش پر قطار در قطار کئی گاؤ تکیے پڑے تھے جن نے سارے اماں خواص اور جانی دار دوپٹے میں کسی ملکہ کی ملکہ جیسی آن بان لئے بیٹھی تھیں۔ چاندی کا پان دان قریب ہی پڑا تھا تخت کے ساتھ کئی کنیزیں قطار میں کھڑی تھیں اماں کے چہرے پر جلال ہی جلال تھا جب ہی ان کے حکم کے مطابق سارا ان کے کمرے میں داخل ہوئی پان چباتے چباتے ان کا منہ رک گیا اور ہاتھ بے اختیار تخت پر پڑے چشمے پر جا گیا۔ چشمہ لگا کر انہوں نے سارا کو اوپر سے نیچے تک ایک گہری نظر سے دیکھا اور پھر پان چبانے لگیں۔

"بیٹھ جاؤ" --- سارا کو حکم ملا --- کانپتی ٹانگوں کے ساتھ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ مگر سنو! ہم افسانہ سننے کے نہیں بلکہ حقیقت سننے کے عادی ہیں بہتر ہے اپنے بارے میں صاف صاف بتاؤ ان کی آنکھوں میں حقارت ہی حقارت تھی تب وہ جھکی جھکی آنکھوں سے اپنے بارے میں بتانے لگی ...

سارا جب چند ماہ کی تھی جب ہی ایک حادثے میں اس کے باپ کی آنکھیں ضائع ہو گئیں اچھی خاصی ملازمت جاتی رہی تب اس کی امی نے سلائی کر کے گھر کو چلایا کئی سال تک محنت کر کے وہ اپنے شوہر کے علاج کے لئے کچھ روپیہ جمع کر سکیں۔

شوہر کا آپریشن ہوا مگر ناکامیاب نہ ہو سکا انہوں نے ایک بار پھر سلائی شروع کر دی کیونکہ اب کی بار مقصد سارا کی بہترین تعلیم و تربیت تھا شوہر نے چند سال اور ساتھ دیا نابینا پن کے روگ نے انہیں زیادہ دیر زندہ نہ چھوڑا اب وہ تھیں اور سارا --- جو اب ہولے ہولے جوانی کی طرف قدم بڑھا رہی تھی ان کی محنت نے ان کو تلی کمزور دیا تھا کھانسی اور سر درد نے ان کو سلائی کرنے کے قابل بھی نہ چھوڑا تھا سارا ماں کی حالت دیکھ کر کانپ جاتی بی اے میں آ کر سارا کے اخراجات اور بڑھ گئے اور مکان کا کرایہ بھی تب بیگم سلمان

کے کہنے پر وہ ان کے بنگلے میں آگئیں بیگم سلمان کے کپڑوں کی وہ کتنے عرصہ سے سلائی کرتی چلی آرہی تھیں اور اب ان کی سلائی کے علاوہ انہوں نے ان کے گھر کا کام بھی سنبھال لیا بیگم سلمان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا وقار۔ بہنوں اور ماں کے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے بہت بگڑ گیا تھا۔ سارا کو اس سے بہت زیادہ خوف محسوس ہوتا تھا کیونکہ اپنے اوپر پڑنے والی وقار کی ہر نظرات عجیب لگتی تھی مگر وہ مجبور تھی جب تک کہ بی اے کے بعد اسے کوئی ملازمت نہ مل جاتی وہ یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی تھی مگر اچانک اس رات اس کی امی کی طبیعت خراب ہو گئی اور مسلسل ایک ہفتہ بیمار رہنے کے بعد وہ اسے دنیا میں بالکل تنہا چھوڑ کر انجانی راہوں میں گم ہو گئیں جن سے پلٹ کر کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔۔۔ سارا سسکتی رہ گئی بیگم سلمان نے بہت دلاسا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے امتحانات شروع ہونے والے تھے ماں کی جدائی کا غم کسی حد تک کم ہو گیا امتحانات کی مصروفیات میں اس روز کالج سے واپس آئی تو گھر پر کوئی نہ تھا بیگم سلمان غالباً بیٹیوں کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھیں شام تک وہ تنہا گھر میں رہی رات بھی ہو گئی مگر کوئی نہ آیا تب وقار آگیا۔

"سب کہاں ہیں؟" وہ عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا جب اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ چلا گیا رات جانے کون سا پہر تھا کہ جب دروازہ بجا۔ اس نے اٹھ کر کھولا آنے والے نے اس کے منہ پر رومال ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔۔۔

☆ ☆ ☆ ☆

سارا کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اجنبی ماحول میں پایا۔ پرانی طرز کے بنے ہوئے اس کمرے کی کھڑکیوں کے آگے سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ جس کے پار وقار چند لڑکوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ تب وہ ساری بات سمجھ گئی۔۔۔ انہی لڑکوں میں سے ایک نے نوٹوں نوٹ وقار کی طرف بڑھایا ہے۔ "گن لو پورے دس ہزار روپے ہیں" وہ ہنسا وقار نے نوٹ گنے اور اٹھ گیا۔ "ٹھیک ہے مگر اس کو لے کر کہاں جاؤ گے" اس نے پوچھا۔

"یہاں سے بہت دور پہاڑوں میں۔۔۔ علاقہ غیر"

"تو یہ میری قیمت ادا کر کے گئے۔۔۔" اس نے چکراتے ہوئے سر کو تھام کر سوچنا چاہا مگر اگلے ہی لمحے وہیں فرش پر چکرا کر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا تو وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑی تھی۔ اور گاڑی کی اگلی سیٹ پر وہی دونوں لڑکے تھے اور گاڑی انجانی راہوں کی طرف تیزی سے جا رہی تھی۔ وہ بے بسی سے مسلسل آنسو بہاتی رہی۔۔۔ گاڑی اچانک دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"یار اب تھوڑا آرام کر لیں" ان میں سے ایک بولا "اور لڑکی کو دیکھو ابھی تک بے ہوش ہے" کسی نے کہا۔۔۔ تب خاموشی چھا گئی۔ اس نے ہمت کر کے شیشے سے باہر دیکھا وہ دونوں کچھ دور ہی درخت کے نیچے بیٹھے کچھ کھا رہے تھے۔ یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ سڑک کے دونوں طرف درخت ہی درخت تھے۔ ڈھلتے ہوئے سہ پہر شام کے گلے مل رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو کھولا۔ قدرت مہربان تھی دروازہ یوں آہستہ سے کھل گیا اور اس کی کچھ آواز پیدا نہ ہوئی۔ وہ نیچے اتری گاڑی کی اوٹ میں ہوتی ہوئی قریب کے درخت کے پیچھے چھپ گئی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت کے پیچھے چھپتے وہ نکلی دور آ گئی۔ اور پھر سامنے درختوں کے ذخیرے کو دیکھ کر وہ ادھر ہی تیزی سے بھاگنے لگی جب ہی ان دونوں نے اسے دیکھ لیا مگر جب تک وہ اس تک پہنچتے وہ تیزی سے درختوں کے اس جھنڈ میں گم ہو گئی وہ بھی ذخیرے تک آئے اس کو تلاش کرتے رہے مگر ایک درخت کے پیچھے کھڑی وہ انہیں نظر نہ آئی۔ اور وہ ناکام ہو کر لوٹ گئے تب شام کے لمبے ہوتے ہوئے سائے میں اس نے زینب علی کو اپنے قریب دیکھا

مگر انہیں بھی وہ ان لڑکوں جیسا سمجھ کر خوفزدہ ہو کر بھاگ اٹھی۔ اور پھر جنگل کی ڈھلتی رات میں وہ جب بہت زیادہ خوف زدہ تھی اور سانپ کے کاٹنے کا درد برداشت کر رہی تھی کہ زین علی دوبارہ اس کی مدد کو پہنچے۔

"ہوں" اماں نے اس کی ساری کہانی سن کر کچھ سوچا اور وہاں کھڑی ملازمہ کو فون لانے کو کہا۔ زین نے تیزی سے اماں کی طرف دیکھا وہ بھی تھوڑی دیر پہلے ان کی خواب گاہ میں آگئے تھے۔

"تو تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے اور ایسی بے سہارا عورتوں کے لیے دارالامان میں جگہ ہوتی ہے۔ میں ابھی فون کر کے ریکویسٹ کرتی ہوں۔۔۔ یہاں وہ لوگ آ کر تمہیں لے جائیں گے۔" انہوں نے نارا کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر سوں کی زردیاں پھیل رہی تھیں۔ اور آنکھیں دکھی کی دکھی رہ گئیں تھیں۔

"اماں اتنی بڑی حویلی میں ایک لڑکی کے لیے جگہ نہیں ہے کیا" زین علی نے احتجاج کیا۔ "زین آپ خاموش رہیے" اماں سر اٹھا کر رعب سے بولیں۔ ملازمہ نے فون نمبر ملا کر دے دیا۔ اماں رک کر سوچتی رہیں پھر بولیں۔

"ٹھیک ہے تم گرمن کے ساتھ والے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔ گرمن اسے اس کا کمرہ دکھا دو" وہ گرمن کی طرف پلٹیں۔

"مگر اماں شبو کے ساتھ والا کمرہ بالکل خالی پڑا ہے۔"

"زین علی اب اس سے زیادہ رحم دلی اور مہربانی نہیں کر سکتے ہو۔" تمکنت سے بولیں۔

"بابا جی آپ ادھر کیا کر رہے ہیں۔" انہوں نے تیز نظروں سے زین کو گھورا تو وہ پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔

"اور تم سنو لڑکی"

وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہاں رہنا ہے تو اپنی حیثیت کبھی نہ بھولنا تم نے اونچائی کی تمنا کی تو ہم تمہیں بستی میں دھکیل دیں گے

تھی۔۔۔ گرمن اسے ساتھ لے جاؤ۔"

وہ چشمہ اتارتے ہوئے بولیں۔

☆ ☆ ☆ ☆

حویلی شاداب فرسودہ روایات کی طرح ٹھوس تھی۔ حویلی شاداب اور شاداب نگر کی مالکن بیگم شاداب اپنا خاندانی روایات کو اکلوتے لخت جگر کی طرح سینے سے لگائے ہوئے تھیں۔ اپنی انہی روایات کی بھینٹ وہ اپنی ایک بیٹی کو چڑھا چکی تھیں۔

انجم آراء دولہن کی چھوٹی بیٹی تھی۔ شجاعت نامی لڑکے کو پسند کرنے لگی تھیں۔ شجاعت کھاتے پیتے گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ بہترین ملازمت کے باوجود اس کا پیغام مسترد کر دیا گیا۔ انجم آراء یہ بات برداشت نہ کر سکی اور بیمار پڑ گئی حتی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ تب ماں جی نے ٹکا سا جواب دے کر انہوں نے شجاعت کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دے دیا کہ وہ اب کبھی حویلی کا رخ نہ کرے اور نہ ہی کسی قسم کا تعلق اب ان کا حویلی کے ساتھ ہے اور انجم آراء حویلی سے ہر رشتہ، ہر تعلق، ہر جذبہ توڑ کر شجاعت کے ساتھ چلی گئیں اور پھر جیتے جی کبھی حویلی کا رخ نہ کیا اور نہ ہی اپنے بارے کسی قسم کی کوئی اطلاع حویلی بھیجی۔ یہاں تک کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس شہر میں جا بسی تھی۔ ابھی بہت پہلے اڑتے اڑتے انہوں نے سنا تھا کہ وہ کسی حادثے میں ختم ہو گئی ہیں۔۔۔ انجم آراء کے علاوہ شاداب بیگم کے تین بیٹے اور ایک بیٹی اور تھی۔ بڑے بیٹے نبیل جن کی پانچ اولادیں تھیں عقیل، سنبل، انجل اور دو بیٹیاں بینا اور ثنا۔ عقیل شادی شدہ تھے اور چار بچے تھے دوسرے نمبر پر چھوٹے بیٹے علی تھے زین، زید، شبانہ اور فرزانہ ان کی چار اولادیں تھیں۔ تیسرے نمبر پر سب سے چھوٹے بیٹے اکرام تھے جن کی دو بیٹیاں سائرہ، نازو اور بیٹا احسن تھا زین سے نازو کی نسبت طے تھی شبانہ سے زید کی انجل سے فرزانہ کی بات

ملے تھی۔

حویلی کے لمبے لمبے برآمدوں میں ان سب کے قہقہے گونجا کرتے تھے راہداریاں ان کے قدموں کی آہٹ سے رونق افروز تھیں۔ لانز میں ان کی لمبی لمبی محفلیں جما کرتی تھیں نوکر چاکروں کے حساب سے ان کی خدمت میں ہر وقت تیار رہتے اتاں کی سب سے بڑی بیٹی انجم زراہ شاداب نگر سے باہر بیاہی تھیں اور ان کے دو لڑکے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆

حویلی کا کمرہ اعلیٰ فرنیچر اور دیواری قالینوں سے آراستہ تھا۔ محرابی دروازوں اور کھڑکیوں پر مخملیں پردے لہراتے کمروں کے بالکل سامنے اتاں کا خاص لان تھا جس کے درمیان سنگ مرمری دیواروں والا تالاب تھا اور بیچ میں مچھلی کے جسم کا فوارہ تھا۔ جس کے منہ سے پانی کی بوندیں موتیوں کی طرح ہر وقت گرا کرتیں اور رات کو مچھلی کے جسم کی آنکھیں سرخ روشنی خارج کیا کرتیں اور یہی روشنی جب پانی کے قطروں پر پڑتی تو وہ سرخ موتی بن کر جھلملا اٹھتے۔ کمروں کے ساتھ والے لان میں چھوٹی سی سرخ پتھروں کی بارہ دری تھی جس کے بیچوں بیچ چھت سے کئی جھولے لٹک رہے تھے۔ اور دو دروازوں پر جالی دار ایک پردے پڑے تھے یہ لڑکیوں کے لئے تھا۔ اور دوسری طرف لان میں لڑکوں کے لئے بیڈ منٹن کھیلنے کا انتظام تھا۔ حویلی کے پچھلی طرف نوکروں کے گھر تھے اور حویلی کے ساتھ ذہین تائی کا فلیٹ تھا۔

اتنی خوب صورت حویلی کی مالکن شاداب بیگم بہت سخت گیر اور روایات کی شیدائی تھیں اتنی بڑی حویلی اور شاداب نگر کے علاوہ وہ بہت زیادہ زمین کی مالکن تھیں وسعت دولت نے انہیں ایک چیز فراوانی سے عطا کی وہ تھی غرور اور کم حیثیت لوگوں سے شدید نفرت' اور اسی نفرت سے سادا دوچار تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆

سادا کریمن کے ساتھ باورچی خانے کا کام سنبھالنے لگی۔ اتاں نے اسے ملازموں کے ساتھ رکھ کر اس کی حیثیت جتادی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا تازیانہ تھا۔ سادا کی اناں اور خود دادی پر ذہین علی چاہتے تھے کہ اس لڑکی کو بھی حویلی کی دوسری لڑکیوں کی طرح سمجھا جائے۔ سادا جیسی پڑھی لکھی سلجھی ہوئی لڑکی نوکروں کے ساتھ رہنے کے قابل نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ سادا پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کردے' وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ جب وہ اس کا ذکر اتاں سے کرتے مگر اس بڑے موقع عقیل بھائی نے نہ دیا۔ انہوں نے بڑے ابو سے کہہ کر سادا کو موتی اور بوبی کو پڑھانے پر لگادیا۔ سلمیٰ بھابھی نے اپنے ساتھ والا کمرہ اس کے لئے مختص کرا دیا۔ جہاں وہ بوبی اور موتی کو پڑھایا کریں گی۔ ذہین بھابھی سلمیٰ کے اس فیصلے سے مطمئن ہوگئے۔ "بوبی" ذہین اسے پکارتے ہوئے کمرے میں چلے آئے۔

"بوبی آپ کی ممی کہاں ہیں!" وہ سادا پر ایک نظر ڈال کر بولے' گلابی شلوار اور سیاہ پھول دار قمیض میں اس کے روپ کا چاند طلوع تھا۔ وہ کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی اور اس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنے آپ کو کتاب میں گم کر لیا۔ جان بوجھ کر اس کی اس ادا کو ذہین پہچان گئے۔ "فرزانہ تائی کے ساتھ بازار گئی ہیں۔"

"اور موتی ----؟"

"وہ بھی ساتھ ہی گئی ہے۔"

بوبی نے اپنا ننھا سا ہاتھ اٹھا کر کہا

"بوبی آپ کی مس آپ کو بالکل غلط پڑھا رہی ہیں۔"

وہ شرارت سے بولے تو سادا نے ان کی طرف گھبرا کر دیکھا۔

"کب انکل؟ آپ نے بالکل غلط سنا ہوگا" بوبی چالاکی سے ہنسا۔

"بوبی اپنے انکل سے کہئے یہ خود پڑھا دیا کریں۔"

سادا کتاب پر نظریں جمائے ہی بولی۔

"ہم تو آپ کو بس اتنا کہنے آئے ہیں کہ باورچی خانے

کے کلام چھوڑ کر بوبی اور سونی کو پڑھانے اور باقی وقت بی اے کی تیاری میں صرف کریں۔"

زین علی نے دل کی بات کہہ دی۔

"ڈاکٹر صاحب میں ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہوں۔ آپ مجھے اپنی امید نہ دیں کہیں بڑی بیگم مجھ سے اس گھر کا آسرا بھی نہ چھین لیں۔" وہ کتاب کی سطح پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی

زین کچھ دیر کھڑے اس کی جھکی نوکیلی پلکیں دیکھتے رہے۔ اور پھر خاموشی سے چلے گئے..... گرمی کی رت اپنے آنچل میں زہریلی ساری تپش سمیٹے چلی آئی۔ لو کے تھپیڑے سبزے کو جلائے دے رہے تھے زمین بارش کی بوندوں کے لئے ترس رہی تھی۔ آسمان پر گرد سا چھایا ہوا تھا۔

رات نجانے کون سا پہر تھا کہ اندر کمرے میں ستارہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ دوپٹہ شانوں پر ڈالتے ہوئے باہر چلی آئی سامنے شاداب بیگم کے لان میں فوارے کی مچھلی کی آنکھیں سیاہ رات کے اندھیرے میں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ جس کی پراسرار سرخ روشنی میں پانی کی بوندیں دائرے کی شکل میں گر رہی تھیں۔ تالاب کے ساکن پانی میں رات کی گہری خاموشی میں بوندیں گر کر دل سوز موسیقی پیدا کر رہی تھیں۔ تالاب کی سفید منڈیر پر ستارہ پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے پانی نے جب اس کے پاؤں چھوئے تو اس کو سکون سا آ گیا نجانے وہ کتنی دیر وہاں بیٹھی رہی کہ جب ہی پیچھے آہٹ ہوئی نجانے خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں اماں بی کا سفید غرارہ اس نے دیکھ لیا۔ تیزی سے اس نے پاؤں پانی سے باہر نکال لئے اور منڈیر سے نیچے اتر آئی۔

"کون؟"

اماں بی کی بارعب آواز گونجی

"میں ستارہ ہوں بڑی بیگم" وہ کانپتی ہوئی آواز میں

"یہاں ہمارے صحن میں کیا کر رہی ہو؟" وہ ڈپٹ کر پوچھنے لگی۔

"کچھ بھی نہیں بی بی" وہ سہم گئی۔

"تمہیں پتہ ہے ہم نوکروں کو اس لان میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔" وہ یوں بولیں جیسے پوری دنیا کی حاکم ہیں۔

"اپنی حیثیت مت بھولو" وہ حقارت سے بولیں تو ستارہ اپنی بے عزتی پر کھول گئی۔

"بیگم صاحبہ انسان ہونے کے ناطے سب کی حیثیت ایک ہی ہے مگر شاید آپ انسانوں میں سے نہیں کسی اور مخلوق سے ہیں۔"

وہ شاداب بیگم کو بہت بڑی بات کہہ گئی تھیں جذبات نے اس کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

"ستارہ" شاداب بیگم چیخیں۔

"ہم تمہیں اس لئے گوارا کر رہے ہیں کہ تم ہمارے چہیتے پوتے کی وجہ سے اس حویلی میں آئی ہو۔ ورنہ اس بات کا جواب ہم تمہیں اچھی طرح سکھاتے۔"

وہ غرارہ سمیٹتے ہوئے چلی گئیں اور وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ شاداب بیگم اس کی بے عزتی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆

اگلے روز دوپہر کو زین اس کے کمرے میں چلے آئے۔

"ستارہ مجھے امید نہ تھی کہ آپ اماں بی سے بدتمیزی کریں گی۔"

زین علی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے غصہ ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"آپ کو ان سے معافی مانگنا ہوگی۔" وہ تڑپ گئی۔

"ڈاکٹر صاحب مجھے اس حویلی میں نہیں رہنا۔"

"کیوں؟" "یہاں کیا تکلیف ہے آپ کو؟" زین کو اس کا اس طرح کہنا جانے کیوں پسند نہ آیا۔

"میں اپنی عزت نفس پر لگائے جانے والے زخموں کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔"

"کہاں جاؤ گی؟"

"کہیں بھی چلی جاؤں گی"

"ٹھیک ہے جب دل چاہے تم وا چلی جانا" ان کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"تمہیں کوئی نہیں روکے گا" وہ جاتے جاتے کہہ گئے۔

اس رات وہ شاداب بیگم کی خواب گاہ میں چلی گئی اور اپنی خودداری کو پس پشت ڈال کر اس سے معافی مانگ لی۔ جانے کیوں وہ زین علی کا گستاخ نہ سکی۔ اس روز کے بعد زین علی نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی' وہ اس سے بہت سخت ناراض تھے یہی خیال سارا کو بے کل کیے رہتا تھا۔ اس شام سب لوگ کہیں گئے ہوئے تھے۔ وہ نہانے کے بعد لان میں چلی آئی۔ نیوی بلیو لان کے سوٹ میں جس پر چھوٹے چھوٹے گلابی پھول تھے۔ وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ گلابی دوپٹہ سر پر ڈالے وہ کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ جب ہی زین علی آ گئے مگر اسے لان میں بیٹھی دیکھ کر پلٹ گئے۔ سارا نے اس بات کو بہت زیادہ محسوس کیا۔ مگر پھر دھیرے سے ہنس دی۔ وہ اٹھی اور کچھ دیر بعد وہ زین علی کے کمرے میں تھی۔

"ڈاکٹر صاحب" وہ سامنے لیٹے تھے۔ وہ چلتے ہوئے ان کے قریب چلی گئی۔

"کیا بات ہے" وہ سپاٹ لہجے میں بولے تو وہ گھبرا گئی۔

"وہ ــــ وہ" پلکیں اٹھا کر بولی مگر ان کے چہرے پر سختی دیکھ کر اس کی زبان رک گئی اور پلکیں لرز گئیں۔ پھر دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر تک اس نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا وہ چہرے پر تو ہم سی مسکراہٹ لئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ گڑبڑا گئی تب وہ جانے کو پلٹی تو زین نے اس کا دوپٹہ تھام لیا۔

"رکو۔ وہ جو کہنے آئی ہو" اس کی آنکھوں میں شرارت لپک رہی تھی۔

"وہ ــــ آپ ناراض ہیں کیا؟ ـــــ"

اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے اور چہرہ گلابی سا ہو گیا۔

"کس بات پر ـــ؟" وہ انجان بن گئے۔

"میں نے معافی مانگ لی ہے۔"

اس کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا اور آنکھوں سے انجانا سا دکھ چھلک پڑا۔

"عزت نفس بڑے لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہم جیسے غریب لوگ اس دولت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔" وہ ہر بات صاف گوئی سے کہنے کی عادی تھی۔ اس کی شخصیت کا صرف یہی ایک تلخ پہلو تھا۔

"اب آپ ناراض ہو گئیں۔" وہ اس کا دوپٹہ ہوا میں دھیرے سے لہراتے ہوئے بولے

"مجھے بھلا کیا حق ہے۔ ناراض ہونے کا" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے پلٹ آئی۔

"سارا ہم تمہیں بہت جلد ہمیشہ کے لئے اپنا لیں گے۔ سب حق تمہارے ہوں گے۔"

اور یہ کہتے ہوئے زین علی حویلی کی روایات کو یکسر بھلا بیٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆

بڑے ابو کی بیٹا کی شادی کے ہنگامے حویلی میں جاگ اٹھے۔ بیٹا بڑی پھوپھو کے بیٹے تو بے سے بچپن ہی سے منسوب تھی۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی مہمان آنا شروع ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ساری حویلی مہمانوں سے بھر گئی تب شاداب بیگم نے سارا کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے والے کمرے میں منتقل ہو جائے کیونکہ کمرے مہمانوں کے لئے کم

تھا۔

سارا سارا سارا دن باورچی خانے میں مصروف رہتی۔ اتنا کام ہوتا کہ بال سنوارنے کا بھی وقت نہ ملتا اور پھر مہندی کی رسم کا دن آ پہنچا۔

شام کو سب لوگوں نے مہندی لے کر بڑی پھوپھو کے ہاں جانا تھا۔ اس لیے دوپہر سے ہی سب جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ سارا لڑکیوں کو تیاری میں مدد دے رہی تھی کبھی کسی کی ساڑھی استری کرتی' کسی کے بال بناتی' کسی کے سینڈل صاف کرتی۔ لڑکیوں کے کمرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ تب ہی سلمی بھابھی کی مونی سیڑھیوں سے گر گئی اور ہاتھ پر گہری سی خراش آ گئی۔

تو وہ اسے پکارتی ہوئی ادھر آ گئی۔

"سارا بی بی پلیز! مونی کو پٹی کروا لاؤ' زین کے کلینک سے' مجھے ابھی بہت سی تیاری کرنا ہے"۔۔

"کلینک آج کھلا ہے" وہ مونی کو گود میں لیتے ہوئے حیرانی سے بولی

"ہاں کچھ ضروری مریضوں کو چیک کرنا ہے بھیا کو" فرزانہ کنگن بند کرتی ہوئی بولی زین علی مریضوں سے فارغ ہو کر اٹھنے والے تھے کہ سارا پہنچ گئی۔

"ڈاکٹر صاحب" انہوں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا کاسنی کلر کے سوٹ میں اس کا گلابی رنگ کام کی کثرت کی وجہ سے زرد ہو رہا تھا۔ تھکی تھکی آنکھیں اور الجھے الجھے بال ایسے میں کون دو انہیں بڑی منفرد لگی۔ آج کتنے ہی دنوں بعد انہوں نے اسے دیکھا تھا ورنہ وہ ہر وقت باورچی خانے میں گھسی رہتی۔ "مونی کے چوٹ لگ گئی ہے' پٹی کر دیں۔"

وہ ان کی گہری نظروں سے گھبرا گئی۔

"اپنی حالت دیکھی ہے؟" مونی کو پٹی کرتے ہوئے انہوں نے شکایتی انداز میں کہا

"جی۔۔۔ کام بہت ہے ناں سب' وقت نہیں ملتا۔"

"سنو۔۔۔ سب کے ساتھ تم بھی تیار رہنا" کچھ دیر بعد وہ بولے۔

"جنگل میں نہیں جا پاؤں گی۔۔۔ کام بہت ہے۔۔"

"پھپھا شبانہ سے کہہ دوں گا وہ سب سنبھال لے گی"

مونی پٹی کروا کر جا چکی تھی اب وہ دونوں اکیلے تھے تب ہی سارا چونک پڑی۔

"اچھا میں چلی۔۔۔"

"ٹھہرو" وہ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی مگر اس دم حامد اندر آ گئی اور اسے تیز نظروں سے گھورتی ہوئی زین علی کی طرف بڑھ گئی۔

"اماں کے سر میں درد ہے۔ کوئی اچھی سی دوا دے دیں" اس کے غصہ میں پیر پٹختے ہوئے دو لفظ کہہ کر سارا سہم گئی اور پھر جلدی سے کلینک سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

گیٹ پر سب لوگ جمع تھے۔ لڑکیاں مہندی کے تھال تھامے آہستہ آہستہ گاڑیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جلتی شام میں جلتی ہوئی موم بتیاں بڑی بہار دکھا رہی تھیں۔ انہی لڑکیوں کے درمیان سارا اپنے حسن کی بجلیاں گرا رہی تھی۔ مہندی رنگ کے سنہرے بارڈر والی ساڑھی میں اس کا سراپا سب میں نمایاں تھا۔ بالوں کی لمبی سی چوٹی اس کی کمر پر لہرا رہی تھی۔ ہلکے میک اپ میں وہ بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ سب لڑکیاں گاڑیوں میں بیٹھ گئیں۔ جب ہی بڑی ممانی سارا کو بلانے آ گئیں۔

لرزتے قدموں کے ساتھ وہ اماں جی کے کمرے میں داخل ہوئی انہوں نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔

"کس کی اجازت سے تم جا رہی تھیں' معلوم نہیں کتنے کام کرنے والے ہیں۔"

"شبانہ نے مجبور کیا تھا" وہ ساڑھی کا پلو گرنے والا آنچل سنبھالتے ہوئے بولی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی"

"جی اچھا وہ آہستہ سے بولی۔"

"اور یہ کپڑے بدل ڈالو تمہیں پسند نہیں تمہارا یوں بننا سنورنا"

وہ تحقیرانہ انداز میں بولیں۔۔۔ سارا جانے کو پلٹی

"اور سنو تم زین کے کلینک میں کیا کر رہی تھیں"

اسے ساری بات سمجھ میں آگئی۔

"ہاجرہ ہی نے بتایا ہوگا۔۔۔ سوفی کو پک کروانے گئی تھی۔"

"خبردار جو تم نے آئندہ زین سے بات بھی کی"

وہ خاموشی سے باہر آگئی دروازے پر زین علی کھڑے تھے ان پر ایک زخمی نظر ڈالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی اور زین بھی خاموشی سے پلٹ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆

اگلے روز صبح ہی بارات کے استقبال کی تیاریاں شروع ہوگئیں سارا شبانہ کے کمرے میں تھی اور فرزانہ شبانہ کے کپڑے استری کر رہی تھی رات بھر اسے ٹھیک سے نیند بھی نہ آئی تھی۔ اس لئے اب آنکھیں بوجھل اور سر بھاری بھاری محسوس کر رہی تھی۔

"سارا اپنے لئے یہ استری کرلو"

فرزانہ نے اپنا گلابی غرارہ اور سوٹ بیڈ پر پھیلا دیا۔

"نہیں فرزانہ میں کوئی دوسرے کپڑے پہن لوں گی۔ آپ کے دیئے ہوئے کپڑے ابھی اسی طرح پڑے ہیں۔"

دہلی کی لڑکیوں نے اسے ڈھیروں کپڑے دے رکھے تھے۔ جو بہت کم سارا نے استعمال کئے تھے۔ "سارا ضد نہ کریں پہن لیں۔"

قریب کھڑی شبانہ نے بھی اصرار کیا جب ہی زین آگئے۔

"شبانہ میری شرٹ استری کردیں۔"

"لائیے میں کردوں" سارا نے ان کے ہاتھ سے شرٹ لے لی۔ زین وہیں اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔ تب شبانہ الماری سے ایک اور غرارہ اور سوٹ نکال لائی۔

"سارا اب انکار نہ کیجئے گا یہ بالکل نیا ہے یہ پہن لیں۔"

اس نے انکار کرنا چاہا مگر زین بول پڑے۔

"رکھ دیں شبو' سارا یہی پہنے گی" جانے ان کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ انکار نہ کرسکی بارات کے استقبال کے لئے دروازے پر سب لڑکیوں کے درمیان کھڑی تھی سفید غرارے میں وہ ایک انوکھا روپ لئے ہوئے تھی تیز میک اپ میں اس کا روپ دمک رہا تھا۔ تیز رنگ کی عنابی لپ اسٹک سے اس کے ہونٹ چمک رہے تھے۔ ہونٹوں کے قریب سیاہ تل پر زین کی نظر ٹک کر رہ گئی۔ ہاجرہ جانے اس کا یہ روپ کیوں نہ سہہ سکی اور اماں نے نظروں ہی نظروں میں زین کے چہرے پر آنے والا رنگ بھانپ لیا۔

"سارا۔۔۔"

انہوں نے اسے پکارا تو وہ قریب چلی گئی۔

"ہمارے کمرے میں آؤ" وہ غرارہ سنبھالتی ہوئی آگے بڑھ گئیں تب زین بھی ان کے پیچھے چل دیئے کمرے میں جاکر وہ برس پڑیں۔

"تمہیں کل ہم نے منع نہیں کیا تھا تم اپنی حد سے آگے جانے کی سوچ رہی ہو' دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں' تقریب میں شامل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں"

تب زین پردہ اٹھا کر اندر چلے آئے اماں نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"اماں اتنا سفاک رویہ اختیار نہ کریں ہر شخص کی عزت ہوتی ہے۔ آخر آپ اس لڑکی سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتی ہیں۔"

"زین آپ خاموش رہیے۔"

"مگر اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ آپ کو اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔"

"زین آپ اس لڑکی کے سامنے ہماری بے عزتی کر رہے ہیں" اماں کے چہرے پر جلال آگیا۔

"اماں" زین بھی سرخ ہوگئے۔

"اس تیج لڑکی سے ہم شادی کرنا چاہتے ہیں یہ ہماری پہلی اور آخری تمنا ہے۔"

"زین آپ یہ بھول رہے ہیں کہ مائدہ آپ سے منسوب ہے۔"

"مگر مجھے مائدہ پسند نہیں"

اماں کی پوتی کو ٹھکرایا جائے' وہ بھی ایک کم حیثیت لڑکی کے مقابلے میں' وہ کیسے برداشت کرتیں غصے میں ان کی رگیں پھڑپھڑانے لگیں مگر پھر بھی وہ ایک دم خاموش ہوگئیں اور پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئیں۔

"ان کی گہری خاموشی سارا اور زین کو حیران کر گئی شاداب بیگم جیسی ہستی کا یوں خاموش ہو جانا بڑی عجیب بات تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆

بارات ڈلی اور رہتار رخصت ہو گئی گھر میں موت کا سناٹا طاری ہوگیا۔ سارا نے اماں کے سامنے جانا چھوڑ دیا۔ زین سے اماں یونہی ملتی رہیں جیسے انھیں زین سے کسی قسم کی کوئی شکایت اور اختلاف نہیں۔ زین اسے اماں کی نیم رضامندی سمجھے کہ وہ بیٹے کی طرح ان سے ہار گئی ہیں۔ مگر یہ ان کی بھول تھی۔۔۔ شاداب بیگم ان کی ہر ضد مان سکتی تھیں مگر یہ نہیں۔۔۔۔

ادھر سارا ان کی اس گہری خاموشی میں بہت دکھ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس سناٹے کے پیچھے طوفان کا شور سن رہی تھی۔ اس رات بھی اس قسم کی سوچیں اسے بے کل کر رہی تھیں۔ خیالات سے پیچھا چھڑوانے کے لئے وہ بارہ دری میں آگئی۔

باہر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اس ساون کی رات کو اور خوشگوار بنا رہے تھے پورا چاند سرو کے درخت کے اوپر مسکرا رہا تھا۔ وہ سفید کپڑوں میں کوئی بھٹکی ہوئی روح لگ رہی تھی۔ وہ بارہ دری کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی ایک جھولے پر آکر بیٹھ گئی۔ رات بالکل خاموش تھی۔ سب اپنے کمروں میں محو خواب تھے۔ بارہ دری کے دروازوں پر پڑے جالی کے پردے ہوا سے اڑ رہے تھے اور اب چاند ان جالی کے پردوں سے جھانک رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے جھولا جھولنے لگی۔۔۔۔ بالکل اچانک جھولے پر رکھے اس کے ہاتھوں پر کسی کے ہاتھ آگئے اور ساتھ ہی جھولا بہت اونچا اڑ گیا وہ گھبرا گئی گھٹی گھٹی سی چیخ بارہ دری میں گونج گئی تب ہی اس ہیولے کو وہ پہچان گئی چاندنی میں نمایاں سراپا زین تھا' سارا ڈر گئی تھی۔

"ڈر گئیں۔۔۔" وہ اسے جھولا جھلاتے ہوئے دھیرے سے بولے۔

جواب میں وہ ہنس دی بڑی دل نواز ہنسی تھی اس کی' انھوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بارہ دری کی سیڑھیوں میں آ بیٹھے بس بڑی دیر تک وہ اسے آنکھوں میں سموتے رہے وہ اٹھتی گرتی پلکیں لئے شرما کر گلابی ہوتی رہی تب وہ بولے۔

"اماں مان جائیں گی سارا' اور پھر ہماری خوب صورت زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔"

"زین۔۔۔" پہلی دفعہ سارا نے انھیں پکارا۔

"روایات بہت مضبوط ہوتی ہیں کسی کا وجود جب ان سے ٹکرا جائے تو پاش پاش ہو جاتا ہے۔ مگر ان روایات میں شگاف نہیں پڑتے۔۔۔ زین آئیے حقیقتوں کی باتیں کریں افسانوں کی دنیا ہوتی تو بڑی دلفریب ہے مگر چند لمحوں کے بعد اس کے رنگ ماند پڑ جاتے ہیں" دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ دھیرے دھیرے بولتی رہی۔ [illegible]

علی خاموشی سے اس کی سحر بیانی سنتے رہے۔

"سارا تمہارے سب خدشے غلط ہیں۔ ہم ضرور ملیں گے۔" پھر وہ کتنی ہی دیر تک آئندہ زندگی کے سنہرے سپنے دکھاتے رہے......!

☆ ☆ ☆ ☆

اناں بی کے کمرے میں چائے رکھ کر وہ اپنے کمرے میں آکر یوں بستر پر پڑ گئی جیسے میلوں لمبی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ پورا چہرہ پسینے سے تر بتر تھا۔ رخساروں پر زردی پھیلی ہوئی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور کانوں میں گھنگھروؤں کی تیز جھنکار گونج رہی تھی اس نے گھبرا کر اپنے پیروں کو دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ یہ صرف اس کا وہم تھا وہ سسکنے میں منہ پر سے کر بے اختیار رو دی۔

"نہیں...... نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں مر جاؤں گی......"

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ شام تک وہ اپنی بے بس زندگی پر آنسو بہاتی رہی۔ شاداب بیگم انتقام لینے کے لئے اس قدر گر بھی سکتی ہیں یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ آج وہ پسرو، کریمن کے ساتھ باورچی خانے میں مصروف تھی کہ جب ہی اناں بی وہاں چلی آئیں اور اسے چائے اپنے کمرے میں لانے کو کہہ گئی کیونکہ ان کی بہت ہی کوئی عزیز سہیلی آئی ہوئی تھی۔ جب ہی بطور خاص وہ چائے کا حکم دے آئی تھیں۔ ورنہ شازر اور رحیا باورچی خانے کا رخ کرتی ہیں۔ ان کے کمرے میں جب وہ گئی تو وہاں بڑی خوب صورت خاتون بیٹھی تھیں، قیمتی زیورات سے لدی اس خاتون کے سارا کو دیکھنے کا انداز بڑا عجیب تھا۔ جب تک وہ چائے بناتی رہی وہ اس کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیتی رہی۔ سارا کو اس کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔ جب ہی شاداب بیگم نے اسے جانے کا حکم دے دیا۔

یہ تو وہ سمجھ گئی تھی کہ کمرے میں اس خاتون کے سامنے کسی خاص مقصد کے لئے اسے بلایا گیا ہے جب ہی اس کے قدم کمرے کے باہر رک گئے۔ اس کے جاتے ہی خاتون بے صبری سے بول پڑی۔

"بیگم صاحب لڑکی خوب صورت ہے مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

"نیلم بائی اس کی یہی خوب صورتی تو ہمارے پوتے کو دیوانہ کر گئی ہے۔ اس نے ہماری پوتی کو ٹھکرانے پر مجبور کر دیا ہے اسے۔ ہمارے پوتے نے اس کی وجہ سے ہماری بے عزتی کی ہے۔ ہم بھی اس بچ لڑکی کے دامن میں رسوائیاں بھر دیں گے۔ یہی ہمارا انتقام ہے۔ گھنگھروؤں کی چھنکار اب اس کا مقدر ہو گی۔"

"قیمت کیا ادا کروں اس گوہر نایاب کی" نیلم بائی کی آواز مدہم ہو گئی تھی۔

"اس کی یہی قیمت ہے کہ اس کا سایہ تم ہمارے خاندان سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دو۔"

"پھر کب لے جاؤں میں اسے"

"کل رات اسے اس کے کمرے سے اغواء کروا لینا یہ اس طرح اس حویلی کا پیچھا چھوڑے گی اور میں پوری حویلی میں مشہور کر دوں گی کہ سارا بھاگ گئی ہے۔" شاداب بیگم کی آواز پراسرار ہو گئی۔

"بیگم صاحب ہمارا اصول پیسہ دے کر مال لینا ہے۔ یہ پچاس ہزار پہلے رکھ لیں اب سارا میرے کاروبار کی جان ہے۔ آپ کا اب اس پر کوئی حق نہیں۔ میں کل رات اپنی جان بائی کو اٹھوا لوں گی"

اس سے آگے سننے کو کیا رہ گیا، وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر بھاگ آئی۔ اس نے پردہ اٹھا کر باہر دیکھا رات مکمل طور پر اپنا تسلط جما چکی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی بیاہ پر پہنچی۔ چوڑیاں اتارنے لگی۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں برسات اتر... اس نے الماری سے سفید غرارہ نکال کر بستر پر پھیلا دیا۔

اس کے قدم ہولے ہولے اٹھ رہے تھے۔ زینی بے حد مکمل سناٹا چھا گیا تھا۔ سب لوگ غالباً سو گئے تھے۔ چھٹکی سی چاندنی میں چلتی ہوئی زینی کے کمرے میں آگئی زینی نے دیکھا۔ سارا سفید غرارے میں شہزادیوں کی آن بان لئے ان کے کمرے میں کھڑی ہے۔ وہ جو لیٹے ہوئے کنگنوں سے کھیل رہے تھے۔ چونک کر اٹھ بیٹھے۔

سارا اپنے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ سجائے ان کے قریب چلی آئی۔ زین علی اس رات کی سج دھج سے بڑے حیران ہوئے۔

"ڈاکٹر صاحب۔۔۔ آئیے بارہ دری میں چلیں۔ آج کی رات بہت خوب صورت ہے۔ وہ اس کے ساتھ سحر زدہ انسان کی طرح چلتے ہوئے بارہ دری میں آگئے۔ وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں طرف خاموشی تھی' جب ہی سارا اس خاموشی سے گھبرا گئی۔

"کچھ بولیئے ڈاکٹر صاحب"

زینی ہولے سے مسکرا دیے۔

"تمہیں یہ بارہ دری بہت پسند ہے" وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے پوچھنے لگے۔

"ہاں بہت اچھی لگتی ہے پر سکون جگہ تو ہے' ہم نے عہد و پیمان کیے تھے ناں"

وہ بڑی ٹھہری ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب اگر میں مر جاؤں تو وعدہ کریں مجھے اس جگہ اس بارہ دری میں دفن کریں گے۔"

اس کی آواز میں نمی گھلی تھی اور زین علی کو اس کی اس بات پر جھرجھری سی آگئی۔

"سارا کیسے لہجے میں بات کر رہی ہو' کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم"

وہ اسے جھنجوڑ کر بولے تب وہ ہنس دی اور آنکھیں موند لیں۔

"ڈاکٹر صاحب بارے میں نے کہا تھا کہ حقیقتوں سے گھبرا جائے تو وہ غضب ناک ہو جاتی ہیں اب تک روایات ہی انسانوں کو کھاتی آئی ہیں۔۔۔ کوئی تو ہو۔۔۔ جو ان روایات کو کچل ڈالے' ورنہ یہ سب کچھ کچل ڈالیں گی۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے روایات کی کڑی زنجیریں میرے چاروں طرف حصار کیے ہوئے ہیں۔ ان کا حصار اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ اس اونچ نیچ کی تفریق کو کوئی تو مٹا دے" وہ زین علی کے کندھے سے لگ کر سسک پڑی۔

"سارا۔۔۔ کیا بات ہے کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔۔۔" اس نے جلدی سے آنسو صاف کر لئے۔

"اچھا چھوڑ دیجیے ناقابل فہم اور بہکی بہکی باتیں' یہ بتائیے کنگن کب سے میرے پاس ہیں' تمہیں کچھ پتہ نہیں"

"مجھے معلوم تھا آپ ہی کے پاس ہیں۔"

"یہ اس رات میں نے تمہارے بازو پر پٹی کرتے ہوئے اتار لئے تھے۔ ان کی وجہ سے ہی پٹی نہیں ہو سکتی تھی۔ لاؤ پہنا دوں۔"

اس نے بازو ان کی طرف بڑھا دیا۔

"بڑے خوب صورت کنگن ہیں۔"

"یہ میری امی کو میری نانی نے پہنائے تھے۔ انہوں نے مجھے مرتے وقت دیئے تھے۔ اس پر میری امی کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ میں نے دیکھا نہیں" وہ اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے بولے

"اچھا اب جاؤ۔۔۔ کافی رات ہو گئی ہے۔۔۔ سونا نہیں"

"اب تو سونا ہی ہے۔۔۔"

اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی وہ اٹھی اور

چلی آئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

اگلی صبح کھانے کے کمرے میں سب لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔ جب ہی شاداب بیگم بولی

”کرن بن۔۔۔ ستارا نظر نہیں آ رہی وہ ابھی تک اٹھی نہیں“

کرن بن چائے کی ٹرے رکھنے کے بعد اس کے کمرے کی طرف چلی گئی کہ دیکھوں کہیں طبیعت خراب تو نہیں اس کی۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ بدحواس سی بھاگتی چلی آئی۔

”بڑی بیگم صاحب وہ تو چلی گئی“ کرن کی آنکھوں سے برسات برس رہی تھی۔

”کیا۔۔۔؟“ سب کے منہ سے ایک دم نکلا۔

”ہم نے کہا تھا ناں کہ ایسی لڑکیوں کا کیا اعتبار“ شاداب بیگم بولیں زین تیزی سے اٹھے اور اس کے کمرے میں آ گئے ان کے پیچھے حویلی کے سب لوگ تھے وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ستارا کے بستر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جہاں سفید کرن کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ خون کی سوئی سی دھاری اس کے سردہ ہونٹوں سے نکل کر تکیئے کو سرخ کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی پرسکون اور فتح مند مسکراہٹ تھی۔ سفید کپڑوں میں اس کا دودھ کی طرح مقدس جسم ساکن پڑا تھا۔ لڑکیوں کی چیخ کمرے میں گونج گئی۔

زین علی اس کی مسہری کی پٹی پکڑے حیران حیران نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

”ابا جی۔۔۔ یہ خط اور کنگن“ زین نے سب کو متوجہ کر دیا۔

کنگن دیکھ کر اماں جی بری طرح چونک پڑیں جیسے سوتے میں جاگ جائیں۔

”یہ کنگن تو انجم آرا کے ہیں۔۔۔“ یہ انکشاف

”ان کنگنوں سے اس لڑکی کا تعلق۔۔۔؟“

”ہاں جی اس کی شکل انجم آرا سے کس قدر ملتی ہے۔“ بڑے ابو بولے۔

”ہاں پہلے میں بھی اسے دیکھ کر چونک پڑی تھی“ ان کی آواز کانپ گئی۔ سب حیران اور پریشان ہو گئے تب ہی زین نے خط پڑھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم۔

میں سوچتی ہوں آپ نے مجھے اس جنگل میں مرنے دیا ہوتا تو آج مجھے خود اپنے ہاتھوں اس طرح زندگی ختم نہ کرنا پڑتی۔ مجھ جیسی لڑکی کو آپ نے حویلی کی عزت بنانا چاہا تو بڑی بیگم یہ برداشت نہ کر پائیں ”مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند کسی نے پسند کیا ہے؟ ہم جیسوں کے پاس تو بس عزت کی دولت ہی ہوتی ہے۔ جب میں نے اس عزت کی طرف لٹیروں کے ناپاک ہاتھ بڑھتے دیکھے تو اس کو بچانے کے لئے صرف ایک ہی راہ ملی وہ تھی موت کی راہ۔۔۔

میں خودکشی پر کیوں مجبور ہوئی۔۔۔ تو سنئے!

بڑی بیگم نے مجھے پچاس ہزار روپے میں نظام بانی کے ہاتھ آج دوپہر فروخت کر دیا تھا اور کل رات اس کے لوگ مجھے اٹھا کر لے جانے والے تھے اس کو میری خوش نصیبی سمجھئے کہ میں نے ان کا سارا پروگرام سن لیا۔۔۔ اس طرح وہ اپنی حویلی کی راہ ہموار کرنا چاہتی تھیں اور ساتھ ہی مجھ سے انتقام بھی لینا چاہتی تھیں۔

لیجئے بیگم صاحب میں جا رہی ہوں اب آپ کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ مجھے موت قبول ہے مگر رسوائیاں نہیں۔

ڈاکٹر صاحب میرے پاس صرف وہ کنگن ہی تھے جنہیں چھوڑے جا رہی ہوں جو میری ماں کی نشانی ہیں۔ انہیں نازو کو رونمائی میں دیجئے گا۔ اور مجھے معاف کر دیں کہ میں عہد نبھا نہ سکی۔ میرے ہاتھوں پر چڑھی زبان ہی تھے موت کے بازوؤں میں لے جائیں گی۔

ایک انجانی راہوں کی مسافر

سمارا شجاعت

تب شاداب بیگم نزع میں

"سمارا میری بچی" وہ اس کے سرد جسم سے لپٹ گئیں۔ پچھتاوے کی آگ کے شعلے انہیں حصار میں لینے لگے ہر شخص کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ وہ قریب آکر یوں دور چلی گئی تھی۔ مگر کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ وہ اپنی ہوتی ہوئی بھی پرائی رہی۔

☆ ☆ ☆ ☆

بارہ دری کی چھت کے نیچے سمارا ابدی نیند سو رہی تھی۔ اس کی قبر پر روشن تھا ایک دیا خوشی جو پہلے شاداب بیگم جلا کر گئی تھیں اور دوسرا زین علی نے جلایا تھا۔ رات بالکل تنہا اور خاموش تھی حویلی پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے کی سرسراہٹ کچھ کہہ رہی تھی۔ بارہ دری کے دروازے سے لگے زین علی چونک چونک جاتے پورا چاندنی اداس تھا۔۔۔

سمارا کی موت نے حویلی کے ہنگاموں کو سرد کر دیا تھا۔ زین علی بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ ساری ساری رات وہ سمارا کی قبر پر گزار دیتے۔ سب ہی ان کی حالت دیکھ کر بے کل ہو جاتے۔

ہوا پھر زور سے چلی۔۔۔ اس کی سرسراہٹ نے پھر سرگوشی کی سارا۔۔۔ س۔۔۔ ا۔۔۔ را۔۔۔ زین نے پاگلوں کی طرح گھوم کر چاروں طرف دیکھا مگر ہوا کی سرسراہٹ سن کر پھر سر جھکا لیا۔

☆ ☆ ☆ ☆

"انجانی راہوں کی مسافر"

کبھی افسردہ لمحوں میں
کبھی تنہائی کی تیرہ شبوں میں
تم کو مایوسی ستائے گی
تو ہم ہی یاد آئیں گے۔۔۔۔
خزاں موسم میں جب سرپھری وحشی ہوائیں
زرد پتوں کو اڑائیں گی
تو ہم ہی یاد آئیں گے۔۔۔۔۔۔
بجا ہے ہم تمہارے واسطے بار مسلسل ہیں
تمہاری پرسکوں سی زندگی میں ایک ہلچل ہیں
ہماری ہی وجہ سے تم پہ ہے مشق ستم جاری
عجب سی کشمکش میں ہو
عجب سا خوف ہے طاری
ہماری ہی وجہ سے تم کو
ان سب۔۔۔ ان گنت
لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں
سبھی باتیں بجا اپنی جگہ ہوں گی
مگر جان تم اتنا سمجھ لینا
جب گزر جائیں گے یہ لمحے
ہر شے دلکشی اپنی
تمہارے واسطے کھو دے گی
تو تم بھی۔۔۔۔۔
بہت رویا کرو گے یاد کر کے ہم کو
لیکن ہم۔۔۔۔
وہاں ہوں گے جہاں سے لوٹ کر کوئی مسافر آ نہیں سکتا

(محمد انوار الحق طاہر لاہور)
(پیارے بھائی غلام مجتبیٰ طاہر کے نام)

عائشہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائشہ جبیں

اس عنوان کے تحت ہمیں "گھریلو ٹوٹکے" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

عائشہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

شملہ مرچ

شملہ مرچ پیٹ کی خفیہ بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ کینسر کے خلیات ٹیومر کو آکسیجن کی بھرپور فراہمی روک دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے خلیات مردہ ہو جاتے ہیں۔ شملہ مرچ خلیات ٹیومر کو آکسیجن کی فراہمی بحال رکھتی ہے۔

شملہ مرچ کا استعمال ہارٹ اٹیک سے تحفظ بخشتا ہے۔ اس کا ڈیلی استعمال قبض کی پرابلم کو دور کر دیتا ہے۔

☆ آسٹر رند عادا۔ کراچی

کچن کے لیے آزمودہ ٹوٹکے

کچن میں کام کرتے ہوئے مختلف Tips پر عمل درآمد کر کے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں مثلاً فرائنگ پین کو صاف کرنے کے لیے اس میں لیموں کی چھال اور نمک تھوڑے سے پانی میں شامل کر کے ابالیں اور چولہے سے اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس محلول سے اسفنج کی مدد سے پین کو اچھی طرح صاف کر لیں۔ چوپر یا مکسر کو صاف کرنے کے لیے بریڈ کا سلائس مشین میں ڈال کر چلائیں ڈبل روٹی سلائس مصالحے کی خوشبو اور چکنائی کو جذب کرے گا۔ چائے کا تھرموس اگر کافی عرصے استعمال نہ ہو تو اس میں ناگوار بو پیدا ہو جاتی ہے اس کے لیے ہمیشہ تھرموس کا ڈھکن یا تو کھلا رکھیں یا اگر بند رکھنا ضروری ہے تو اس میں تھوڑی سی چینی ڈال کر رکھیں ناگوار بو نہیں آئے گی۔ چھریوں کو زنگ آلود ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے ان پر وقتاً فوقتاً گلیسرین یا مشین کا تیل لگائیں اور استعمال سے پہلے دھو لیں۔

☆ شازیہ انصاری۔ سلانوالی ضلع سرگودھا

آئینہ، لیمپ بلب کو چمکائیں

شیشے کی آرائشی اشیاء آئینے یا لیمپ بلب کو چمکانے کے لیے کپڑے کے چھوٹے ٹکڑے کو اسپرٹ میں بھگو کر ان اشیاء پر لگائیں پھر اخبار کی مدد سے صاف کر لیں۔ آپ کی پرانی اشیاء صاف شفاف ہو کر چمکنے لگیں گی۔

☆ مہوش۔ لاہور

☆☆

پیغامات کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے ذریعے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ سچی کہانی لاہور کے متعلق آپ ہمیں اپنی آرا بھی دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 سے زیادہ لائن پر مشتمل نہ ہو۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

انچارج پیغامات ...... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

شمع فروزاں

زندگی اور استاد بہت کچھ سکھاتے ہیں..... فرق صرف اتنا ہے کہ استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے...... دنیا میں سب سے اچھا تحفہ "وقت" ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر آپ کسی کو اپنا وقت دیتے ہو تو آپ اسے اپنی زندگی کا وہ پل دیتے ہو جو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ وقت کی قدر اس کے گزر جانے کے بعد ہوتی ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت انہیں تباہ و برباد ذلیل و خوار اور محتاج بنا دیتا ہے۔ وقت بہت بے رحم اور ظالم ہے...... پیارے دوستو! ہمیں وقت کی بے رحمی سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے جبکہ کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔ "زندگی" ایک میلی چادر ہے جہاں جگہ جگہ درد کے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ دل کے درد کی دوا صرف مخلص اور کلوز فرینڈ ہے جو بہت مہربان ہو۔ تنہائی کے عذاب اور بوریت سے بچنے کے لیے "سچی دوستی" اشد ضروری ہے۔ میرا پیغام امن اور محبت ہے۔

دوستی سمندر ہے' دوستی کنارہ ہے
دوستی ہی دنیا میں جینے کا سہارا ہے

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0300-6242575 گجرات

☆☆☆

پیغام مہتاب چنا کے نام

سریلی اور دلنشین آواز کی مالک مہتاب چنا صاحبہ! آپ ہماری پسندیدہ گلوکارہ ہیں۔ آپ کے گیت کانوں میں رس گھولتے ہیں اور دل جھوم اٹھتا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جس سے آپ کی آواز کی تعریف کرسکوں۔ عرصہ ہوا آپ کی دلکش آواز کو سنے

ہوئے...... دعا ہے کہ آپ جہاں بھی ہوں خوش وخرم ہوں۔ آپ ہمیشہ اپنی شیریں آواز کا جادو جگاتی رہیں اور ہم آپ کی آواز سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری
معرفت ذکریا جنس اولڈ بلکسٹر الگ لوہاری گیٹ ملتان

☆☆☆

آج کی محبت رو رہی ہے......!

میرا نام ویسے تو عجیب بات ہے کہ آج کل میں گمنام ہوں۔ لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں میرا نام محبت ہے۔ میں رہتی ہوں ماں کی ممتا میں باپ کی دعا میں' بہن اور بھائی کے درمیان' دوستوں کے درمیان اور اول سے رہتی ہوں اور دو دلوں کے درمیان...... چاہے وہ دل ہیر را نجھا کا ہو یا سسی پنوں کا۔ لیکن افسوس میرا راج سب کے دلوں پر پہلے تھا۔ اب میرا راج برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری سلطنت لٹ چکی ہے' میرے سب ساتھی کمزور ہو چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ مجھے لوٹنے اور میرے ساتھیوں کو کمزور کرنے والے کون ہے؟ کوئی اور نہیں میری دشمن نفرت اور اس کے ساتھ حسد' غیبت' بے وفائی' بے ایمانی' انا' تمام نے مل کر نفرت کو مضبوط بنا دیا ہے۔ ہائے میں بے چاری محبت ختم ہو رہی ہوں۔ خدارا! مجھے بچاؤ میرے ساتھیوں کو (مساوات' اخوت ایمانداری) کی حوصلہ افزائی کرو۔ ان کو حوصلہ دو ان کو تسلی دو۔ ورنہ میں ختم ہو جاؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

☆ ایس۔ اعجاز احمد۔ پوسٹ بکس نمبر
10867 حیدری GPO ناظم آباد کراچی
موبائل نمبر 0300-2253370

☆☆☆

پروانے کی پکار

حسن دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔ عاشق لوگ ہمیشہ دماغ سے نہیں بلکہ ہر چیز کو "دل" کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عشق تباہی' بربادی اور فنا ہونے کا نام ہے لیکن اگر سچائی کا جذبہ زندہ ہو تو اس بربادی میں روحانی مسرت ملتی ہے۔ محبت دراصل 2 ذہنوں اور دماغوں کے ملاپ کا نام ہے یعنی محبت اور دوستی کے لیے ذہنی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ محبت ایک بلاوجہ ذہنی تکلیف اور دل کے درد کا نام ہے۔

ہاتھ میں جگنو نہیں' کوئی ستارہ کب تھا
چمک بس دور کی تھی' کوئی ہمارا کب تھا
اس کے کانٹوں سے ہوئی اوڑھنی چھلنی میری
وہ اک گھنا پیڑ تھا' ہمارا سہارا کب تھا

سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے۔ وہ وفا نہیں کرتا۔ محبت میں ناکام اکثر لوگ آپ کو شرابی' پاگل اور شاعر بے نظر آئیں گے۔ پیار تو صرف پیار ہے اور جب یہ ہو جاتا ہے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ جس سے پیار کیا جائے ضروری نہیں کہ وہ بھی پیار کا جواب پیار میں دے۔

اتنی سی داستان ہے فقط حسن وعشق کی
تو "شمع" بن گئی تو میں پروانہ بن گیا......!

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0300-6242575 گجرات

☆☆☆

سچی کہانی کے قارئین کے نام

میں ان دوستوں سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ جو مخلص ہوں۔ میں تنہائی میں اکثر خود سے باتیں کرتا ہوں...... میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرا بھی اچھا دوست سا ہو...... جو ہر دکھ درد میں میرا شریک ہو...... نہ جانے کیوں دل مرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس زندگی میں تنہا رہنا بڑا مشکل ہے اچھے اور وفادار دوستوں کی تلاش ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی عمر بھر ساتھ نبھانے والا دوست ہو جو دوستی کو سمجھے...... دوستی ایک پاکیزہ رشتہ ہے قارئین رابطہ کریں۔

☆ ملک علی رضا' GP-1590 غازی کالونی' فیصل آباد

موبائل نمبر 0300-8664070

0333-4170986

☆☆☆

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔ جس کی عمر 12 سے 15 سال ہو۔ مجھے فون یا SMS کرے۔

☆ اے رشید' موبائل نمبر 0044-7922838325

لندن

☆☆☆

اے کے نام

میرے مشرقی کا خوب صورت حسین امتزاج

(اے) لیکن ہر شب میں چاند سے مت الجھا کریں۔

مجھے خوف آتا ہے اور کہکشاں میں جلتے ہونٹ کانٹے

کر ستاروں سے تلخ سرگوشیاں نہ کیا کریں میں پریشان

ہو جاتا ہوں۔

اور نہ آنکھیں پٹ پٹا کر بادلوں کو گھورا کریں

غصے سے گرج کر برسنے لگیں گے تو میرے لئے سنبھلنا

مشکل ہو جائے گا۔

تو آپ اگر مناسب سمجھیں کوئی آسان مبہم

سا انداز اپنا لیں کسی کو احساس تک نہ ہو ایسا جیسا

مثلاً سیاست دانوں کا سا رویہ کہو بہت کچھ اور پھر بھی

کچھ نہ کہو

کام کی بات کوئی نہ ہو۔ کوئی گرفتار نہ کر

سکے۔ آپ مزاج میں نرمی پیدا کریں اس میں ہی

عافیت ہے عقل مند اور ذہین تو آپ بہت ہیں بس

کبھی کبھی مزاج میں حاکمیت اتر آتی ہے۔ تو میں سوچتا

رہ جاتا ہوں۔

تو ابھی صرف آپ کو تعلیم کی طرف زیادہ

دھیان دینا چاہیے اور اس میں تھوڑا سا وقت نکال کر

آپ اپنی زندگی کے ارتقاء پر غور کریں۔

صبح سے دل چاہ رہا تھا آپ

سے سرگوشیاں کرنے کو مگر یہ بے لگام وقت ٹھہرنے کا

نام ہی نہیں لے رہا تھا بڑی مشکل سے فرصت ملی تو

میں پین اور پیڈ سنبھال کے بیٹھ گیا جیسے ہی میں نے

تصور میں آپ سے پوچھا کیا لکھوں تو آپ میرے کان

میں کانا پھوسی کر کے مسکرانے لگی۔

تو ہم بھی پین اور پیڈ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر

مسکرانے لگے۔

محمد سعید ــــــــــــــــ اوکاڑہ

☆ آسیب میری جان نہیں چھوڑ تا تھا ☆

رقیہ خانم .... اسلام آباد

سوال = مجھ پر آسیب کا اثر تھا گھر والوں نے بہت سے سیانوں' عاملوں سے رابطہ کیا مگر آسیب نے میری جان نہ چھوڑی اور نہ ہی آسیب میری شادی ہونے دیتا تھا...... آسیبی اثرات نے میری زندگی تباہ کردی تھی۔ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی۔ میں ذہنی مریضہ بن کر رہ گئی تھی۔ میری والدہ نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے میرے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کی بدولت مجھے آسیب سے نجات ملی میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی بہنوں اور بھائیوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی رقیہ خانم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ پر جو آسیب کے اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا۔ آپ نارمل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آسیب آپ کی شادی میں زبردست رکاوٹ بنا ہوا تھا مگر اب آپ کی شادی ہو رہی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے عذابد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ حالات بگڑ رہے ہیں ☆

محمد عارف .... لیہ

سوال = ہم دن رات محنت کرتے ہیں کہ کسی طرح حالات برقرار رہیں مگر جوں جوں کوشش کرتے ہیں۔ حالات مزید بگڑ جاتے ہیں گھریلو اور کاروباری حالات ابتر ہو چکے ہیں۔ بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد 313 مرتبہ "**واللہ سمیع علیم**" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 34) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

بے گھر' تشدد کی فرض سے تلے: بے مجبور بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملانے اور آزمانے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ☆

☆شوہر نے مجھے اپنے پاس بلا لیا ہے☆

☆روحی سہیل۔ فرانس (FRANCE)☆

سوال = میرے خاوند عرصہ آٹھ سال سے بیرون ملک فرانس میں مجھے ان آٹھ سالوں میں نہ تو وہ واپس آئے اور نہ ہی مجھے اپنے پاس بلایا۔ عزیز رشتہ دار عجیب وغریب باتیں کرتے تھے۔ ان سے صرف فون پر بات ہوتی تھی بہت پریشانی تھی میں نے کسی عزیزہ کے کہنے پر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی کہتے ہوئے بہت محنت اور خلوص سے تمام عملیات جو کہ بہت مشکل تھے خود کیے...... جن کی بدولت آج میں اپنے شوہر کے پاس فرانس میں ہوں اور میں بہت خوش وخرم زندگی بسر کر رہی ہوں میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی روحی سہیل صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا شوہر راہ راست پر آگیا ہے اور آپ کو اپنے پاس فرانس بلا لیا ہے جہاں آپ بہترین اور خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں عطا فرمائے اور آپ سدا آباد وشاد رہیں (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆میری بیٹی بے اولاد تھی☆

☆کلثوم بیگم۔ نواب شاہ (سندھ)☆

سوال = میری بیٹی کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے مگر ہماری بیٹی بے اولاد تھی اسی وجہ سے آئے روز جھگڑے ہوتے تھے۔ سسرالی طعنے دیتے تھے۔ ہم والدین ہیں ہم سے اپنی بیٹی کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی تھی۔ ایک دن میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے مجھے بہن کہتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو میں نہیں کر سکتی تھی۔ ان کی بدولت آج ہماری بیٹی صاحب اولاد ہے اور ہماری بیٹی اب سسرال میں سب کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی ہے خدا گواہ ہے کہ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی ماؤں' بہنوں کو مشورہ دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے

☆اولاد (خاص کر اولاد نرینہ) کے لیے پریشان بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملایئے اور آزمایئے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی......☆

حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بہن کلثوم بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی بیٹی شادی کے آٹھ سال بعد صاحب اولاد ہوئی۔ اب تمام سسرالی اسے پیار کرتے ہیں اب آپ کی بیٹی سسرال میں بہت خوش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کی اور سب کی بیٹیوں کا گھر آباد وشاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ سسرالیوں نے جینا حرام کر رکھا تھا ☆

صدف شہزادی .... کوٹلی (AK)

سوال = شوہر بہت پریشان کرتے تھے۔ ساس' نندوں نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ یہ میرے شوہر کو پٹی پڑھا کر مجھے شوہر سے مرواتی تھیں۔ آئے روز کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ذلیل و رسوا کرتے رہتے تھے۔ زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ بہت ہی مشکل تھے وہ انھوں نے خود کیے..... ان کی بدولت آج وہی ساس' نندیں مجھ پر مہربان ہیں اور اب ہر کام میں مجھ سے مشورہ لیتی ہیں۔ اب شوہر بھی ہمارا خیال رکھتے ہیں اب گھر میں مجھے ہر طرح کا سکون ہے۔ میں دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنی جیسی مجبور اور بے بس بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بہن صدف شہزادی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا گھر ایک مثالی گھر بن گیا ہے۔ آپ کی ساس' نندیں اور شوہر آپ کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد وشاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ میری تمام اولاد نافرمان تھی ☆

غلام رسول .... اوچ زدہ

سوال = میری بچیاں اور بچے سب نافرمان تھے

ہماری بے عزتی کرتے تھے۔ صرف اپنی بات منواتے تھے دوسرے کی نہیں سنتے تھے اسی وجہ سے میری بچیوں کے رشتے بھی نہیں ہو رہے تھے۔ ہم پورے خاندان میں بدنام اور ذلیل ہو رہے تھے۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ آپ (سید واحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انہوں نے پوری لگن اور محنت سے وہ تمام عملیات خود کیے...... جو میں نہیں کر سکتا تھا اور ان عملیات کی بدولت اب میری ایک بیٹی کی شادی طے ہوگئی ہے۔ سب بچیاں اور بچے فرمانبردار ہوگئے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میرے گھر میں کوئی طوفان تھا جو اب تھم گیا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے بہن' بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی اولاد راہ راست پر آ گئی ہے اور آپ کی ایک بیٹی کی شادی طے ہوگئی ہے اسی طرح دوسری بچیوں اور بچوں کی شادی بھی طے ہو جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ اور آپ کی اولاد کو عقل سلیم عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ......☆

☆گھر میں اتفاق نہیں ہے☆

حامد محمود ...... نارووال

سوال = میرے گھر میں اتفاق نہیں ہے گھر کے تمام افراد اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی بے عزتی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں ان کو سمجھا سمجھا کر تھک آ چکا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں اور ہر نماز کے بعد درود شریف بکثرت سے پڑھیں اس کے بعد "100 مرتبہ **انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا** " پڑھ کر اس کے تکیوں پر پھونک مار دیں۔ مدت عمل 40 روز ہے۔ خیال رہے کہ ایک دوسرے کا تکیہ استعمال نہ کریں☆

☆ساس مجھے چغل خور اور فتنہ کہتی تھی☆

نرگس ...... راولپنڈی

سوال = میری ساس مجھے پورے خاندان میں چغل خور اور فتنہ کے نام سے مشہور کرتی تھی۔ میری ساس ہر کسی سے مجھے فتنہ کی جڑ کہتی تھی۔ میری

اگر طلاق کا مسئلہ ہے تو فوراً حل ہوگا۔ بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر ... موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی ضرور ہوگی ☆

ساس نے مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیا تھا۔ ہر برائی میرے نام لگا کر مجھے بدنام کرتی تھی۔ میری ساس نے مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔ میں بہت تنگ آ چکی تھی۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید واحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے میرے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو کہ میں نہ کر سکتی تھی۔ ان عملیات کی بدولت میری ساس راہ راست پر آ گئی ہے۔ اب میری ساس میری تعریفیں کرتی ہوئی نہیں تھکتی۔ اب میں بہت خوش ہوں اور میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی نرگس بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ساس راہ راست پر آ گئی اور اب آپ کی برائیاں نہیں کرتی۔ بلکہ آپ کی تعریف کرتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا سلامت اور سدا خوش رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب ... امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ...... ☆

☆ بچیوں کی شادی پر بندش تھی ☆

فاطمہ النساء، کراچی

سوال = میری بچیوں کی شادی نہیں ہو رہی تھی بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں۔ میری راتوں کی نیند اور دن کا چین ختم ہو چکا تھا کوئی پل سکون نہیں تھا۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید واحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ مشکل تھے۔ جو میں نہیں کر سکتی تھی خود کیے...... جن کی بدولت میری ایک بیٹی کی شادی ہو گئی ہے اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہو گئی ہے میں تو پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔ خدا گواہ ہے میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی پریشان بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم بیٹی فاطمہ النساء صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ایک بیٹی کی شادی ہو گئی ہے اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہو گئی ہے ان پر جو "بندش شادی" تھی اس کا خاتمہ ہوا۔ دعا

اولاد کی نافرمانی سے معاشرہ ... میں ... آپ سے ایک فون کال کی دوری پر ... فون ملائیے اور ... سچی کہانی ... ☆

ہے کہ اللہ پاک! سب کی بیٹیوں کو اپنے اپنے گھر میں سدا سکھی رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ...... ☆

☆ نحوست ہی نحوست ہے ☆

عبدالستار ...... ساہیوال

سوال = ہمارے گھر میں نحوست چھائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے گھریلو اختلافات' تنگدستی' پریشانی اور بیماری کا غلبہ ہے۔ اس نحوست کی وجہ سے ہر فرد ایک دوسرے سے لڑتا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "313 مرتبہ واللّٰہ غفور رحیم " (سورۃ آل عمران آیت نمبر 13) پڑھیں اوّل و آخر تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 3 تاریخ سے لے کر 23 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ کالے علم' جادو ٹونہ نے برباد کر دیا تھا ☆

محمد حسین ...... ملتان

سوال = ہر چیز آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ صحت' کاروبار' رشتہ داری غرضیکہ ہر چیز ہمارا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ہم بالکل اکیلے اور تباہی کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص' محنت سے ہمارے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے ...... جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ جن کی بدولت ہماری جان جادو ٹونہ' کالے علم کے اثرات سے چھوٹ گئی ہے۔ اب ہم نارمل اور بہترین زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے

ہیں۔ اب صحت، کاروبار بھی ٹھیک ہو رہا ہے اور تمام رشتے دار بھی ہمیں ملنے لگے ہیں۔ میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں اور میں اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ پر کیے گئے جادو ٹونہ، کالے علم کے گندے اور برے اثرات کا خاتمہ ہوا۔ آپ اب نارمل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے۔ آپ سب کے سب صحت مند ہو رہے ہیں۔ کاروبار بار بھی ٹھیک ہو رہا ہے اور رشتے دار بھی ملنے لگے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو بہترین اور مثالی زندگی عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں ☆

کوثر یاسمین .... راولپنڈی

سوال = میرے شوہر کالوں کے کچے تھے جو کچھ ان کی ماں اور بہن کہتی تھی اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے میری نہیں سنتے تھے۔ حالانکہ میرے شوہر پہلے بہتر تھے۔ میں جو کہتی تھی اس کا الٹ کرتے تھے۔ میری ساس اور میری نندیں مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ میں ذہنی طور پر مفلوج ہو چکی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو میں نہیں کر سکتی تھی جن کی بدولت میرا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب میرے شوہر ماں اور بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے۔ اب مجھے ذہنی سکون ہے اور میرے شوہر اب ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میں آپ کو دعائیں دیتی ہوں۔ اب میں آپ کی دعاؤں سے بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی کوثر یاسمین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹتا ہوا گھر دوبارہ مثالی گھر بن گیا ہے اب آپ کا شوہر بچوں اور آپ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کو ہمیشہ کے لیے شاد و آباد رکھے (آمین) آپ

بے گھر، تنگدستی، قرض تلے دبے مجبور بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ...
... کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ ...

سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆ کام میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ہے ☆

خورشید احمد .... گوجرہ

سوال = میں بہت محنت کرتا ہوں۔ مگر میرا کوئی بھی کام صحیح وقت پر نہیں ہوتا' ہر کام میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ آجاتی ہے اور لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "21 مرتبہ سورۃ اخلاص" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 7 تاریخ سے لے کر 27 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ میرا شوہر بدکردار تھا ☆

فوزیہ رانی .... سرگودھا

سوال = میرے شوہر کے غیر عورتوں سے تعلقات تھے شوہر کا اچھا بھلا کاروبار تھا۔ سب کچھ ان عورتوں پر لٹا دیتے تھے۔ ہر وقت موبائل پر ان عورتوں سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ اور گھر کا انھیں کوئی خیال نہیں تھا ہر وقت باہر گندی عورتوں کے ساتھ پھرتے رہتے تھے۔ ذہنی طور پر میں بہت پریشان تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو کہ میرے لیے کرنا بہت مشکل تھے۔ جن کی بدولت میرے شوہر راہ راست پر آگئے اور انھیں تمام گندی عورتوں سے نجات مل گئی ہے۔ اب میرا شوہر گھر کا اور ہمارا دھیان رکھتا ہے۔ میں اب ایک بہترین زندگی بسر کر رہی ہوں۔ میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی فوزیہ رانی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا شوہر راہ راست پر آیا اور تمام گندی عورتوں سے چھٹکارا ملا۔ اب آپ کا شوہر سب کا بڑا دھیان رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆میرے چار بچے فوت ہو گئے تھے☆

آسیہ خاتون .... گجرات

سوال = میری شادی کو نو سال ہو چکے تھے ان نو سالوں کے دوران میرے ہاں چار بچے پیدا ہوئے تھے اور چاروں ہی فوت ہو گئے تھے۔ میں ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ پریشان تھی کیونکہ میری ساس اور سسر میرے خاوند کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ میں نے آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے میرے لیے بہت محنت اور خلوص کے ساتھ تمام عملیات خود کیے..... جن کی بدولت آج میری گود میں بیٹا ہے۔ اب میرا خاوند میرے سسرالی سب کے سب مجھ سے اور میرے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بہنی آسیہ رانی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کو خوبصورت صحت مند بیٹا عطا ہوا۔ بچوں کا بار بار مرنا بہت خطرناک مرض ہوتا ہے اس مرض سے آپ کو نجات ملی۔ اللہ پاک! نے آپ کو ہیرا (بیٹا) عطا کیا ہے دعا کہ اللہ پاک! آپ کو اپنے گھر میں سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ.....☆

☆عجیب و غریب الجھن ہے☆

امجد پرویز ..... ساہیوال

سوال = نہ تو میں کسی سے بات کر سکتا ہوں اور نہ کسی سے ہاتھ ملا سکتا ہوں۔ جب میں کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو گھبرا جاتا ہوں۔ میں نے بہت علاج کروایا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی عمل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ سفید کپڑے کا صدقہ دیں، ساتھ اچھی کتب کا مطالعہ بھی شروع کریں اور پابندی نماز کریں ہر روز قرآن پاک کی تلاوت ضرور کیا کریں ہر نماز کے بعد "99 مرتبہ واللہ غفور رحیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں۔ مدت عمل صرف 31 روز ہے☆

☆گھریلو اختلاف، بیماری☆

خالد محمود ..... نارووال

سوال = ہمارے گھر پر نحوست کے سائے ہیں۔ جس

کی وجہ سے گھریلو اختلاف تنگدستی اور بیماری کا غلبہ ہے اس نحوست کی وجہ سے ہر وقت لڑائی رہتی ہے آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "313 مرتبہ واللّٰہ غفور رحیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 24 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ کاروباری بدحالی تھی ☆

☆ محمد سلیمان .... راولپنڈی ☆

سوال = کاروباری بدحالی نے ختم کر کے رکھ دیا تھا کبھی کوئی مشینری ٹوٹ جاتی اور کبھی کوئی مشین خراب ہو جاتی ...... لاکھوں روپے کا قرضہ لے کر کاروبار میں شامل کر دیا تھا مگر سب کا سب تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ فیکٹری چلنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی بہت پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص سے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے ...... جن کی بدولت آج پھر سے میرا کاروبار آہستہ آہستہ چل پڑا ہے میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد سلیمان صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کے کاروبار پر جو کالے علم کے اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں نصیب فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ...... ☆

> ## خصوصی اعلان
> ### بیرون ممالک میں بھی آپ کی خدمت
> بیرون ممالک خصوصاً شارجہ، ابوظہبی، دوبئی
> سعودی عرب امریکہ وغیرہ سے ایک ایک فون
> کال پر با آسانی گھر بیٹھے حل کروائیں
> ☆☆ وطن سے دور تمام محب وطن بھائیوں کی خدمت ☆☆

آپ کا اپنا ہمدرد روحانی معالج نیت

(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ

شاہین چک نمبر ڈی ضلع گجرات

(0300-6493614)

☆ ☆

پرائز بانڈز کی دنیا

تحقیق.....چاند بابا

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرا نمبر 60 . . 01-10-2014 . . 15000

01	040	052	250		506	568	856	80
02	11	22	28	2 6	41	56	62	82
05	15	25	31	5	50	58	65	85
06	20	26	33	8 0	52	60	68	86
08	0528	2506	5404		6582	7211	8560	90

شہر۔۔۔پشاور۔۔۔ڈرا نمبر 60 ......15-10-2014......750

00	002	105	304		403	405	501	54
01	06	14	21	4 1	34	41	46	56
03	10	15	30	0	35	43	50	66
04	13	20	31	5 3	40	45	51	73
05	1054	3045	4031		5013	5140	5713	96

انعامی مبلہ

تحقیق ...... بابا راؤ شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ..... مظفرآباد ..... ڈرا نمبر 60 .... 01-10-2014 .. 15000

01	012	028	216	325	523	820	80	
02	11	22	28	0 3	35	52	58	82
03	13	23	30	2	38	53	73	83
05	20	25	32	5 8	50	55	78	85
08	0283	2773	3250	5238	7730	8205	98	

شہر ..... پشاور ..... ڈرا نمبر 60 .... 15-10-2014 750

00	065	139	263	362	560	571	63	
01	06	23	30	3 0	36	50	56	65
02	08	25	32	6	41	52	60	77
03	20	26	35	5 2	43	53	62	80
05	0653	1510	2635	3620	5160	5602	98	

قسمت اپنی اپنی

تحقیق ... بابا کمال شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈ کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ... ڈرا نمبر 60 ... 01-10-2014 15000

04	020	202	369			768	867	963	93
10	29	37	60	7	9	68	78	86	96
14	31	38	63	6		73	79	87	97
17	36	39	67	3	8	76	83	89	98
20	0101	3698	7330			7683	8673	9637	95

شہر پشاور ... ڈرا نمبر 60 ... 15-10-2014 750

01	104	305	320			401	403	503	60
03	11	14	31	4	5	40	45	53	62
04	12	15	34	0		41	50	54	90
05	13	30	35	3	1	43	51	56	91
10	1043	3051	3981			4015	5034	5034	96

چھتری کا منتر

تحقیق ...... بابا روشی شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر: مظفر آباد ... ڈرا نمبر 60 ...... 01-10-2014 15000

02	052	108	250		750	758	852	84
05	20	27	50	0 7	58	75	81	85
07	23	28	52	5	70	78	82	87
08	25	35	57	8 2	72	80	83	93
15	0002	0507	0527		2508	7580	8572	99

شہر: پشاور ... ڈرا نمبر 60 ...... 15-10-2014 750

00	021	120	427		537	631	724	70
01	07	14	21	1 4	27	41	50	71
02	10	17	22	2	30	42	55	72
04	12	20	24	7 0	40	47	56	74
90	0217	1204	1475		4271	7240	7461	89

بیوٹی کیئر

انچارج۔فضہ ماہین

اس عنوان کے تحت ہمیں "بیوٹی ٹپس" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کردیں گے۔خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کرواسکتی ہیں۔

بیوٹی کیئر۔ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

گھر پر ہی اسکرب کریں

گھر بیٹھے ہی اپنے چہرے پر اسکرب کیجئے بیوٹی پارلر جاکر پیسے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔

چینی کا اسکرب

اپنے کلینزر میں ایک کھانے کا چمچ چینی ملالیں۔ اسے ہلکے ہاتھوں سے (جہاں آپ اسکرب کرنا چاہیں) رگڑ کر لگائیں۔تھوڑی دیر لگا رہنے دیں اور پھر دھو لیں۔یہ اسکرب آپ کی گردن، گھٹنوں، کہنیوں کی مردہ DEAD SKIN کی تہیں اتارنے کے لیے آزمودہ ہے۔آپ ہفتے میں دوبار یہ اسکرب استعمال کرسکتی ہیں۔

☆آسترا رند ھاوا۔کراچی

سردیوں میں ناخنوں کی حفاظت کیجئے

سردیوں میں ناخنوں کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔ناخن نازک ہوتے ہیں اور سردیوں میں خشکی انہیں بھی متاثر کرتی ہے۔جس سے بھر بھرے اور نازک ہو جاتے ہیں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ٹھنڈا پانی بھی انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے اس موسم میں ان کی حفاظت کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔لوشن یا کولڈ کریم کی بجائے پیٹرولیم جیلی ان کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔

دن کے اوقات میں ہاتھ دھونے کے بعد جیلی لگا دی جائے تو جلد اور ناخن خراب ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔اس طرح رات سونے سے قبل ناخنوں پر روغن زیتون کا مساج کریں۔پندرہ منٹ تک مساج کافی رہتا ہے۔

روغن زیتون ناخنوں کو محفوظ بناتا ہے جبکہ ان کی چمک میں بھی اضافہ کرتا ہے۔سردیوں کے موسم میں ناخنوں کے اردگرد جلد بھی اکھڑنے لگتی ہے جو تکلیف دہ ہوتا ہے۔روغن زیتون سے جلد کی ناخنوں پر پکڑ بڑھ جاتی ہے۔

☆شازیہ انصاری۔سلانوالی ضلع سرگودھا

☆☆

طب یونانی، طب روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ ...... موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

ہومیو پیتھک بانجھ پن کے
خاتمے کے لیے بہترین طریقہ علاج
میرا طریقہ شریعت کے عین مطابق ہے

س = ڈاکٹر صاحب! کیا بانجھ پن کا خاتمہ ممکن ہے؟

جواب = ہومیو پیتھک اس دور میں ایک بہترین طریقہ علاج ہے۔ بیٹا بیٹی دینا یہ سب رب العزت کے اختیار میں ہے۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ جنہیں شادی کیے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ مسائل کا شکار ہیں۔ وہ ایک مرتبہ میرے پاس ضرور تشریف لائیں۔ میں نہ صرف ان کا کامیاب علاج کروں گا بلکہ ان کے بانجھ پن کے خاتمے کے لیے ایسی ادویات دوں گا۔ جن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو اولاد نرینہ عطا فرمائے گا بلکہ وہ خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار سکیں گے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ہومیو پیتھک پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک جو لوگ میرے پاس آئے اور انہیں بیٹے بیٹی کی خواہش تھی میرے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ میں نے ہومیو پیتھک پر جدید ریسرچ کی ہے جس کے نتیجے میں میرے پاس علاج کی غرض سے آنے والے ہزاروں لوگ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بیٹے کی خواہش لے کر آئے...... بعض ایسے بھی تھے جن کے گھر میں 4 سے 5 بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات جنم لے رہے تھے۔ میرے علاج کے بعد رب العزت نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ اس کے بعد وہ میرے علاج سے اس قدر مطمئن اور خوش ہوئے کہ بعد میں اپنے ہمراہ سینکڑوں ایسے جوڑے لے کر آئے جن کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کامیاب علاج کروانے کے بعد رب العزت نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا۔ ہمارے پاس Azosperor کا خاص طور پر علاج کیا جاتا ہے۔

س = ڈاکٹر صاحب! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے علاج کے بعد 90 فی صد جوڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا...... لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ عامل اور پیروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کرتا ہے۔ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن سے عوام الناس صحیح یا غلط میں تمیز کر سکتے ہیں؟

جواب = یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ متعدد لوگ ضعیف

اعتقادی کے باعث ایسے غلط سازوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 90'000 سے زائد عامل وغیرہ کام کررہے ہیں اوران کے پاس جانے والے سائلوں کی تعداد پانچ لاکھ یومیہ سے کم نہیں...... آپ شہر کے کسی بھی گلی محلے' کوچے یا شہر کے کسی ویران کونے میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہ عامل پیر فقیر ضرور دکھائی دیں گے اور سادہ لوح عوام خاص طور پرخواتین ان کا شکار بنتی ہیں۔

افسوس آج معاشرے میں ہر جگہ جادو ٹونے' تعویذ گنڈے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔کالے جادو اور دوسرے عملیات کا باقاعدہ اعلان دعویٰ کیا جاتا ہے۔شرعی اصطلاح میں شرک اور منتر' غلط جھاڑ پھونک جو جادو کرنے والے ہیں وہ دوسرے افراد کونقصان باقاعدہ پہنچانے کا کام جنات وشیاطین کے تعاون سے کرتے ہیں۔جب یہ بدفطرت افراد شرک وکفر کرتے ہیں تو شیطان اس عامل کے ساتھ اس کام میں تعاون کرتا ہے کیونکہ یہ تعاون اس شرط پر ہوتا ہے کہ عوام الناس مرد یا عورت سے شرک کروایا جائے۔غرض اخبارات میں دعوؤں سے مرعوب ہوکر پریشان حال لوگ ان عاملوں پر ہزاروں روپے خرچ کردیتے ہیں۔ایسے لوگوں کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے اور آستانے پر آنے والا ہر فرد اس امید کے ساتھ آتا ہے کہ یہاں براجمان عامل' پیر فقیر اس کے تمام مسائل کو منتروں سے حل کردے گا۔

اس کے برعکس معاشرے میں کچھ ایسے عالم بھی ہیں جو لوگوں کے مسائل کے لیے قرآنی آیات وظائف دیتے ہیں اور وہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور لوگ شفایاب بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے بے غرض لوگ بہت کم ہیں۔

اچھا تو ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان میں Perceptional Disorder ہوتا ہے۔جن لوگوں کو یہ زیادہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزیں تصور کرلیتے ہیں کہ میرے آگے پیچھے کچھ لوگ پھر رہے ہیں یا فلاں چیز مجھے مار رہی ہے۔سائنس کے مطابق بعض لوگوں کے Sensory Organs اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ کمرے کے دوسرے جانب یا شہر سے باہر ہونے والی چیزوں کو دیکھ یا سن سکتے ہیں۔وہ صرف لاعلمی' جہالت اور ضعیف اعتقادی کی وجہ سے ان جعلی عاملوں اور پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔لوگ ہسٹیریا جیسے مرض کا علاج جادو ٹونے سے کرواتے ہیں۔

س=ہسٹیریا ہے کیا......؟

جواب=ہسٹیریا کا مرض زیادہ تر خواتین کو ہوتا ہے۔مردوں میں اس کا تناسب انتہائی کم ہے۔ہسٹیریا ایک نفسیاتی مرض ہے۔دراصل جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کی جنسی

جہات بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ جنسی بھی ہو سکتی ہیں۔ محبت میں کمی یا عدم توجگی بھی ہو سکتی ہے جب یہ خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں تو مریض عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ مریض کو محسوس ہوتا ہے کہ گلے میں گولا آ کر اٹک گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ اس ہسٹیریا کے دورے کو لوگ جن یا آسیب کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں...... حالانکہ ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا لڑکی کے علاج میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔ جادو کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن شریف دنیا کی واحد عظیم ترین کتاب موجود ہے۔ جس میں بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس سے استفادہ ہونے کی ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے مرض کا باقاعدہ علاج ہونا چاہیے۔ ہم مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ لہٰذا معاشرے میں بے چینی خود غرضی اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔

س= ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب= بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت پر موسم' جذبات' دوست واحباب' ثقافت' والدین' اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے رویے کا ذکر تو بڑی شدو مد کے ساتھ کرتے ہیں مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوچ اور کردار کا ناقدرانہ جائزہ لینا چاہیے۔ اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت تبدیلی ہو گی وہ ذہنی' جسمانی اور جنسی صحت کی بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہو گی۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت واحترام اور قربت ولگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات وجذبات کا احترام کرتے ہوں اور پرسکون' مطمئن ہوں۔ اپنے

آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جنسی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کر دیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ یہی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پروائی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک دیکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پروائی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہنا رہتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے "اس دفعہ اور" کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور "نہ" کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر "نہ" کہنے کا سلیقہ آ جائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی حرارت و اعتماد کا احساس ہوگا۔

خود فراموش ہو جائیے

"معذرت" کرنے یا "نہ" کہنے کی جرأت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ "نہ" کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہر حال صاف گو بنئے۔ صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے

بارے میں افرادِ خانہ بالخصوص شریکِ حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے رہتے ہیں اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریکِ حیات سے مکالمہ کیجیے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریکِ حیات کو شامل کیجیے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریکِ حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشنا کر دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نوجوانوں کو بھی قابلِ اعتماد، سنجیدہ اور باعمل اور باعلم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد مل جائیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجیے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجیے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجیے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگتے ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے لیکن نوجوان بلا وجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورتِ حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند رکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کیجیے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجیے۔ لوگ جنس کے بارے میں

بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆ حکیم شیخ محمد امین
موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

☆☆☆

ہیپاٹائٹس بی سے مکمل علاج یونانی اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے

گردے کے امراض، مردانہ امراض، پیٹ کے امراض، زکام، جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے

☆ حکیم محمد امین ماہر معالج و گولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب مشرقی ایشیا اور اس کے گرد و نواح کے ملکوں میں ایک وباء کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے تباہ کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک وباء کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص ہیپاٹائٹس B یا C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک، مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف ٹوٹکوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ مبتلا کیں ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HB تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض ورطہ حیرت ہوتا ہے۔ مہنگا علاج، مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive) ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان، مصر، چین، ایران، ثمرقند اور بخارا کے ماہرین طبیب بخوبی واقف ہیں

علاج کرتے رہے ہیں۔ان ادویات سے نہ صرف یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور و معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہوجاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔یہ بہت نازک عضو ہے۔اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی "بائل" کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے "پتے" میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہوسکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں کی زیادتی سے جگر پر مضر اثرات

شراب نوشی تمباکو نوشی اور دیگر نشیات کے استعمال مثلاً چرس افیون بکثرت تمباکو نوشی یا بورنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹامول کا استعمال وغیرہ ہے۔کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جاسکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A,B,C,D,E وغیرہ ہیں۔ان میں سے کچھ کم نقصان دہ ہیں C اور B ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد یرقان پیدا کرنے کو موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis.B)

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے۔یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم

میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatits Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکڑ (Cirhosis of Lecel) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاءاللہ تعالیٰ 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا مریض شفایاب ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر اب لوگ منی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج کر گھر بیٹھے کورس منگوا سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے و علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C متعدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارہواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزار ہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں کے لیے غذائی چارٹ

لوکی، بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی)، دیسی مرغی

(کم مقدار) ٹھنڈے کوکنگ آئل شلجم خربوزہ کالی مرچ (ہلکی) مولی مسی کھیرا میتھی سرسوں کا ساگ ککڑی کریلہ لوبیا گریپ فروٹ اور پالک ہے۔

بی بی گلریبا ٹاؤن کوہاٹ

موبائل نمبر 0345-7000088

☆☆☆

شادی شدہ کمزور مرد
''احسن مبھی'' خاص استعمال کریں
20 سال سے آزمودہ
مضر اثرات سے قطعی پاک

سفر جل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس پھل کے باغات اسپین لبنان اور عرب ممالک کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔یہ پھل بہت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے۔ قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کردی ہے۔جس سے بوڑھے مرد بھی جوان ہوجاتے ہیں اور کمزور مردوں کے لیے ایک ٹانک ہے۔سفر جل ایک ایسا نایاب پھل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

''سفر جل کھاؤ یہ دل کو طاقت دیتا ہے' دل کے دورے کو روکتا ہے' دل کو مضبوط کرتا ہے' دل کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے' سانس کو خوشبودار بناتا ہے اور سینے کا بوجھ اتارتا ہے۔'' پھر آپ سرکار ﷺ نے سفر جل کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ۔

''سفر جل کھاؤ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں مامور فرمایا جسے جنت کا یہ پھل سفر جل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مردانہ قوت کو چالیس گنا بڑھا دیتا ہے۔''

حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل وجگر کی بیماریوں اور قوت خاص کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔حکیم سیف اللہ سیکھوانی کتاب میں لکھتا ہے۔

''سفر جل میں قدرت مطلق نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔''

زمانہ قدیم کے نامور حکماء لکھتے ہیں کہ۔

''یہ پھل بے حد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔''

حکیم محمد امین سفر جل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

''اس پھل میں قدرت نے وہ قوت رکھی ہے کہ شاید ہی کسی اور پھل میں ہو۔کیونکہ یہ پھل قوت خاص کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔نہ جانے اس پھل میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو کہ انسان کے لیے یقینی طور پر مفید ہوسکتی ہیں۔سفر جل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کرکے آپ کے سامنے وہ قیمتی راز لکھ رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرانے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے' سرعت انزال کو دور کرنے اور وقت خاص میں تحریک پیدا کرنے کے لیے باکمال چیز ہے۔ جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں ایسا کرنٹ آجاتا ہے کہ مرد جاوشادباں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کا نام ''احسن مبھی خاص'' ہے کولیوں کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ہر قسم کے مفت طبی مشورے اور گھر منگوانے کے لیے اس نمبر پر رابطہ

کریں۔ 0345-7000088۔ احسن سمیع خاص

پورے پاکستان میں ہر اچھے دواخانہ' ہومیو پیتھک سٹور پر دستیاب ہے نام لے کر طلب کریں۔

ہمارے ڈیلر حضرات

☆ خواجہ سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی

☆ صدر میڈیکل سٹور' صدر کراچی

☆ سپر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ' صدر کراچی

☆ محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ' کراچی

☆ طلحہ ٹریڈرز واٹر پمپ چورنگی' کراچی

☆ عرفان فاروقی جڑی بوٹی لانڈھی' کراچی

☆ بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن' کراچی

☆ مصطفےٰ دواخانہ رسالہ روڈ راحت سینما' حیدرآباد

☆ مادرِ دواخانہ پولیس لائن' حیدرآباد

☆ محمد علی دواخانہ لبرٹی پلازہ آبپارہ' اسلام آباد

☆ مسلم ہومیو نعمان ہومیو کچہری روڈ' حیدرآباد

☆ جرمن ہومیو کچہری روڈ' حیدرآباد

☆ عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی' کراچی

☆ طارق ہومیو' ڈہرکی

☆ اسٹار شاپ بھلوال

☆ عاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ' ٹنڈو آدم

☆ کرنل پنساری سٹور شاہی بازار' لاڑکانہ

☆ خالد برادر مدنی سٹریٹ' سکھر

☆ مدینہ میڈیکل ورکشاپ' ٹنڈو آدم

☆ پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار' جیکب آباد

☆ ضیاء ہومیو سکندر ولیو وہ' پشاور

☆ [illegible] میڈیکل سندھی ہوٹل نیو کراچی' کراچی

[illegible]

☆ علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر' ملتان

☆ ابن سینا دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر' ڈی جی خان

☆ ارشد برادر غلہ منڈی' ملتان

☆ حافظ دواخانہ کلاں بازار' ڈی آئی خان

☆ مشہور دواخانہ مسلم بازار' پشاور

☆ الصحت' عابد' سینٹر روڈ دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور

☆ رحمانیہ ملت دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور

☆ نوید صحت' ناصر دواخانہ' پشاور صدر

☆ حافظ دواخانہ' شکر درہ' کوہاٹ

☆ حکیم جمیل مینا بازار' چکوال

☆ مدینہ پنساری گوجر خان روڈ' مردان

☆ سعید میڈیکل' نوشہرہ

☆ المدد پنساری' ایبٹ آباد

☆ الصحت پنساری' ایبٹ آباد

☆ مشتاق پنساری' غازی گھاٹ

☆ بادشاہ دین احمی بوہڑ بازار' راولپنڈی

☆ حکیم صوفی نور محمد اہلحدیث چوک' جہلم

☆ زمان دواخانہ روہتاس روڈ' جہلم

☆ ہمدرد دواخانہ' جہلم

☆ ہمدرد دواخانہ' دینہ

☆ ہمدرد دواخانہ' لالہ موسیٰ

☆ ہمدرد دواخانہ' میرپور

☆ ہمدرد دواخانہ' مظفرآباد

☆ ہمدرد دواخانہ' گلگت

☆ ہمدرد دواخانہ' چلاس

☆ الحسن پنساری سٹور لکی مروت

☆ امجد برادرز لکی گیٹ بنوں

☆ ☆

قلمی دوستی

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن ارسال نہ کرنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

بسیکر انچارج قلمی دوستی..... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور





نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا' سنوکر کھیلنا اور مخلص دوستوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasooelzia@yahoo.com



نام: اے رشید

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922839325

نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل۔ ایل۔ بی

مشغلہ: مطالعہ کرنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ پوسٹ بکس نمبر 217 جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@780yahoo.com



نام: عبدالغفور

عمر: 45 سال

تعلیم: ایف اے (فاضل عربی) ٹیچنگ

مشغلہ: مذہبی، تاریخی، روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کرنا، سیر و سیاحت کرنا، روحانی علاج کرنا، خط و کتابت کرنا، ٹیلی فونک دوستی کرنا، اچھے اور باوفا لوگوں سے قلمی دوستی کرنا اور نبھانا۔

پتہ: عبدالغفور، موبائل نمبر 0305-5435404
0307-3826139 حافظ آباد



نام: عاصم بشیر

عمر: 31 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، چیٹ کرنا اور تحفہ و تحائف کر تبادلہ کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور



نام: اکرم سہیل

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: دوستوں کی مدد کرنا، غریبوں کی مدد کرنا، لڑکے اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، صرف مخلص لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: اکرم سہیل موبائل نمبر 0302-4050946 لاہور



نام: عبدالستار

عمر: 25 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، مخلص لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: عبدالستار موبائل نمبر 0315-779685 لاہور



نام: ذیشان ریاض

تعلیم: بی اے

مشغلہ: فون پر SMS کرنا، دوستی کر کے نبھانا، فلمیں دیکھنا اور سچی کہانی پڑھنا۔

پتہ: ذیشان ریاض، P-62 کینال روڈ نزد دوحہ ہوٹل فیصل آباد۔ موبائل نمبر 0300-6602417



نام: فیض محمد بخش لنگا

تعلیم: ایم اے

مشغلہ: کہانیاں لکھنا، قلمی دوستی کرنا اور تحائف کا تبادلہ خیال کرنا۔

پتہ: فیض محمد بخش لنگا، لاہور موڑ پرانا خانیوال، پوسٹ کوڈ 58160 موبائل نمبر 0300-6887586
0333-6238528



نام: علی رضا

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، ہر خط کا جواب دینا، SMS کرنا۔

پتہ: علی رضا، P-1590 غ کالونی، فیصل آباد
موبائل نمبر 0300-8664070



نام: نوید احمد

تعلیم: بی اے

مشغلہ: کتابیں پڑھنا، فون پر دوستی کرنا۔

پتہ: نوید احمد معرفت کراچی ملتان ٹریڈرز دکان نمبر 34، جوڑیا بازار، کراچی
موبائل نمبر 0321-386695





قارئین خبردار ہوشیار ہو جائیں

یہ شخص جس کا نام ناصر علی ولد محمد بشیر ہے جو چک نمبر 99.9L بھولے دی جھوک تحصیل و ضلع ساہیوال کا رہنے والا ہے۔ جو اپنے آپ کو واپڈا کا ملازم کہتا ہے۔ حقیقت میں یہ واپڈا ملازم نہیں ہے۔ یہ شخص مختلف رسائل و ڈائجسٹ میں اپنی تحریریں شائع کرواتا ہے۔ ان ہی رسائل و ڈائجسٹ سے لوگوں کے موبائل لے کر ان سے دوستی کرتا ہے۔ پھر ان سے دوستی بڑھا کر مختلف حیلوں بہانوں سے پیسے مانگتا ہے۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے یہ شخص لوگوں کو واپڈا میں نوکری دلوانے کا کہہ کر ان سے پیسے لیتا ہے مگر نوکری ان کو نہیں ملتی ......اور پھر بعد میں وہ لوگ جنہوں نے اسے نوکری کے لیے پیسے دیے ہوتے ہیں اس شخص سے جب رابطہ کرتے ہیں تو یہ شخص اپنا موبائل نمبر تبدیل کر لیتا ہے۔ یہی اس شخص کا کاروبار ہے۔

اس شخص نے "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے بھی پیسے دینے ہیں۔ جس وجہ سے "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" نے اس کی تحریریں شائع کرنی بند کر دی ہیں۔ ہماری قارئین سے درخواست ہے خدارا اس فراڈیے شخص سے بچیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس شخص سے دوستی کرنے سے خبردار کریں۔ اگر ہو سکے تو اس اشتہار کی فوٹو کاپی کروا کر اپنے دوستوں کو بھیجیں تاکہ لوگوں کو اس شخص کی اصلیت کا پتہ چل جائے اور وہ اپنے قیمتی وقت اور پیسوں کے ضائع سے بچ جائیں۔

(ادارہ ماہنامہ سچی کہانی لاہور)

نام: جمشید خان خٹک

عمر: 28 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا

پتہ: ڈاک خانہ حصورنی کلہ خاص سائی کوٹ: زکا۔ تحصیل و ضلع کرک۔ پاس جمشید خان کو ملے۔

◈◈◈

نام: آچار خان بلوچ

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: محبت کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتہ: پاک جرمن ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر حب ضلع لسبیلہ

◈◈◈

نام: فرحان نواز مسن

عمر: 20 سال

تعلیم: بی۔اے

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا' ہر طبقے کے باوفا' ہر کسی کو کھلے عام دعوت ہے' شاعری کرنا۔

پتہ: فرحان نواز میمن شاہی بازار' پوسٹ آفس نصرپور' پی او بکس نمبر 70040۔ تحصیل ٹنڈو الہیار ضلع حیدرآباد

❁❁❁

نام: محمد طاہر

عمر: 20 سال

تعلیم: ایم. ایس. سی

مشغلہ: ہر عمر کے مرد حضرات رابطہ کریں

پتہ: P.O.BOX.NO.11098 لاہور کینٹ

فون نمبر۔ 0303-6414083

❁❁❁

نام: فاروق خان سواتی

عمر: 21 سال

تعلیم: B.A (جاری)' ٹیکنیکل ایجوکیشن (R.A.C)

مشغلہ: راز داری' شعر و شاعری' مطالعہ خیال کرنا' کرکٹ' میوزک' فلمیں دیکھنا' قلمی دوستی وفاداروں سے۔

پتہ: کتاب مرکز نزد عنایت ولی دربار اپرا اڈا عید گاہ روڈ مظفرآباد (AK) فاروق خان سواتی کو ملے

❁❁❁

نام: ڈاکٹر محمد رفیق شاہد

عمر: 24 سال

تعلیم: ڈی. ایچ. ایم. ایس۔ سائیکالوجسٹ

مشغلہ: غریبوں کا ساتھ دینا' ہر قسم کا مشورہ مفت

پتہ: ڈاکٹر محمد رفیق شاہد' مریم پولی کلینک' محلہ رسول پورہ گلی نمبر 7 ڈگرانواں روڈ فیصل آباد

❁❁❁

نام: طاہر حسین صدیقی

عمر: 28 سال

تعلیم: بی. اے

مشغلہ: ہر مذہب ہر طبقہ کے لڑکے' لڑکیاں دنیا کے کسی بھی کونے سے ہوں قلمی دوستی کے لیے لکھیں۔

پتہ: طاہر حسین صدیقی' پوسٹ بکس نمبر 10048۔ پوسٹ کوڈ نمبر 54600۔ لاہور

❁❁❁

نام: علی عمران

عمر: 32 سال

تعلیم: ڈی. ایچ. ایم. ایس

مشغلہ: قلمی دوستی رسالے پڑھنا' خدمت خلق

پتہ: علی عمران جرمن ہومیو سٹور بازار توپاں والا ڈیرہ اسماعیل خان

❁❁❁

نام: سہیل بیگ

تعلیم: ایف. اے

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا

پتہ: سہیل بیگ C/O بھٹو پلاسٹک ٹریڈرز اندرون موچی گیٹ لاہور

❁❁❁



نام: محمد ابراہیم

عمر: 17 سال

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، قلمی دوستی کرنا مخلص دوست کی تلاش ہے۔

پتہ: محمد ابراہیم موبائل نمبر 0342-6267179



نام: مظہر نواز ملتانی سمرا

عمر: 19 سال

تعلیم: ایف۔ اے

مشغلہ: صرف قلمی دوستی خط لکھ کر آزمائیں ریڈیو پاکستان ملتان کے علاوہ اسلام آباد اور بہاولپور لاہور کے بہت سے پروگراموں میں حصہ لینا

پتہ: مظہر نواز ملتانی سمرا C/O سمرا جنرل سٹور اڈا ستی گل P.O جال والا تحصیل و ضلع ملتان



نام: خیال اقدس

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا'

پتہ: مکان نمبر E/283 سیکٹر 2 اعوان مارکیٹ خیابان سرسید راولپنڈی۔ فون نمبر 03335131274-



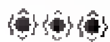
نام: ملک محمد اعظم اعوان

عمر: 26 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: میوزک سننا' قلمی دوستی کرنا'

پتہ: ملک محمد اعوان بیکو بزنس انٹرسٹ پرائیویٹ لمیٹڈ 65 مین کمرشل ایریا تھرڈ کیولری گراؤنڈ' لاہور کینٹ۔ فون نمبر 6673713-



نام: سرور رحمانی

عمر: 19 سال

تعلیم: عام فہم

مشغلہ: شاعری کرنا' اچھے اور باوفا لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا لاہور' فیصل آباد سے رابطہ کریں بے وفا اور فراڈ ٹائپ لوگ زحمت نہ کریں۔

پتہ: محمد سرور رحمانی' مکان نمبر 197 ڈی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن کالونی فیصل آباد



نام: زاہد صدیقی

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی لڑکے اور لڑکیوں سے

پتہ: وارث پلی رحمت کالونی گلی نمبر 2 کاغان روڈ

کوٹ ٹیکری تحصیل و ضلع رحیم یار خان۔ ذوالفقار ورکشاپ والے گلی کو زاہد صدیقی کو ملے

❁❁❁

نام: شیر دل

مشغلہ: اچھے رسالے پڑھنا

پتہ: شیر دل اینڈ برادرز انجینئرنگ ورکس شکار پور روڈ کنڈ کوٹ ضلع جیکب آباد

❁❁❁

نام: ذوالقرنین حیدر

عمر: 16 سال

تعلیم: میٹرک (جاری)

مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: ذوالقرنین حیدر معرفت رضا جنرل اسٹور اینڈ P.C.O نزد پوسٹ آفس منڈی شاہ جیونہ تحصیل و ضلع جھنگ

❁❁❁

نام: محمد ریاض خان

عمر: 22 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: کمپیوٹر پر ڈرائنگ کرنا اور زندگی انجوائے کرنا یعنی سیر و تفریح کرنا۔

پتہ: محمد ریاض خان عمر بلاک نمبر 31 معراج پارک بیگم کوٹ شاہدرہ لاہور

❁❁❁

نام: رانا وسیم

عمر: 21 سال

مشغلہ: باہر کے ممالک کی سیر و تفریح کرنا

پتہ: انصاف ڈیزل لیبارٹری نزد واپڈا دفتر تل روڈ ہنگو (سرحد)

❁❁❁

نام: اشتیاق احمد کنول

عمر: 24 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: شاعری کرنا R.K سے پیار کرنا۔

پتہ: ناز ٹیلرنگ اینڈ ڈرائی کلینرز سیالکوٹ روڈ نظام پورہ گوجرانوالہ

❁❁❁

نام: ریاض آفریدی

عمر: 26 سال

تعلیم: ایم اے

مشغلہ: محبت کرنا پر خلوص لڑکے لڑکیوں سے دوستی کرنا۔

پتہ: ریاض آفریدی سکنہ بازی خیل درہ آدم خیل بازار کوہاٹ

❁❁❁

نام: محمد اقبال شہزاد

عمر: 19 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: کمپیوٹر کی معلومات۔

پتہ: محمد اقبال شہزاد زید ٹیلی کمیونیکیشن (PVT) نمبر 8 بشارت پلازہ L-9 مرکز اسلام آباد

❁❁❁

ناقابل فراموش واقعات

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس کالم میں آپ مختصر سبق آموز معلوماتی ' حیرت انگیز ناقابل فراموش ' خوفناک ' وحشت ناک واقعات اور اسلامی معلومات ارسال کر سکتے ہیں۔ جس کے ہمراہ آپ کو اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کرنا ہوگا۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں۔ اپنی تحریریں صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

معرفت انچارج ناقابل فراموش واقعات...... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

نوسرباز

یہ ان دنوں کی بات ہے میں نوکری کی تلاش میں تھا ہر جگہ اپلائی کیا مگر کہیں بھی شنوائی نہ ہوئی ایک دن اتفاق سے میں بکر منڈی چلا گیا وہاں میرا ایک لڑکے سے جھگڑا ہو گیا۔ ہم گتھم گتھا ہو گئے۔ بہت سے لوگ ہم کو چھڑانے لگے۔ قریب ہی ایک شریف آدمی چائے پی رہا تھا۔ وہ بھی اٹھا اور مجھ کو پکڑ لیا۔ جب میں گالی دینے لگا تو وہ بڑے پیار سے کہنا تمہیں نہیں بیٹا گالیاں نہیں نکالتے۔ تم تو مجھے پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ پھر بھی گالیاں نکالتے ہو۔ ادھر آؤ۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں اس کی شفقت اور پیار دیکھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا آہستہ آہستہ اس نے میرا انٹرویو لینا شروع کر دیا بڑے اخلاق اور پیار سے پوچھا۔ بیٹا تم کہاں تک پڑھے ہو بتاؤ میں تمہیں کسی اچھی سی ملازمت پر لگوا دوں گا۔ میرا بھانجا لاہور سیکرٹریٹ لگا ہوا ہے میں اس کی سفارش دلوا دوں گا۔ اور انشاء اللہ تم ملازمت پہ لگ جاؤ گے۔ ایسا کرو گھر جاؤ اور اپنے تمام کاغذات لے آؤ اور ساتھ ہی ہزار دو ہزار روپے بھی لے آنا کیونکہ درخواست رجسٹری کروانی ہے۔ اسی آدمی نے مجھے سائیکل پر سوار کیا وہ میرے پیچھے کی طرف بیٹھ گیا لاری اڈے کے نزدیک آئے تو اس نے کہا بیٹا چلو یہاں سے چائے پی لیں پھر چلتے ہیں۔ ہم رک گئے۔ اس نے ہوٹل والے کو آرڈر دیا کہ دو اچھی سی چائے بنوا کر لے آؤ۔ تھوڑی دیر بعد ملازم چائے لے آیا۔ میں اس کی شفقت اور رحمدلی سے بڑا متاثر ہوا اور اس ملازم کو چائے کے پیسے ادا کرنے چاہے مگر اس آدمی نے میری ایک نہ چلنے دی۔ کہنے لگا نہیں پیسے میں ادا کروں گا۔ تم میرے بیٹوں کی طرح ہو کوئی بات نہیں کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے پھر اس نے مجھے کہا اب جلدی گھر جاؤ اور کاغذات لے کر یہاں پر ہی آ جاؤ وہاں سے ہمارا گھر دور نہ تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر میں میں خوشی خوشی اپنے تمام کاغذات اور کچھ رقم گھر سے لے کر آ گیا۔ وہ آدمی مجھے سیدھا کمپنی باغ میں لے گیا وہاں بیٹھ کر اس نے ایک درخواست ریلوے ڈائریکٹر کے نام لکھی اور ایک ٹکٹ اخبار والوں کو۔ اس نے کہا کہ جاؤ تم میرا بازار سے تھوڑا سا سودا لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں یہاں ایک دفتر سے ہو کر آتا ہوں۔ میں بازار چلا گیا اور وہ آدمی تھوڑی دیر بعد وہاں پر ہی آ گیا۔ اور آتے ہی

مجھے کہانی سنانی شروع کردی یار کتنا اچھا ہوتا اگر تم بھی میرے ساتھ چلے جاتے۔ وہاں پہ ہمارے وڈیرے ایم پی اے صاحب ملے بڑی خوشی سے اور مجھے کہنے لگے کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ میں نے ان کے سامنے درخواست کردی اور انہوں نے کہا بس اتنا سا کام ہے یہ تو معمولی کام ہے اور انہوں نے دستخط کر دیئے میں سوچنے لگا کہ یہاں پہ ایم پی اے صاحب کا کیا کام۔ میں کچھ کچھ اس کی چالاکی سمجھ گیا مگر پھر میں نے یقین کرلیا کہ شاید ایسا ہی ہوا ہو اور میری قسمت میرا ساتھ دے رہی ہو۔ پھر اس نے حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور اپنی ارجنٹ تصویر بنوا کر لاؤ۔ میں جلدی جلدی سائیکل پر سوار ہوا اور فوٹوگرافر کے پاس چلا گیا انہوں نے مجھ سے سو روپے وصول کیے اور مجھے کہا ارجنٹ تصاویر تیار کر دیں۔ جب میں واپس پہنچا تو وہاں آدمی دو رسیدیں ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ جاتے ہی وہ میرے ہاتھ میں تھما دیں کہ یہ لو میں نے تمہاری درخواست لاہور رجسٹری کروادی ہے اور یہ ان کی رسیدیں ہیں۔ مجھے ان دنوں رجسٹری وغیرہ کروانے کا بالکل معلوم نہیں تھا۔ بقول اس کے ان درخواستوں کو رجسٹری کروانے میں تقریباً" آٹھ سو روپے لگ گئے تھے۔ اس نوسرباز نے ایک رسید پر لکھ دیا 540 اور دوسری پر 640 روپے کہنے لگا تصویروں کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ یہ میں بعد میں بھجوا دوں گا۔ تم میرے ساتھ آؤ بازار تک کچھ سامان لے لیں راستے میں وہ مجھے کہنے لگا میں یہاں میں رہتا ہوں کسی دن میرے پاس آنا میں اس کی شفقت پہ حیران تھا کہ اس نے میرا کام بالکل فری کر دیا ہے۔ جب میں نے ان سے اجازت لینی چاہی تو اس نے کہا جی وہ رجسٹری کے پیسے تو دیتے جاؤ جن کی میں نے رسیدیں گم کردی ہیں۔ میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔ اتنی بڑی رقم میں کہاں سے دوں گا۔ پھر اپنا جال پھینکنے کے لیے کہنے لگا۔ ٹھہرو میں ذرا اپنے بھانجے کو ٹیلی فون کرلوں تاکہ وہ ان درخواستوں کو احتیاط سے رکھے میں نے ان رسیدوں پر غور کرنا شروع کردیا۔ میں یہ دیکھنے میں کامیاب ہوگیا کہ اس نے ایک جگہ زیرو اور چار خود لکھے تھے اور دوسری رسید پہ پانچ اور زیرو میری سمجھ میں آگیا تو میں نے عقل سے کام لیا اور اسے کہا کہ جناب آپ یہاں ٹھہریئے مجھے بہت ضروری کام یاد آگیا ہے۔ وہ مجھے ذرا بھی کہیں ادھر ادھر نہیں جانے دیتا تھا۔ مگر میں نے ضد کرکے اس سے اجازت لے لی اور سیدھا ڈاک خانے چلا گیا۔ متعلقہ کلرک سے پوچھا کہ کیا یہ رسیدیں آپ نے بنائی ہیں؟ اس نے کہا جی مگر یہ تو ایک داڑھی والا آدمی رجسٹری کروا کے گیا ہے۔ میں نے پوچھا آپ نے کتنی رقم لی ہے۔ صرف آٹھ روپے۔ میں حیران رہ گیا اور ان کو سارا ماجرا سنا دیا۔ انہوں نے کہا اس کو فوراً" پولیس کے حوالے کردو۔ میں جلدی سے اس جگہ پہنچا جس جگہ اس آدمی کو کھڑا کرکے گیا تھا مگر وہاں پر وہ موجود نہ تھا۔ شاید اس کو شک ہوگیا تھا یا اس نے میرا پیچھا کیا ہوگا یہ میں نہیں جانتا مگر کافی دیر میں نے اس کا انتظار کیا کہ وہ آدمی آجائے اور میں اس کو پولیس کے حوالے کر دوں۔ مگر وہ آدمی وہاں سے رفوچکر ہوگیا۔ اس طرح میں اس کے چکر سے بچ گیا ورنہ وہ میری ساری رقم لے جاتا۔ سوچتا ہوں کہ ایسے کتنے نوجوان ہوں گے جو روزگار کی خاطر لٹ چکے ہوں ان نوسربازوں کے ہاتھوں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے۔ (آمین)

○ عبدالمجید دکی' جڑانوالہ

قتل جو ہوا ہی نہیں

یہ واقعہ رامپور کا ہے اور اس کا تعلق کسی ماورائی یا جادوئی حالات سے نہیں ہے بلکہ ہوا یوں کہ رامپور کے قصبہ کیمبر منصور نامی ایک شخص 13 اپریل کو اچانک غائب ہو گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں منصور کے گھر والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ گھر والوں کو شبہ تھا کہ منصور کو اغوا کیا گیا ہے۔ اس معاملے کو پولیس نے اغواء کے حساب سے پرکھنا اور تفتیش کرنا شروع کی۔

تھانہ شہزاد نگر پولیس نے 19 اور 20 مئی کی رات جنجھر پور گاؤں کے ایک کھیت میں ایک نامعلوم شخص کی لاش برآمد کی جس کا حلیہ مقتول منصور سے مشابہ تھا۔ پولیس نے اس لاش کو منصور کی لاش قرار دیتے ہوئے بعد از ضابطہ کارروائی لاش کو منصور کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ غرضیکہ منصور مردہ قرار دے دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں جن لوگوں پر منصور کے اغوا کا شبہ تھا انہیں گرفتار کر کے منصور کے قتل کا اعتراف بھی کرا لیا اور انہیں رخصت جیل کیا۔

لیکن اچانک 7 جون کو منصور اپنے گھر آگیا۔ وہ کسی کام سے جونپور گیا ہوا تھا۔ جلد بازی میں وہ اپنے گھر والوں کو مطلع کرنا بھول گیا تھا۔ منصور کے گھر والے تو اس کی واپسی پر بے حد خوش ہوئے لیکن حکام پولیس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیونکہ پولیس تو منصور کے قتل کے ملزموں کو جیل بھی بھیج چکی تھی۔

خواجہ گلفام شہزادہ

☆☆☆☆

تحفہ

آخر بڑی منتوں مرادوں کے بعد شادی کے ساتویں سال کے اختتام پر ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے کے آثار ہوئے۔ خاندان بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی دعاؤں کا موضوع یہ تھا کہ اللہ نے دعائیں سن لی ہیں تو اب اچھی وقت سے ہمیں بیٹا عطا کرے تاکہ خاندان کا نام چلتا رہے۔

گوجرانوالہ کے اس جوڑے کی شادی باہمی محبت کے نتیجے میں ہوئی تھی اور یہ میاں بیوی کی محبت ہی تھی کہ سات سال تک بچہ نہ ہونے کے باوجود دوسری شادی کا کوئی سوال پیدا نہ ہوا۔ وہ راضی برضا تھے۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کو منظور ہے تو کبھی ہم صاحب اولاد ہو ہی جائیں گے اور اگر خدا کو ایسا منظور نہیں تو ہمیں اس کی مرضی میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ اور اب جب اللہ کی مہربانی سے بچہ ہونے کے آثار ہوئے تو ہر شخص خوش تھا اور بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی ہر طرف مبارک سلامت کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

ایک لیڈی ڈاکٹر پورے نو ماہ تک بڑی باقاعدگی اور توجہ سے ماں بننے والی خاتون کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ وہ مطمئن تھی کہ بچہ قدرتی انداز میں نشوونما پا رہا ہے اور ولادت بخیر و خوبی کسی تشویش کے بغیر ہوگی لیکن نو ماہ گزر جانے کے باوجود ولادت کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ سب کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر بھی پریشان تھی لیکن اس کا کوئی سبب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پھر دسواں اور گیارھواں مہینہ بھی گزر گیا۔ حتیٰ کہ چند وہ ماہ اسی عالم میں گزر گئے۔ لیکن بچہ پیدا نہ ہوا۔ اب تو سب کا مارے تشویش کے برا حال تھا۔ تاہم ماں بننے والی خاتون کی اطمینان بخش حالت کی بنا پر ڈاکٹر کچھ مطمئن سی تھی۔ البتہ کبھی کبھی یہ مشورہ ضرور دیتی تھی کہ آپریشن کے ذریعے ولادت کرالی جائے۔ اس مشورے کو خاندان کے کسی فرد نے منظور نہ کیا اور فیصلہ ہو گیا کہ انتظار کیا جائے معلوم نہیں خدا کو کیا

منظور ہے۔

آخر سولہویں مہینے کے اختتام پر ولادت کے آثار پیدا ہوئے اور جو بچہ استقرار حمل کے 9 ماہ بعد پیدا ہونا چاہئے تھا۔ وہ پورے سات ماہ کی تاخیر سے پیدا ہوا۔ ولادت بالکل فطری انداز میں ہوئی۔ یہ ایک صحت مند اور خوب صورت لڑکی تھی۔ لیکن لڑکی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک جاندار بھی ماں کے پیٹ سے برآمد ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا سانپ تھا۔ جسے دیکھ کر ڈاکٹر اور اس کی ساتھی نرسوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سانپ بڑے اطمینان سے بچی کے قریب لیٹا ہوا تھا اور قطعی بے ضرر دکھائی دے رہا تھا اہل خاندان کو خبر ہوئی تو بڑے پریشان ہوئے سب نے فیصلہ صادر کر دیا کہ سانپ کو بلا تاخیر ختم کر دیا جائے۔ لیکن بچی کی ماں نے مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ یہ سانپ میری بچی کے ہمراہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ یہ میرا بچہ ہے۔ میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔ اسے زندہ رہنے دیا جائے۔

یہ ایک انوکھی بات تھی کہ عورت کے پیٹ سے سانپ نے جنم لیا۔ دور دور تک یہ خبر پھیل گئی۔ اخبارات میں بھی خبریں چھپیں اور پورے علاقے میں عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ لوگ اس سانپ اور بچی کو دیکھنے کے لئے آتے تھے اور حیران و ششدر واپس جاتے تھے۔ یہ سانپ بچی کے ساتھ ہی پرورش پانے لگا ماں نے جہاں بچی کا نام سلیمہ تجویز کیا، وہیں اس سانپ کو بھی ایک نام دے دیا "خیر دین" گھر کے سب افراد اسے خیر دین کے نام سے پکارنے لگے اور اس بات پر حیران تھے کہ وہ اپنا نام پہچانتا تھا اور پکارنے پر سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھ کر یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس نے آواز سن لی۔

سانپ اور بچی کی پرورش جاری رہی۔ اس دوران میں کوئی دوسرا بچہ پیدا نہ ہوا۔ پانچ سال گزر گئے۔ خیر دین گھر بھر میں بھاگا دوڑا پھرتا تھا۔ خاندان کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں بھی شریک ہوتا تھا۔ اور بالکل بچوں کے انداز میں بڑوں سے ڈرتا اور ان کا احترام بھی کرتا تھا۔ اب اس کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اور لوگوں نے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر کے یہ فرض کر لیا تھا کہ یہ ایک عام بچہ تھا لیکن قدرت کی کسی مصلحت کی بناء پر سانپ کی شکل اختیار کر گیا۔ اب وہ کئی فٹ لمبا خوفناک سانپ بن چکا تھا لیکن تمام بچے اور گلی محلے کے لوگ اس سے واقف تھے۔ اس لئے کوئی اس سے ڈرتا نہ تھا۔ اس نے بھی ابھی تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ کوئی بچہ اسے پریشان کرتا تو وہ اسے ڈراتا ضرور تھا لیکن کاٹتا ہرگز نہیں تھا۔

اس زمانے میں کچھ سپیرے گوجرانوالہ پہنچے وہ گلی گلی گھوم کر بین بجاتے تھے اور اپنے سانپوں کا ناچ دکھاتے تھے۔ ایک روز وہ خیر دین کے محلے میں بھی آ گئے اور باہر کھلی جگہ پر بیٹھ کر بین بجانی شروع کر دی تمام بچے بین کی آواز سن کر وہاں جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ ہی خیر دین بھی پہنچا اور بچوں کے ہجوم میں سے گزرتا ہوا سب سے آگے جا کر بیٹھ گیا۔ سپیروں کی اس پر نظر پڑی تو وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے اپنے سانپوں کو تو پٹاریوں میں بند کر دیا۔ اور اس نئے سانپ کو پکڑنے کے جتن کرنے لگے۔ خیر دین بے تعلق بیٹھا ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا لیکن نہ اس پر بین کا کوئی اثر ہوا۔ نہ وہ سپیروں کے ہاتھ آیا۔ سپیرے حیران تھے کہ یہ کیا چکر ہے۔

ایک سپیرے نے بتایا کہ یہ بے حد خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ اسے یوں آزادی کے ساتھ بچوں کے

ہمراہ چھوڑ دینا خطرناک ہے۔ ہم اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔ لیکن بچوں نے شور مچادیا اور آخر محلے کے لوگوں نے سپیروں کو وہاں سے چلتا کردیا۔ خیردین ان کی بناووں میں جانے سے بچ گیا۔

دس بارہ سال کی عمر میں خیردین گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹانے لگا۔ وہ اپنی بہن سلیمہ کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو اس کے ساتھ لگا رہتا۔ اچھل کود کر اس کا دل بہلاتا اور کسی غیر کو اس کے نزدیک نہ آنے دیتا۔ گھر میں کوئی اور نہ ہوتا تو اس کی ماں محلے کی دکان سے منگوائے جانے والے سامان کی فہرست بنا کر کاغذ اس کے سامنے ڈال دیتی۔ وہ اسے منہ میں پکڑ کر دکان پر لے جاتا اور فہرست دکاندار کو دے دیتا۔ وہاں سے دکان پر کام کرنے والا کوئی لڑکا مطلوبہ سامان اس کے گھر میں پہنچا دیتا اور قیمت لے جاتا۔ دکان پر ابتدا میں تو لوگ اسے دیکھ کر ڈرتے گھبراتے تھے لیکن جب اس کی حقیقت سے واقف ہوئے اور انہیں احساس ہوگیا کہ سانپ بے ضرر ہے تو وہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اب جبھی وہ دکان پر پہنچتا تو باقی گاہک ادھر ادھر ہو کر اسے راستہ دے دیتے اور ہنستے ہوئے دکاندار سے کہتے کہ بھائی پہلے خیردین کا کام کردو۔ ہم بعد میں سودا لیں گے۔ دکاندار بھی سب کو چھوڑ کر پہلے اس کی پرچی لیتا اور سامان لڑکے کے کندھے پر لدوا کر خیردین کے ہمراہ بھیج دیتا۔

اسی صورت سے پروان پاتے پاتے خیردین اور سلیمہ 17 سال کے ہوگئے۔ سلیمہ ابتدائی ہی سے صحت مند اور خوب صورت لڑکی تھی۔ جوانی میں اس کا روپ اور بھی نکھر گیا۔ چنانچہ خاندان بھر میں اسے اپنی بہو بنانے کی خواہش موجود تھی۔ آخر ایک جگہ اس کا رشتہ طے ہوگیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

شادی کے آخری مرحلے پر جب کہ سلیمہ کے تمام رشتہ دار شادی کے تحفے لے کر آئے ہوئے تھے کسی نے مذاقاً سانپ سے پوچھا "خیردین! بہن کی شادی میں تم کیا تحفہ دے رہے ہو؟"

شام کو بارات آئی تو خیردین لاپتہ تھا۔ کسی کو اس کی طرف دھیان دینے کی فرصت بھی نہ تھی شادی دھوم دھام سے ہوئی اور سلیمہ سسرال روانہ ہوگئی اس کے کچھ دیر بعد لوگوں کو خیردین کا خیال آیا تو اسے تلاش کیا گیا۔ اس کے ہم دوستوں نے چاروں طرف پھیل کر اسے آوازیں دیں۔ گھر میں بھی ادھر ادھر دیکھا گیا اور آخر وہ مل گیا لیکن ایسی حالت میں کہ اسے دیکھ کر سب بے اختیار رونے لگے۔ وہ ایک پختہ نالی میں پڑا ہوا تھا۔ اس کا پورا بدن جل چکا تھا۔ اور اس کی روح بدن کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اور اس کے منہ میں بہن کو دینے کے لئے ایک قیمتی ہیرا دبا ہوا تھا۔

دراصل ہوا یہ تھا کہ وہ باہر سے گھر آتے ہوئے دروازے پہ پہنچا تو وہاں اجنبی عورتوں اور مردوں کا ہجوم تھا اس لئے اس نے نالی کا راستہ منتخب کیا لیکن جونہی وہ نالی میں داخل ہوا' اندر سے کھانا پکانے والوں نے چاولوں کی ابلتی ہوئی پیچ نالی میں الٹ دی۔ اندھیرے کی وجہ سے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کچھ فاصلے پر خیردین بھی نالی میں آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ بے چارہ کھولتی ہوئی پیچ کی لپیٹ میں آکر مرگیا۔

اس کی ماں جو بیٹی کی شاندار شادی پر بے حد خوش تھی' خیردین کی موت کی خبر سن کر رو رو کر بے حال ہوگئی۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے اسے دلاسا دیا۔ دوسرے روز خیردین کا جنازہ انسانوں کی طرح اٹھایا گیا اور اسے قبرستان میں دفن کرکے وہیں پر چھوٹی سی پختہ قبر بنادی گئی۔ خیردین کے رشتہ دار اب بھی کبھی اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتے دکھائی دے جاتے ہیں۔

محمد جمیل ---------- حیدر آباد

☆☆☆☆

پتھر کی گیند

پتھر کی یہ خوبصورت اور بڑی گیند جانے خود ایک عجوبہ ہے کوسٹاریکا میں پائی جانے والی یہ گیند ماہرین آثار قدیمہ کے لئے الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ عظیم و عجیب گیند چالیس لاکھ سال پہلے تیار کی گئی تھی۔

یہ گیند اتنی پرانی ہے اس پر تو ماہرین کو کوئی حیرت نہیں ہے۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ اس گیند کو بنانے والے نے کیسے بنایا ہوگا؟ کس غرض سے بنایا؟ اور بنانے والا کون تھا؟ میرا اندازہ یہ بھی ہے کہ یہ گیند قدرتی اتھل پتھل کے نتیجے میں خود ہی بن گئی ہوگی۔ ماہرین ماحولیات کا خیال ہے کہ یہ گیند کسی اور دنیا کے باسیوں کے ہاتھ کا کمال ہے۔

بہت سر دردی کے بعد نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ لاکھوں سال پہلے انسانی ہاتھوں نے اوزاروں کی مدد سے یہ عظیم الجثہ گیند تیار کی تھی۔ لیکن گیند تیار کرنے کا مقصد عقل کی گرفت میں نہیں آسکا ہے۔ بہر حال اتنا واضح ہے کہ یہ گیند کھیلنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہو گی۔ اگر کھیلنے کے لئے بنائی گئی ہوگی تو کھیلنے والے بھی پہاڑ جیسے ہوں گے۔ ماہرین دھنک سے تراشی ہوئی اس گیند کا چکنا پن بھی حیرت انگیز ہے۔

سینگ اور دم والا بچہ

پولانڈا نے پیٹرج کو بد دعا دی تھی۔ پیٹرج کے کانوں میں پولانڈا کے الفاظ گونجتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے پیٹرج بہت پریشان رہتی تھی۔

پیٹرج کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے تو وہ اور بھی پریشان ہو گئی۔ پولانڈا نے اولاد کے بارے میں ہی تو بد دعا دی تھی۔ وہ بہت گھبرا کر ڈاکٹر کے پاس پہنچی ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد پیٹرج سے کہا۔ سب ٹھیک ہے حمل طبی اصول کے مطابق ٹھیک طریقے سے نشو نما پا رہا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ پیٹرج مطمئن ہو گئی اور اس کے ذہن سے وہم کی گرد صاف ہو گئی۔

جب پیٹرج نے بچے کو جنم دیا تو وہ اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ بچے کے سر پر دو سینگ تھے۔ اور پیچھے ایک چھوٹی سی اوپر کو اٹھی ہوئی دم لگی ہوئی تھی۔

پیٹرج اس بچے سے اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اس نے اسے دوبارہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ پیٹرج کا کہنا ہے کہ میں بھی ماں ہوں۔ ممتا میرے اندر بھی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری اولاد مار ڈالی جائے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ میرے بطن سے پیدا ہوا یہ بچہ انسان کا بچہ نہیں لگتا۔ پھر میں اسے پال کر کیا کروں گی۔ بڑا ہو کر یہ انسانوں پر ہی قہر ڈھائے گا۔ اس لئے اسے زندہ رکھنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹروں نے اسے زندہ رکھنے کے لئے یتیم خانے میں بھیج دیا ہے۔ بچہ زندہ سلامت ہے اور عام بچوں کی طرح بڑا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ ایک عجیب سی آواز نکالتا ہے۔

پیٹرج کے ساتھ دوسرا حادثہ یہ ہوا۔ اس عجیب الخلقت بچے کی پیدائش کے بعد اس کے شوہر جیول نے اس سے ناطہ توڑ لیا ہے۔ حالانکہ جیول کا کہنا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ یہ پولانڈا کی بد دعا کا نتیجہ ہے۔ پولانڈا جیول کی پہلی بیوی کا نام ہے۔

عبدالستار ---------- بہاولنگر



شاہدہ کا دستر خوان

انچارج۔ شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم ہوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہونی چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



منگولین گوشت

اجزاء۔

گوشت — آدھا کلو
سفید تل — دو چائے کے چمچ (بھنے ہوئے)
ادرک — ایک کھانے کا چمچ (پیسٹ)
آئل / گھی — چار کھانے کے چمچ
لہسن — ایک کھانے کا چمچ (پیسٹ)
ثابت لال مرچ — ایک چائے کا چمچ
ہری پیاز — چار عدد (سلائس میں کاٹ لیں)
چینی — ایک کھانے کا چمچ
سویا ساس — چار کھانے کے چمچ
چلی ساس — دو کھانے کے چمچ

ترکیب۔

ثابت لال مرچ کے دو ٹکڑے کر لیں۔ آئل یا گھی میں گوشت براؤن ہونے تک تل لیں۔ اسی میں ادرک لہسن اور ہری پیاز ڈال کر دو منٹ تلیں پھر چولہے سے ہٹا کر تل کے علاوہ تمام اشیاء ڈال لیں اور کچھ دیر پکائیں۔ جب مصالحہ گاڑھا ہونے لگے تو گوشت شامل کر دیں اور مکمل طور پر پکا لیں۔ اوپر سفید تل ڈالیں اور پیش کریں۔

☆ سیما ملک۔ اسلام آباد

بوری کباب

اجزاء۔

قیمہ — آدھا کلو
آئل / گھی — آدھا کپ
ادرک — ایک چائے کا چمچ (پیسٹ)
رس — آدھا کپ (چورا)
لہسن — ایک چائے کا چمچ
ڈبل روٹی — دو سلائس
نمک — ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ — 4 عدد (کاٹ لیں)
لال مرچ — ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
زیرہ — ایک چائے کا چمچ
انڈا — اوپر لگانے کے لیے

ترکیب۔

سب سے پہلے ڈبل روٹی کے سلائس دودھ میں بھگو کر نچوڑ لیں۔ ماسوائے رس کا چورا اور انڈے کے سب تمام چیزوں کو قیمے میں مکس کر کے ایک گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد قیمے کی چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بنا لیں۔ اوپر سے انڈا اور رس کا چورا لگا کر فرائی کر لیں۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں۔ لذیذ بوری کباب تیار ہیں۔

☆ نسرین اختر۔ لاہور

بھنا گوشت

اجزاء۔

گوشت — آدھا کلو
تیل / گھی — آدھی پیالی
پیاز — ایک عدد (چوپ کر لیں)
مونگ پھلی — دو کھانے کے چمچ (تلی ہوئی)
دہی — ایک پیالی
ہری مرچ — ایک چائے کا چمچ (پیسٹ)
نمک — حسب ذائقہ
ادرک — ڈیڑھ کھانے کا چمچ (پیسٹ)
لال مرچ — ایک کھانے کا چمچ (پاؤڈر)

لہسن — ڈیڑھ کھانے کا چمچ (پیسٹ)
کالی مرچ — ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
سرکہ — تین کھانے کے چمچ

ترکیب۔

آئل یا گھی گرم کر کے پیاز کو نرم کریں پھر دہی اور سرکہ کے علاوہ تمام اشیاء ڈال دیں۔ گلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ جب گوشت تقریباً گل جائے تو دہی اور سرکہ ڈال دیں۔ پھر اچھی طرح بھون کر اتار لیں۔ اوپر سے تلی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر پیش کریں۔

☆ نجمہ ارم۔ ملتان

مشروم مصالحہ

اجزاء۔

مشروم کھمبی — دو پیکٹ
تیل / گھی — دو کھانے کے چمچ
پیاز بڑی — دو عدد (کاٹ لیں)
دھنیا — ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
نمک — حسب ذائقہ
گرم مصالحہ — ایک چائے کا چمچ
لہسن — 4 عدد (جوئے پیس لیں)
ٹماٹر بڑے — دو عدد (پیس لیں)
سرخ مرچ — ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
ہلدی — 3/4 چائے کا چمچ (پاؤڈر)
ادرک — ایک ٹکڑا (پیس لیں)

ترکیب۔

تیل یا گھی گرم کریں۔ اس میں پیاز، ادرک اور لہسن کو رنگت گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کر لیں۔ تمام مصالحے اور ٹماٹر شامل کر دیں۔ 3 سے 4 منٹ تک پکائیں۔ پھر دھلی ہوئی سالم مشروم ڈال دیں۔ گلنے تک پکائیں۔ توے پر سجا دیں۔

☆ شگفتہ پروین۔ کراچی

سنگاپوری چاول

اجزاء۔

چاول — ایک گلاس اُبلے ہوئے
گھی / آئل — آدھا کپ
اسپگیٹی — آدھا پیکٹ (باریک توڑ کر ابال لیں)
کالی مرچ — ایک کھانے کا چمچ (پاؤڈر)
ہری پیاز — ایک پاؤ (باریک کاٹ لیں)
سویا ساس — دو کھانے کے چمچ
ہری مرچ — چار عدد (باریک کاٹ لیں)
اجینو موتو — ایک کھانے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ

ترکیب۔

ایک پتیلی میں تیل یا گھی گرم کر کے اس کے اندر ہری پیاز فرائی کر لیں۔ اس میں تمام اشیاء ڈال کر اس کے بعد چاول اور اسپگیٹی بھی اس میں ڈال دیں۔ دس منٹ دم پر رہنے دیں۔ لذیذ سنگاپوری چاول تیار ہیں۔ ٹماٹو کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆ مدیحہ شاہ۔ راولپنڈی

Honey Glazed Beef

اجزاء

گوشت — ایک کلو (سینے کا)
نمک — حسب ضرورت
شہد — آدھا کپ
کالی مرچ — ڈیڑھ چائے کا چمچ (پاؤڈر)

سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
ادرک	آدھا کھانے کا چمچ (پیسٹ)
سویٹ چلی سوس	ایک کھانے کا چمچ
لہسن	آدھا کھانے کا چمچ (پیسٹ)

ترکیب۔

گوشت میں ادرک، لہسن کا پیسٹ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر ابال لیں۔ جب گوشت تھوڑا گل جائے اور پانی سوکھ جائے تو نکال کر ایک بیکنگ ٹرے پر رکھیں۔ اوون کو 210 سینٹی گریڈ پر گرم کرلیں۔ اب ایک پیالے میں شہد، سویا ساس اور سویٹ چلی سوس کو مکس کریں۔ گوشت کے اوپر ڈال دیں (تھوڑا سا بچا لیں) گوشت کے گلنے اور براؤن ہونے تک بیک کریں۔ اس درمیان تھوڑے تھوڑے وقفے سے برش کی مدد سے شہد کا آمیزہ گوشت پر لگاتی رہیں۔ مکمل پکنے پر نکال لیں اور گرما گرم سرو کریں۔

☆ نبیلہ۔ لاہور

شاہی دال

اجزاء۔

دال مونگ	ایک کپ
آئل / گھی	تین کھانے کے چمچ
دال مسور	ایک کپ
ادرک	ایک کھانے کا چمچ (پیسٹ)
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	ایک کھانے کا چمچ (پیسٹ)
لال مرچ	دو چائے کے چمچ
کڑی پتہ	تھوڑا سا
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
پیاز	ایک عدد
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
اجینوموتو	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	حسب ضرورت (باریک کاٹ لیں)

ترکیب۔

دونوں دالوں کو اچھی طرح دھو کر ابال لیں۔ ایک پتیلی میں تیل یا گھی گرم کریں اس میں پیاز کاٹ کر ہلکی براؤن کرلیں۔ اس میں باریک کٹے ہوئے ٹماٹر اور تمام اشیاء ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد اس میں دال ڈال دیں۔ ہری مرچ اور دھنیا بھی کاٹ کے ڈال دیں۔ مزید دس منٹ پکائیں اور ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆ یاسمین گل۔ پشاور

ویجی ٹیبل سوپ

اجزاء۔

پالک	آدھی گڈی
پانی	آدھا کپ
گرم مکا	آدھا
آئل / گھی	ایک کھانے کا چمچ
ہری پیاز	دو گڈیاں
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
نمک	آدھا چائے کا چمچ
سلاد	ایک گٹھی
چکن یخنی	تھوڑی سی
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب۔

تمام سبزیوں کو ان کے تمام سبز حصوں کے ساتھ

کاٹ لیں۔ سبزیاں پانی میں شامل کر دیں۔ نمک ڈال کر جوش دلائیں اور پندرہ سے بیس منٹ کے لیے ابلنے دیں۔ اب ان سبزیوں کو باریک چھلنی یا کپڑے میں نچوڑ کر پانی نکال لیں۔ ساس پین میں آئل یا گھی گرم کریں۔ پیاز اس میں ڈال کر براؤن کریں۔ جب پیاز براؤن ہو جائیں تو سبزیوں کا پانی اور سبزیاں اس میں ڈال دیں۔ تین سے چار منٹ ابلنے دیں۔ پھر سب کو پیالے میں ڈال کر پیش کریں۔

☆نسرین۔ گوجرانوالہ

☆☆☆

میری پسند

انچارج
نور فاطمہ

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنا شعر یا قطعہ یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

معرفت میری پسند..... ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

ان کی گلی سے گزرا جس دم میرا جنازہ
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے وہ ایڑی اٹھا کے

میں ایک ہی غزل کا پرستار ہوں توبہ
ہر چاند سے چہرے کا طلبگار نہیں ہوں

شازیہ کنول۔ ملتان

اپنی زبان کی اثر آپ ہی قائل ہو
پیار کے بول تو ہونٹوں سے نکل جاتے ہیں

عبدالکریم ——— کھاریاں

تصور میں خیالات میں قربت ملی اس کی
وہ اتنا بھی سامنے نہیں کہ شامل کہیں اسے
ہر خوبی دنیا والو اس میں ہی مگر پھر
وہ اتنا بھی مکمل نہیں کہ کامل کہیں اسے

شبنم اقبال۔ گوجرانوالہ

نہ ہو کر اداس لوگوں سے
حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں

مرزا محمد یونس۔ کراچی

جذبات محبت چھپ نہ سکے پھر ضبط سے کام لیا
آنکھوں میں آنسو آ گئے جب تیرا کسی نے نام لیا

ثمینہ بیگم ——— لاہور

اٹھا جو درد سینے میں اس درد کی دوا تم ہو
خواہش کا نہ ڈر ہوتا تو کہتا میں خدا تم ہو

ثمر عباس ——— جہلم

دنیا کے دستور نرالے کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
انوکھی دولت ہے محبت کوئی پاتا ہے کوئی کھوتا ہے

منظور احمد ——— ناروے (حال پاکستان)

ہر کسی کے سہارے چلنے سے شناخت کھو بیٹھو گے
دنیا میں دشمن ہزار ہیں اشرف دوست کوئی ہوتا
ہے

اچھو مجبر کراچی' نو مظفر آباد

خود پیاس کا صحرا ہوں مگر دل کی یہ ضد ہے
ہر دشت پہ ساون کی طرح ٹوٹ کے برسوں
کچھ دیر ٹھہر ساتھ چلے ساتھ بجھیں گے
اے شمع سحر ہم بھی چراغ سحری ہیں

مبارک علی ------ اسلام آباد

رسوائیوں کا دور ہے رہنا سنبھل کے تم
دستک بھی کوئی دے تو در دل نہ کھولنا

ولی اللہ صادق' کھلابٹ صوابی

خوشبو کو سب صدا لگانے پھول سمجھ کر
اک پھول ایسا بھی تھا جو ہمارا دل لے گیا

محمد ایوب ------ ضلع راولپنڈی

دل ہی گیا لے گیا بہت اداس کر گیا
جاتے جاتے مجھے خوشبو دے کر پریشان کر گیا

ایم شفیق احمد شفیقی۔ کرنانہ گجرات

اس شہر بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
آ اے شب فراق تجھے گھر ہی لے چلیں
یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پہ خیال یار کی چادر ہی لے چلیں

ملک امجد علی اعوان' آزاد کشمیر

پلٹ کر دیکھو ظالم تمنا ہم بھی رکھتے ہیں
اگر خوبصورت تم ہو تو پتھر دل ہم بھی رکھتے ہیں

مرزا غلام حسین ------ سرائے عالمگیر

بہار کی آگ کا سراک شعلہ بنا رہتا ہے
چپکے چپکے کوئی دامن سے ہوا دیتا ہے

سندھ سے ایم ابراہیم مشتاقی

ہم نے مانگی سزا جدائی کی
بس یہی ہم نے اک برائی کی
تم سناؤ کوئی وفا کی بات
ہم نے تو خبر بے وفائی کی

محمد یوسف ------ کراچی

خدائی رو رہی ہے تم خدا کا نام مت لینا
ہماری جان لے لو تم وفا کا نام مت لینا

احمد مندرانی شارجہ

روتا رہوں گا عمر بھر تیری یاد میں اے K
ہنستے ہوؤں کو تو جو رونا سکھا گئی ہو

بہادر علی ارشد ------ لیہ

یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں ساغر
ہم کانچ کے ٹکڑوں میں زخموں کو پروتے ہیں

معراج علی درد' محلہ سیداں گلگت

آنکھوں پہ غموں کے پہرے ہیں زخم جگر کے گہرے
ہیں
فریاد کریں تو کس سے کریں سب دنیا والے بہرے
ہیں

کامران محمود ------ ڈی۔جی۔خان

مصائب لاکھ بڑھ جائیں عزائم کم نہیں ہوتے
یہ وہ سر ہیں جو کٹ جاتے ہیں لیکن خم نہیں
ہوتے۔

محمد افضل ------ شاہ کوٹ

دیکھ آکر کبھی اجڑے ہوئے دل کی رونق ناز
کیسی بستی تیری یادوں کی بسا دی ہم نے

نجم الحسن بخاری۔۔۔۔۔۔راولپنڈی

یہ کارواں لٹنے کا کس کافر کو غم ہے
الم تو یہ ہے کہ لوٹنے والوں میں ناز تیرا نام آیا ہے

محمد شہباز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ملتان

خوشیوں کے ونگ دور کے رھارے بھی دے گیا
وہ فائدوں کے ساتھ خسارے بھی دے گیا
سونپے سمندروں کے حوالے کیا مجھے
اور دیکھنے کو کتنے کنارے بھی دے گیا

سائرہ بی بی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قصور

دونی کے ایک ٹکڑے کی چاہت عجیب تھی
ہم آگئے ناز بہت دور گھر سے دور

خالد محمود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خانپور

کوئی رنگ نہیں روپ نہیں جمال نہیں احمر
کرتے ہیں شمار خود کو حسینوں میں مگر

شرافت بھٹی۔۔۔۔۔۔۔۔گجرات

رنگین تتلیوں کو کر دو خبر یہ جا کے
آوارہ ہیں احمر جزیرے میں تمہارے
احمر ندیم۔کراچی

ستم کرنے والا اتنا تو ستم نہ کرو
ہم ملنے کی دعا کریں اور تم بچھڑنے کی دعا کرو

کرامت حسین۔۔۔۔۔۔چنیوٹ

میں کس کس کو یاد کروں کس کو بھول جاؤں
ہر کوئی ہے میرے اندر دوڑتے لہو کی طرح
عشرت جہاں

میں آج صرف محبت کے غم کو کروں گا یاد
یہ اور بات ہے کہ تیری یاد آجائے

خورشید عالم۔۔۔۔۔۔۔۔لالہ موسیٰ

تھا انتظار مجھے جس کا ایک مدت سے
گزر گیا وہ اچانک نظر چرائے ہوئے

غلام مصطفےٰ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سرگودھا

چاندنی راتوں میں معلوم نہیں مجھ کو
بھولے بسرے ہوئے غم کیوں یاد آتے ہیں

شازیہ بتول۔۔۔۔۔۔۔۔ساہیوال

صرف اتنا پتہ ہے دستک تھوڑی تھی ایک بار
زندگی بھر دل کا دروازہ کھلا رہنے دیا

محمد اختر۔۔۔۔۔۔۔۔رحیم یار خان

اے یار صاحب تو رخسار یار چھونے لگے تو
پیغام محبت میرا بھی سنا دینا چپکے سے تم

محمد یعقوب۔۔۔۔۔۔حیدرآباد

ارشد کبھی لبوں کا تبسم گیا نہ کرو
یہ آتش نشاں ہے کرے گا تباہی بہت
اوسند علی ارشد۔ضلع اٹک

دیکھ مت نفرت سے مجھے اک بھکاری جان کر
تو اگر اہل نظر ہے تو میری پہچان کر

سخاوت علی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جھنگ

میرے پاس سے گزر کر میرا حال تک نہ پوچھا
میں یہ کیسے مان جاؤں کہ وہ دور جا کے روئے
حافظ رانا محمد لوویس۔سمندری

جو تم بدلے جہاں بدلا نظر بدلی زمانے کی
یہ آنسو چار باقی ہیں نشانی دل لگانے کی

کلثوم یاسمین ـــــــــ کھاریاں

جدائی کا یہ عالم تھا کہ ہم الوداع بھی نہ کہہ سکے
محبت کا یہ بھرم تھا کہ ہم بے وفا بھی نہ کہہ سکے
خادمہ رخسار راجپوت۔ ضلع فیصل آباد

کبھی کبھی تو ستاروں کی چھاؤں میں وہ بھی
میرے خیال میں کچھ دیر جاگتا ہو گا
ملک ایم احمد تجسم جھنگوی۔ لاہور

بھٹک اٹھا تھا در دل دھڑک اٹھا تھا وہ دل
نہ وہ بھی گھر گئے نہ ہم نے راستہ بدلا

حاجی محمد عنایت ـــــــــ میانوالی

خدا کرے زندگی میں سدا فخر کریں کہا ہیں
اشرف میرے ہاتھ سے ہاتھ تیرا چھڑانے والے
اشرف ـــــ تنی خیالی کلی منچ۔ مظفر آباد

زہنی رات کو یہ دنیا
والے جب خوابوں میں سو جاتے ہیں
ایسے میں محبت کے روگی ناز
یادوں کے چراغ جلاتے ہیں

کاشف محمود ـــــــــ سلانوالی سرگودھا

دیکھ لینا میرا جنازہ تم
تیری بارات سے اچھا ہو گا
ایم ابراہیم مٹھانی۔ سیو نو ڈیرو

میری زندگی میں ہوا کے جھونکے کی طرح آنے والے
میرے دل پہ لکھا نام چاندنی نہ مٹا سکے زمانے والے

نواز پرویز ـــــــــ ضلع لاہور

نہیں تم سے کچھ شکایت مگر ایک التجا ہے اے ناز
جو بنا رہی ہو حالت کبھی تم بھی دیکھ جانا

صوفی محمد حسین ـــــــــ راولپنڈی

سوچا ہے ہونٹوں پہ چپ کی مہر لگا لوں گا
تیری سلگتی یادوں سے اس دل کو جلا لوں گا
نازابو نعیمی U.A.E۔ مصنع

ہم زیست کی راہوں میں دیے غم کے جلا کر
بیتے ہوئے لمحوں کے نشان رکھ رہے ہیں

محمد ارشد ـــــــــ فیصل آباد

لکھ تو چکا ہوں کئی تیرے نام کی غزلیں
راحت قلم کی روانی ختم نہیں ہوتی

افتخار حسین ـــــــــ سکھر

مجھ کو تو میری قوم کی تقدیر چاہیے
تا ابد پیارے رنگ کی تصویر چاہیے
اس قوم کو تمہید نہ تدبیر چاہیے
اک فرد با رفتار ضمیر چاہیے
اعجاز احمد ندیم۔ لاہور

اوروں کے جس سے رکھ دیا بھلا خلوص کا
وہ گہرا زخم مجھ کو میرا دوست دے گیا
معراج علی۔ گلگت

چاہیں تو گنوا دیں اس کو چاہیں تو پا لیں ہم
وہ اتنا بھی مسئلہ نہیں کہ مشکل کہیں اسے
دھر یاد کریں ہم ادھر محسوس ہو اس کو
وہ اتنا بھی عالم نہیں کہ قابل کہیں اسے
تبسم اقبال۔ گوجرانوالہ

سنا تھا ہم نے غیروں سے بڑا مشکل گزرتا ہے
جو ساتھی دور ہو اپنا تو وقت بڑا مشکل گزرتا ہے

عبدالرحمان خان ـــــــــ سوات

ہر اک دھڑکن میرے دل کی صرف تم کو بلاتی ہے
نہیں آنے صداؤں پہ تم تو پھر ڈوب جاتی۔
طاہر شاہین K.S.A

گزرتی ہے جو اب ہم پہ وہی تم کو سناتے ہیں
گزارے تھے جو لمحے سنگ تمہارے یاد آتے ہیں
چوہدری محمد تعیب خان۔ گجرانی

سب کچھ اسے لوٹا دیا انجام سفر میں
حتیٰ کہ کہیں یاد کا گوشہ بھی نہ رکھا
دل یاد بھی کرنا تو کہاں ڈھونڈتے جاتے
آنکھوں نے تو محفوظ وہ راستہ بھی نہ رکھا

محمد آفتاب ـــــــ سکھر

دل کو مسمار ہوئے رات کو تغیر ہوئے
خواب ہی خواب فقط روح میں جاگیر ہوئے
عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ رہا
جانے کیا لفظ تھے جو ہم سے نہ تحریر ہوئے

حاجی محمد یوسف ـــــ مردان

آنکھیں ہیں فرش راہ اور دل محو انتظار ہے
کبھی تو آؤ چاہنے والوں کے شہر میں

جاوید اقبال ـــــ میرپور خاص

دو کے انسان تو محبت سے بچے گا نہیں
اس جرم میں تو فرشتوں نے بھی سزا پائی ہے
محمد فہد۔ کرنانہ

صورت دکھا کر پھر سے بے تاب کر دیا مجھے
اک لطف اچھا تھا تم انتظار میں
مرزا محمد یونس۔ کرنانہ

جب سے بسی ہے اس دل میں تصویر تیری
خدا کی قسم بدل گئی ہے تقدیر میری
راشدہ انجم سحر۔ داؤدرہیہ

ہر وقت بے چین سا رہتا ہوں
مجھے کہیں بھی سکون نہیں ملا
بھٹکتا رہا ہوں اندھیروں میں عاصم
اب تو کوئی کنارہ سحر نہیں ملا
بابو محمد رفیق عاصم۔ ضلع گجرات

زندگی جس کے تصور میں بسا لیتے ہیں
وہی وعدہ محبت میں دغا دیتے ہیں
ہم نے ان آنکھوں میں دیکھا تھا تصور اپنا
لوگ کہتے ہیں افسانہ غلط بنا لیتے ہیں
خالد جاوید عامر۔ بھاگرولا

گلہ کریں تو کس سے ترے بچھڑنے کا
ہم اس قابل ہی نہیں کہ کوئی ساجن سے وفا کریں

منشی فتح محمد ـــــ ٹنڈو محمد خان

پہاڑ کی طرح اٹل صنم میں تو جان دوں گا
وقت نے خون مانگا تو خون جگر دوں گا
امتیاز ساجن۔ نوشہرہ ورکاں

چراغ شب کو بجھنے آندھیاں اچھی نہیں لگتیں
کچھ ایسے ہی ہمیں خوش فہمیاں اچھی نہیں لگتیں
جنہیں سونے کے پنجرے میں تذلیل جائے چاندی کی
انہیں پھر عمر بھر آزادیاں اچھی نہیں لگتیں

نسیم احمد ـــــ راولپنڈی

اے صنم جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے
اسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے

احمد علی ـــــ نواب شاہ (سندھ)

نہیں گزرے ہوئے لمحوں کا واقعہ
میری زندگی میں تو اوٹ

زبیر حسین ـــــ صادق آباد

میری زندگی تیرے دم سے تھی
اے صنم تو میرے دل کا قرار تھا
نعیم گھنگوری۔ لاہور

مجھ سے تعلیم پہ نہ پڑھ عشق کے عذابوں میں
ہمیشہ برباد ہوئے ہیں جو پھول رکھتے ہیں کتابوں میں

سجاد حسین ـــــ ٹوبہ ٹیک سنگھ

روتا رہوں گا عمر بھر تیری یاد میں اے آسن
جتنے ہوؤں کو تو نے ہی رونا سکھا دیا ہوا
نفیس حسین شاہ۔ ملتان

زخمی ہوئے جو ہونٹ تو محسوس یہ ہوا
چوما تھا کسی پھول کو دیوانگی کے ساتھ
محمد ادریس۔ سمندری ضلع فیصل آباد

وہ دل کے پھول پہ نکھار دیکھ نہ سکا
وہ اطمینان کی بہار دیکھ نہ سکا
وہ اس قدر الجھا رہا اپنے سماج میں
وہ زندگی سے کر کے پیار دیکھ نہ سکا

سید مختار حسین ۔۔۔۔۔۔۔ کراچی

زخمی ہیں آج میری انگلیاں خود اپنے ہی لہو میں
یہ کانچ کے ٹکڑوں کو اٹھانے کی سزا ہے

نبی احمد ۔۔۔۔۔۔۔ بنوں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ تو علاج ان کا اے چارہ گر ہے کہ نہیں

عبدالستار ۔۔۔۔۔۔۔ خانپور

ہر سمت سے قفرت کے ہیں پتھر میری جانب
اب تک کی وفاؤں کا بس اتنا ہی صلہ ہے
آندھی ہے کوئی سانحہ نہ طوفان ہے برپا
ہر روز نیا شخص یہاں قتل ہوا ہے

محمد رمضان ۔۔۔۔۔۔۔ لالہ موسیٰ

عشق کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا تیری زلف کے سر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

طالب شاہین۔ لے ٹبدی

فراہم کیے خود جاں کے سلسلے
زنجیریں غم کے یہاں تو خوشی بیچ ڈالی
محبت کے بازار میں لٹ گئے ہم
یہ آنسو خریدے اور ہنسی بیچ ڈالی

چوہدری محمد نصیب اللہ خان۔ دہوریہ سعودی عرب

لکھنؤ پردیس قسمت میں وطن کو یاد کیا کرتا
جہاں بے درد لوگ ہوں وہاں فریاد کیا کرتا

ڈاکٹر طارق جاوید ساحر ۔۔۔۔۔ فورٹ عباس

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے
محسوس یہ ہوتا ہے یہ دور تباہی ہے
شیشے کی عدالت ہے پتھر کی گواہی ہے

منظور احمد ۔۔۔۔۔۔ میرپور (AK)

اتنی دیر نہ سنوارو زلفیں اپنی گھٹاؤں سے ڈر لگتا ہے
کوئی تو بات کر تیری خاموشی سے ڈر لگتا ہے
تو جسے تو رقص کرتی ہیں چمن میں بہاریں
اہل گلشن کو بھی ساحل تیری خاموشی سے ڈر لگتا ہے

خالد اعجاز ساحل ۔۔۔۔۔ حافظ آباد

ہوئی بات پرانی مگر اب سوچتی ہوں
عام سا شخص تھا اس پہ دل آیا کیسے

طاہر حسین ۔۔۔۔۔۔ احمد پور شرقیہ

سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پہ شام و سحر
جائیں گے ساغر کہاں ان کی گلی سے ڈھونڈ کر

علی مراد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کراچی

روٹھنا ہی وہ ہے مجھے منظور ہے لیکن
یارو اسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے

ایم ایوب ۔۔۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

دو دلوں کی محبت کا یہ صلہ ملا ہے نزہت
زخموں کی کائنات کوئی دے گیا مجھے

نزہت یاسمین نازو ۔۔۔۔۔ فیصل آباد

اسی نے زخم سینے پہ لگائے ہیں جدائی کے
اک عمر جس کو ٹوٹ کر چاہا تھا دات دن
مانا کہ سو عیب ہیں اپنی ذات میں مگر
بکتے نہیں ہیں خدا کی قسم ہم با ضمیر لوگ

تبسم چوہدری ۔۔۔۔۔ فیصل آباد

غزلیں نظمیں

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

انچارج...... معیز وحر

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنی غزل، نعت، نظم یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

بھیجئے غزلیں، نظمیں...... ماہنامہ سچی کہانی، 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

آزاد نظم

چودھویں کا چاند دیکھا
تو
اس کی مسکراہٹ کا گمان ہوا
جھیل کی گہرائی پر نظر پڑی
تو
اس کی آنکھیں یاد آگئیں
پھول کھلا ہوا دیکھا
تو
اس کے حسن کا دھوکا ہوا
پھر میں سوچتا رہا
کہ
اس حسن کے شاہکار کو
کس
شے سے تشبیہ دوں

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

زخم کھا کے بھی ہم مسکراتے رہے
قہقہوں میں غموں کو چھپاتے رہے
فانی دنیا سے دل کو لگاتے رہے
عاقبت لوگ اپنی گنواتے رہے
اور بھی ظلم ہم پر وہ ڈھاتے رہے
داستان جن کو غم کی سناتے رہے
گو بظاہر وہ مجھ سے خفا سے رہے
گیت، غزلیں مری گنگناتے رہے
آج امتیاز نہایت وہ دلگیر ہیں
دل ہمارا کبھی جو دکھاتے رہے

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

غزل

جو ابابیل کی کہانی ہے
مجھ کو وہ داستاں سنانی ہے
بات ہے مستند حوالوں کی
بات گو کہ بڑی پرانی ہے
تیری تصویر میں ہے رکھا کیا
ساری دنیا تری دیوانی ہے

غزل

اس نے بے ساختہ کہا مجھ سے
اچھا ! تم پر ابھی جوانی ہے
جیسے دریا کوئی سبک رفتار
میری تحریر میں روانی ہے
معجزہ ہے کمال کا یہ مراد
دیکھا جائے تو صرف پانی ہے
☆رحمان امجد مراد۔سیالکوٹ

غزل

تیری خوشی سے دھک اٹھتے ہیں شرارے بھی
کاش! کوئی پھر دیکھے آج آنسو ہمارے بھی
غم اٹھائے تھے تیری وفا کے لیے ہم نے
مشکل لمحات میں پھر کوئی یوں کسے پکارے بھی
تیری بے رخی کا برا نہیں مانتے ہم
تو لاکھ دل پہ کرے ستم ہمارے بھی
ملی تھیں دوریاں بھی قسمت میں
غم کے ماروں کو یوں ملتے نہیں سہارے بھی
کچھ لوگ سزا کے منتظر ہیں یوں بھی جاوید
قسمت والوں کو پھر سے ملتے نہیں سہارے بھی
☆محمد اسلم جاوید۔فیصل آباد

غزل

کدورتوں کو بھلا کے اب تم
محبتوں کا حساب دینا
کئی زمانے میں کھو چکا ہوں
ذرا سا اپنا شباب دینا
زمانے بھر کا جو غم بھلا دے
مجھے تم ایسی شراب دینا
سبھی کو اچھائی دینے والے
مجھے نہ تو کچھ خراب دینا
زمانے بھر سے کہے ہے سندر
مجھے تو مال نایاب دینا
☆ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری سندر
موبائل نمبر 0322-3816602' کراچی

تنازعے

مابین ہمارے سدا سے تھا
جو ایک سنگین تنازعہ
وہ تھا وقت کا
میری مصروفیت اور تمہارے درمیاں
تم ہمیشہ
میرا پہلا انتخاب رہے
تمہارے کام اور میرے بیچ
میں ہمیشہ
تمہاری آخری ترجیح تھی
☆حمیرا فضا۔رحیم یار خان

دکھ بولتے ہیں......!

جب سینے اندر سانس کے دریا ڈولتے ہیں
جب موسم سرد ہوا میں
چپ سی گھولتے ہیں
جب آنسو
پلکیں رولتے ہیں
جب سب آوازیں اپنے اندر
تب آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہیں
دکھ بولتے ہیں......

دکھ بولتے ہیں.....!

☆محسن بشیر موبائل نمبر 0300-6242575 گجرات

اک یادگار ملاقات

میٹھی زبان میں وہ تیرا ہم سے ہم کلام ہونا
شادی میں تبسم کا بھی ور تیرے ساتھ ہونا

ایک تو کم بخت تھا ظالم تیرا شباب
میں نے دیا شام کو تیرے ہر سوال کا جواب
صبح جلدی اٹھ کر جب تو اپنے گھر جانے لگی
تیرے جانے کے بعد تیری یاد مجھے ستانے لگی

جاتے ہوئے تو نے کہا کہ ہمارے گھر آنا
پھر میں سوچنے لگا کوئی اچھا سا بہانہ

ایک دن میرا اور خالہ کا تمہارے گھر آنا
مجھے اب بھی یاد ہے وہ وقت سہانا

دے دیا شرما کر تو نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ
اور کہا نبھاؤں گی میں زندگی بھر تیرا ساتھ

میں نے اب بھی رکھی ہوئی ہے وہ چھن سنبھال کر
اب تو بھی مجھے اپنا بنا لے ان یادوں سے نکال کر

افتخار احمد سلطانی۔ کوٹ رادھاکشن

غزل

بجلی پانی ، گیس ہوا
ہے زیست سے رشتہ چاروں کا
ماہرین کی لاپرواہی سے
کوئی حاضر کوئی غائب رہنے لگا
پیداوار بڑھاؤ ورنہ
ہو جاؤ گے تم بھی رسوا

ان جسموں سے دل نہ لگا
جن میں نہیں ہے نام وفا
لوٹا تو ہے سب کی ضرورت
کرسی کی ہے شان جدا
نفرتوں سے کیا حاصل ہو گا
طے کریں ملکر آپس کا جھگڑا
جس مذہب میں تفریق نہیں ہے
ایک نبی ہے ایک خدا ہے
جمہوری عمل کو قائم رکھو
وقت سنائے گا فیصلہ اپنا

☆رابعہ گلزار.........اسلام آباد☆

غزل

جب محبت کسی انسان کو ہرا رہتی ہے
نیند آنکھوں سے سکون دل سے مٹا رہتی ہے
شام ہوتے ہی تری یاد کی پاگل خوشبو
ایک فرزانے کو دیوانہ بنا رہتی ہے
نیند آنے کی طرح آتی ہے کب آنکھوں میں
یہ بھی کیا کم ہے کہ برسات میں اک پھول کی صورت
شاخساروں پہ نئے پھول کھلا رہتی ہے
وقت سا کوئی بھی استاد نہیں ہو سکتا
زندگی جینے کے آداب سکھا رہتی ہے
دل کے بازار میں ہوتا ہے وفا کا سودا
کثرت حرص مگر مول گھٹا رہتی ہے
بعض اوقات تو شہرت کی تمنا شبنم
سوکھے پتے کی طرح ہم کو گرا رہتی ہے

عظمت نسیمن ------- سرگودھا

نظم

کوئی جب ماہ پارہ یاد آیا
غم کا سہارا یاد آیا
بھلا یا تھا جسے ہم نے
وہی ہم کو دوبارہ یاد آیا
کبھی جو ساتھ میرے جاگتا تھا
وہ اک روشن ستارہ یاد آیا
امیروں کا غریبوں کے جہاں میں
محبت پر اجارہ یاد آیا
لٹا تھا جو وفا کے بھول پن میں
غریب کا دل بیچارہ یاد آیا
گزاری تھیں جہاں شامیں بہت سی
وہ دریا کا کنارہ یاد آیا
کبھی ہم تم تھے جس منظر کا حصہ

غلام محمد ------- پنڈی گھیب

غزل

پوچھو پایا نہ جسے میں وہ پہیلی نکلی
وہ کسی اور ہی ساجن کی سہیلی نکلی
تھے بہت اس کے تعاقب میں شکاری شاید
اس لیے گھر سے وہ نکلی نہ اکیلی نکلی
میں تھا مفلس سو سمجھ کر ہوئی مایوسی
اجڑی اجڑی مری قسمت کی ہتھیلی نکلی
جس کے عظمت کے تھے مشہور بہت قصے
میری کٹیا سے بھی کمتر وہ حویلی نکلی

دنیا والوں کے لیے جہاں غضب کی
جب مرے لب سے کوئی بات نویلی نکلی
خطرناک سانپ تھا موجود ہر اک سو ضیغم
ہر گلشن کو یہ چھپایا نہ چنبیلی نکلی
ضیغم حیدری - ایم اے کراچی

غزل

تلاش کرنے سے دنیا میں کیا نہیں ملتا
مرا ندیم مرا دلربا نہیں ملتا
بہار آئے چمن میں تو کس طرح آئے
گلوں سے رنگ مزاج صبا نہیں ملتا
فراق یار کے لمحات جان لیوا ہیں
کہیں قرار مجھے اے خدا نہیں ملتا
اک ہر خواہش منزل ہزار ہا رستے
خدارا سب خود کہو راستہ نہیں ملتا
وفا کے واسطے حرف وفا نہیں ملتا
وفا شعار کا شیوہ ہے بس وفا کرنا
یہ اور بات وفا کا صلہ نہیں ملتا
قدم قدم پہ جتائے خزاں ملی ضیغم
کہیں سراغ بہار وفا نہیں ملتا

زاہد محمود ------- جہلم

غزل

ہم نے سچ کہنا چھوڑا نہیں
سب کچھ لٹا کر بھی قلم توڑا نہیں
سچ اور جھوٹ میں امتیاز رکھا ہے
حق کو بھی باطل سے جوڑا نہیں

فانوس میں بھی ضمیر بجھا نہیں
حرص اپنی موت آپ مر گیا
جو ملا ہے وہ تھوڑا نہیں
شاہد ہم لاکھ برے سہی پر یہ حقیقت ہے
ہم نے کبھی کسی کا دل توڑا نہیں

محمد ابراہیم ---------- رحیم یار خان

غزل

میں نے جس سے پیار کیا وہ ہرجائی نکلا
محبت کا جنازہ بہت دھوم دھام سے نکلا
زندگی اپنی گزری ہے تپتے صحرا میں
میرے گھر پہ سورج سدا سر شام نکلا
بہت جنون تھا ہمیں تاجوری کا
تقدیر ہی ایسی تھی قسمت میں سکھ نہ آرام نکلا
کچھ نہیں وہ تو خون جگر کی بوندیں تھیں
لاکھ چھپایا جس کو ہم نے وہ قاتل سر عام نکلا
اس کے آنے کی امید پہ کھلا در ہم نے چھوڑ دیا
کیا کرتے ہم وفا جب صنم ہی بے وفا نکلا
تمنا بہت تھی ان کو کچھ کر دکھانے کی
کیا کرتے ہم نوزیہ نصیباں ہی جب سے یہ ہم نکلا

نوزیہ بشیر۔ لاہور

غزل

راہ وفا میں وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا
بے کے فریب محبت مجھے رونا چھوڑ گیا
اس سے بڑھ کے اور کیا ہو چارہ گری کا دکھ
درد کا مسیحا زخموں کو رستا چھوڑ گیا
ترک کر کے وہ راہ رسم و دوستی
میری وفا کے چراغوں کو جلتا چھوڑ گیا
انگارہ جگر کو درد ہی درد دے کے
دل تباہ کو تڑپتا چھوڑ گیا

خود تو ہو گیا وہ غیروں میں شامل
محبت مناؤں کو سسکتا چھوڑ گیا
دل بسمل تو اب بھی اسی کو پکارتا ہے
ہجر کے صحرا میں جو بھٹکتا چھوڑ گیا

کرامت حسین ------ ضلع فیصل آباد

غزل

محبتیں بے حساب دے کر
بچھڑ گیا وہ عذاب دے کر
سوال سننے سے قبل ہی وہ
چلا گیا بے جواب دے کر
کبھی ستارے وہ چھین لے گا
بجھا ہوا آفتاب دے کر
تمام گلشن سمیٹ لو تم
مجھے فقط اک گلاب دے کر
بچھڑ گئے ہیں رفیق سب ہی
رفاقتوں کے عذاب دے کر
گھڑے بھی کب دبے ہیں اس نے
محبتوں کا جواب دے کر
تکھر گئی ہیں مری بھی آنکھیں
زمین کو تھوڑا سا آب دے کر
بچے گا کیا میرے پاس آخر
محبتوں کا حساب دے کر
سکون دل کو عطا کیا ہے
مجھے نئے اضطراب دے کر
تلاش ساحل میں مجھ کو رکھا
میری نظر کو سراب دے کر

ساحل ہاشمی۔ غازی آباد لاہور

پنجابی نظم

چنگے نہ گئے بچھڑے وہ جگرے
بندے اوہ وچھڑے وہ جگرے

پیار کا پل صراط

اسے انجان رستوں سے گزر جانے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہونے کی مر جانے کی خواہش تھی
وہ کتنا خواب جیون نیرگی ہے
اور ہمیں اس تیرگی میں روشنی کے رنگ بھرنے ہیں
یہ ہم کو مختصر سے چند لمحے جو میسر ہیں
یہی لمحے محبت سے ہمیں سیراب کرنے ہیں
کسی کو دوری سے دیکھا ہے اور کسی سے بات کرلی تھی
جہاں یہ دن گزر جائے وہیں یہ رات کرلی تھی
وہ کتنا تھا محبت کا کوئی موسم نہیں ہوتا
یہ ہر موسم کا جذبہ ہے کبھی جو کم نہیں ہوتا
ادھوری سی محبت ہے ہمیں تکمیل کرنی ہے
حسیں لوگوں کے ہر اک حکم کی تعمیل کرنی ہے
محبت کو نئے ڈھب سے بسر کرنے کی اک خواہش
اسے شب بھر جگاتی تھی......
نجانے کون سی چاہت اسے شب بھر رلاتی تھی
اسے ہر شخص کو حیران کرجانے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہونے کی مر جانے کی خواہش تھی

(اک مہرباں کے نام)

کھاسے دا کی آیا زمانہ
عمراں دے دن اٹھے رہ گئے
گھوڑے لے گئے تانگیاں والے
چوہدریاں لئی گدھے رہ گئے
کلیاں ٹکیاں دے اج نخرے
دنجمن لئی ٹکڑے رہ گئے
دیکھ جٹ گواہنڈیاں لتاں
گھر پروہنے سدے رہ گئے
سن کے حکم تلاش والا
ہنجے جانی جدے رہ گئے
سجے جھنج وزرے کہاں ہیں
کنے انھ دی پھندے رہ گئے
کھونا کر گیا مسیتوں ماسیتوں
مسلے گندے لیڑے رہ گئے
جیہڑے ہین بولیاں نکلا
او افسانوں دے رہ گئے
شاعراں جلا تے تبرین زیرا
خالی تاب نے کدے رہ گئے

میاں نصیر حسین ۔ رحیم یار خان

زندگی

زندگی آتی ہے واپس چلے جانے کو
موت ملتی ہے عمر یادیں زمانے کو
کسی ایک کے ساتھ بھی کرتی نہیں ہے وفا
پھر بھی لوگ جیتے اس کا دھوکہ کھانے کو
چھین لیتی ہے سب کی خوشیوں کو
چھوڑ دیتی ہے گر آنکھیں آنسو بہانے کو
دے کر بات جدائی کے سنگ بدل جاتی ہے
یادیں رہ جاتی ہیں فقط دل بہلانے کو
شمع کی مانند جل جل کر پگھل جاتی ہے
جا رہی ہے اکرم ساتھ اپنے ہر اک پروانے کو

تحریر: ۔۔۔۔۔ (آیا)

غزل

اگر بیوفا بن کر زخم ہمیں لگائیں گے
ہم وہ زخم سینے پہ ہی کھائیں گے

جہاں سے گزریں گے محبوب میرے
ہم وہ مٹی سینے سے لگائیں گے

بجھنے نہ دیں گے چراغ محبت
اسے اپنا خون دے کر جلائیں گے

دی ہے قدم قدم پر رسوائی مجھے
اور کہاں تک وہ آزمائیں گے

دیکھیں گے جب زخمی دل میرا
پھر تو ترس بھی کھائیں گے

وہ چھوڑ دیں گے اوروں کے ساتھ سفر کرنا
اور وہ ایک دن تیرے ہم سفر ہو جائیں گے

ایم انور علی فیصل آباد

غزل

سنا جب تیرا حسن چرچہ عام تیرے شہر میں
تو کرنا پڑا کچھ دیر قیام تیرے شہر میں
مجھے ملنے کی آرزو جب حد سے بڑھ گئی
تو مشکل ہو گئی گزارنی ہر شام تیرے شہر میں
ڈھونڈا میں نے جب گلی گلی تجھ کو
دیوانہ کہنے لگے لوگ تمام تیرے شہر میں
آنے لگا جب میرا نام تیرے نام کے ساتھ
خوب رسوا ہوا میرا نام تیرے شہر میں
گلہ کسی سے بھی نہیں کرے گا اب شاکر
کیونکہ رہتے ہیں بے وفا عام تیرے شہر میں
جاوید اختر شاکر۔ فیصل آباد

بے چارہ شوہر

جب بھی اس نمبر دل کی بیوی نے
اس پہ چہرہ چمکا کبھی اکھلا ہے
اپنے موبائل پہ جا کے جلدی سے
میں نے اکثر اسے بہلایا ہے
ہے بہت نامرد پڑوسی کا
بیوی جب بچے تنگ سب
سچ سن کر بےچارے شوہر کی
نظروں میں اسے بہترائی ہے
الف انجم خان ملتان

نظم

جب سارا جگ سوتا ہے
یہ دل پیار میں تیرے روتا ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب پت جھڑ بیت جاتا ہے
اور بہاریں لوٹ آتی ہیں
جب ساون نغمے لاتا ہے
اور پون گیت سناتی ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب مور پپیہے گنگناتے ہیں
اور ملن رت پھر آتی ہے
جب گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں
اور پیار کی بارش ہوتی ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب صبح سہانی ہوتی ہے
اور سارا دن بیت جاتا ہے
جب سورج بام سے ڈھل جاتا ہے
اور چاند چاندنی بکھیرتا ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو

نور رسولاں بی بی ۔۔۔ منڈی بہاؤالدین

غزل

دل والے ہی دل سے محبت کرتے ہیں
خون دل سے جام محبت بھرتے ہیں
ان کی بہار میں جنت کا رنگ ہی ہوتا ہے
دنیا والے کہتے ہیں وہ ہرتے ہیں
پیار کا رستہ جنگل رستہ ہوتا ہے
جس پہ پاؤں خوشی سے اپنے دھرتے ہیں
ان کی شان سب سے نرالی ہوتی ہے
جیتے ہیں وہ شان سے با پھر مرتے ہیں
رستے میں جو لوگ بچھڑتے جاتے ہیں
تنہا درد کا موسم دل پہ بھرتے ہیں
تو بھی کسی کو یاد کرتا ہو گا اب
اس موسم میں سب ہی ایسا کرتے ہیں

تبسم چوہدری۔ فیصل آباد

مہنگائی

آئی مہنگائی آئی مہنگائی آئی!
آئی مہنگائی آئی مہنگائی آئی!
مایوسیوں کو بھی ساتھ لائی!
مزدوروں نے بھی خاک اڑائی!
آئی مہنگائی آئی مہنگائی آئی
امیروں کی ہے دولت شان!
غریبوں کو نہ ملے کفن نہ نان!
آئی مہنگائی آئی مہنگائی آئی
دولت والے بھی چیخے اس مہنگائی میں
سب کو سودائی بنایا اس مہنگائی نے
آئی مہنگائی آئی مہنگائی آئی

بینا بٹ۔ کراچی

غزل

گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
جیسے شمع کے حسن سے پروانہ جل گیا

میخانہ چھوڑ کے سوئے حرم چلا
وہ راہ میں ملے تو ارادہ بدل گیا
کہتے ہیں وہ بتائیں ہم اپنے دل کی بات
ان کو خبر نہیں کہ دل، دل سے نکل گیا
طوفاں غم فراق میں اتنے اٹھے کہ جب
ہر اشک مرا بارعد باراں میں ڈھل گیا
کہتے ہیں لوگ مجھ کو یہ دیوانہ ہے کوئی
خاور کسی کے عشق میں حلیہ بدل گیا

خاور سعید۔ لاہور

غزل

ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھا گیا
انہیں تو قل کیا سکون انہیں تو چین آ گیا
چراغ کی لپیٹ میں تھا آشیاں
جلا رہی تھیں شاخ گل کو بجلیاں
خدا پہ چھوڑ کے باغباں چلا گیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھا گیا
دل تباہ تو ہی خود فنا نہیں
ملی ہے کس گناہ کی سزا نہیں
چمن میں کیوں خزاں کا رنگ چھا گیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھا گیا
جواب کون دے ہماری بات کا
وہ پیار تھا کہ خواب ایک رات کا
چراغ تھا جسے کوئی بجھا گیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھا گیا

عابد ندیم، جھنگ

غزل

ھو

غنچہ پھول اور جام تیرا چہرہ
رفعتوں میں اعلیٰ مقام تیرا چہرہ
کسنی جیسا باہم پھول و کلیاں
قاف کی پریوں کا نام تیرا چہرہ
ایک شوخ و چنچل تیرا وجود نازاں
ایک بے خودی کی شام تیرا چہرہ
نسیم سحر میں تیری ذات سے تازگی
موسم بہار کا نظام تیرا چہرہ
پر نور زباں میں گیت رسیلے
سخن ور کا تکیہ کلام تیرا چہرہ
تسکین شوق کے لیے نکلے ستارے
ہوا جو کبھی لب بام تیرا چہرہ
تلخی رات سے پہلے خیالوں میں
کھلا ہے سرشام تیرا چہرہ
حد شعور تک ترانہ روپ
رنگ حنا کا نظام تیرا چہرہ
ہر گھڑی لبوں پہ آہ سوزاں
سب نے کیا ہے کام تیرا چہرہ
بہاروں کی اداؤں میں چھپا ہے
اے ماہ پاروں کے امام تیرا چہرہ
ملے خار جو کی تمنا گل ارشد
لیتا رہا ہے انتقام تیرا چہرہ

ارشد علی ارشد۔ ززتوپہ

غزل

نہیں معلوم کہ حضور اتنے مہربان کیوں ہیں
میری خوشی کے لئے، رقص میں سارا جہاں کیوں ہے

میں جن راہوں سے گزرنے سے ڈر جاتی تھی
آج قدم قدم پہ بچھے ہوئے، رہنما پاسباں کیوں ہیں
میری ہری بھلی تشبیر میں بات آپ کا ہے
اپنے کلام سے پھر آپ اتنے گریزاں کیوں ہیں
ہے یہ تسلیم کر لیا تجھے ٹوٹ کر میں نے
میری "بعض" پہ تجھے پھر گماں کیوں ہے
ہے عزم اپنا کسی کو کبھی نہ ہم سے دکھ پہنچے
نہ جانے آپ میری ذات سے پریشاں کیوں ہیں
ہر ناگوار گزرا میرا کلام ہر لفظ کیجئے درستی
تھا مگر آج فرخندہ سوچ سوتا تیرا جہاں کیوں ہے

فرخندہ، بیگم رو

سچی کہانی

ہے یہ کہانیوں میں کہانی سچی کہانی
سنیں آپ بھی ہر اک کی ہے زبانی
خبردار ہے ہر کوئی اس کا
کیونکہ کہانیوں میں ہے کہانی سچی کہانی
خدا دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے
پڑھنے والے کے لب پہ ہے نام سچی کہانی
میری یہ دعا ہے، یہ کرے مزید ترقی
کیونکہ سب یہ کہانیوں میں کہانی "سچی کہانی"

تحریر یوسف غوری

غزل

بن غیرے سے شہر ہمارا اجڑا لگتا ہے
گر کر ہر اک چہرہ تیرا نکھرا لگتا ہے
کوئی نہ جانے مجھ پہ ایک قیامت گزری ہے
اس دنیا کو عام سا میرا دکھڑا لگتا ہے
ان کی خوشبو اب تک مجھ کو خود سے آتی ہے
ہاتھ کا ان کے لمس کہیں پہ اٹکا لگتا ہے

بار ماضی مجھ پہ ایک قہر کرے ہے برپا
نادم لیکن ان سے چاند کا ٹکڑا لگتا ہے
جانے تو اسے یار بھی ہو ممتاز زرا سوچو
جس کے لئے تو سارے جہاں سے بگڑا لگتا ہے
ممتاز احمد' فیصل آباد

غزل

تو نے کنول نہ جانے آج پھر کس لئے بلایا تھا
میں تو تیری گلیوں کو بہت پہلے چھوڑ آیا تھا
گزرے ہوئے موسم کی چاہتیں لے کر
لے تیری یاد کی کلیاں سبک لایا تھا
سلگتی دھوپ میں کیسے گلاب کھلے تھے
سارے موسموں پہ تیری چاہت کا سایہ تھا
اس وقت تجھے ستانا روک دیتا نہ جانے دیتا
بہت دیر ہوگئی جب یہ احساس خطا بار آیا تھا
محبت میں کہاں واپسی ہوتی ہے کنول
میں تو اپنی آخری کشتی بھی جلا کر آیا تھا
جو کچھ لکھا ہے میرے عہد کی صداقت ہے
تجھ سے یادوں کا رشتہ جو نہ ٹوٹ پایا تھا
ڈاکٹر طارق بادید' فورٹ عباس

غزل

اے میرے ہم نشین چل کہیں اور چل
اس چمن میں ہمارا گزارا نہیں
بات ہوتی گلوں کی تو سہہ لیتے ہم
اب تو کانٹوں پہ بھی حق ہمارا نہیں
جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی
خون ہم نے دیا گردنیں کٹ گئیں
پھر بھی ہم سے یہ کہتے ہیں اہل چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں
جانے کس کی لگن کس کی دھن میں مگن
جا رہے ہو کہ مڑ کے دیکھنا بھی گوارا نہیں
ہم نے آواز پر آواز تم کو دی
پھر بھی کہتے ہو ہم کو پکارا نہیں
ایسے جینے سے بہتر کہ مرجائیں
ایسا جینا تو ہم کو گوارا نہیں
تم ابھی آئے ہو چلے جاؤ گے
میری اپنی طبیعت کو یہ گوارا نہیں
عمر بھر کا سہارا بنو تو بنو
چار دن کا سہارا' سہارا نہیں
ظالم اپنی قسمت پہ نازاں نہ ہو
دور بدلے گا یہ وقت کی بات نہیں
وہ یقیناً سنے گا صدائیں ہماری
کیا تمہارا خدا ہے ہمارا نہیں
محمد اکرم' فرید آباد

کشش حسن

یہ تیرا حسن دیکھ کر ڈوبا چاند بھی شرما کے
نہ جانے وہ کون جو تیرا محبوب بن جائے
یہ تیری ریشمی زلفیں ہیں یا کہ گھٹائیں ساون کی
جو بھی دیکھے انہیں وہ مست ہو جائے
یہ تیری نیلی آنکھیں وہ ہیں سمندر
جن میں ڈوب کر ہر نشہ بیکار ہو جائے
یہ تیرے نازک انداز دیکھ کر
ہر شخص تیرا دیوانہ ہو جائے
یہ تیرا چہرہ وہ سہانا لمحہ
چاند بھی دیکھ کر جسے شرمائے
نہ جانے وہ کون ہے خوش نصیب
جس کی دل نشین محبوب تو بن جائے
محمد اویس مجروح' لاہور

گلستان

انچارج
روبینہ کوثر

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اقوال زریں لطیفے اور معلوماتی تحریریں بھیج سکتے ہیں۔اس کے لیے آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

معرفت گلستان۔۔۔ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



انمول موتی

○ شیشہ رحمت کی دیوار ہے اس کو اپنے معاملے کی کسی بڑی اور مضبوط عمارت کا ایک جز بنانا نادانی ہے۔

○ زندگی کو بدمزہ بنانا ہو تو اپنا ایک مخالف پیدا کر لو۔

○ جینے کے لئے ضروری ہے کہ زہر پینے کی عادت ڈالی جائے۔

○ عافیت اور امن درکار ہے تو آنکھ اور کان سے زیادہ کام لو۔ اور زبان بند رکھو۔

○ محبت جذبات کا ایک گہرا سمندر ہے جو چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے۔

○ جنگی جنون اکثر امن پسندی کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔

○ ظاہر پر نہ جانا آگ سرخ نظر آتی ہے لیکن اس کا جلایا ہوا خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔

☆ بشارت صدیقی۔لاہور

بے شمار نور......!

اچھے مسلمان کو چھ خوف لاحق ہوتے ہیں

❁ اللہ تعالیٰ کا خوف کہ وہ اس سے ایمان کی دولت نہ چھین لے۔

❁ فرشتوں کا خوف کہ وہ اس کے گناہوں کو نہ لکھ لیں۔

❁ شیطان کا خوف کہ وہ اسے اپنے جال میں نہ جکڑ لے۔

❁ موت کے فرشتے کا خوف کہ وہ اچانک روح قبض نہ کر لے۔

❁ دنیا کا خوف کہ آخرت سے غافل نہ کر دے۔

❁ اہل و عیال کا خوف کہ ان کی محبت میں مشغول ہو

کراللہ کو نہ بھول جائے۔

☆ایس. امتیاز احمد۔کراچی

کس کھاتے میں ہو......؟

ٹرین کے ایک ڈبے میں چیکنگ ہو رہی تھی تقریباً تمام مسافر ہی بغیر ٹکٹ سفر کر رہے تھے۔ چیکر نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''تمہارا ٹکٹ کہاں ہے؟'' مسافر بولا۔

''میں ریلوے کا ملازم ہوں۔'' چیکر نے دوسرے مسافر سے پوچھا۔

''تمہارا ٹکٹ کہاں ہے؟'' اس نے جواب دیا۔

''میں اسٹیشن ماسٹر کا بیٹا ہوں۔'' اسی طرح تمام مسافروں نے اپنی جان بچائی۔ مگر ایک صاحب رہ گئے۔ چیکر نے اس سے پوچھا۔

''بھائی! تم کس کھاتے میں ہو؟'' وہ آدمی بولا۔

''جناب! میں آپ کے کھاتے میں ہوں۔''

☆امن فضاء۔ پشاور

ہنس بیتی

ہم ایک مرتبہ پارک میں اپنے ایک دوست کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے کہ اچانک ہمارا ایک دوست وہاں آ گیا۔ میں نے اپنے دوست سے آنے والے دوست کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''جناب! ان سے ملیے یہ ہیں ہمارے دوست چاند صاحب۔'' ہمارے دوست نے کہا۔

''موصوف بہت ربلے پتلے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''یہ پہلی کے چاند ہیں۔''

☆چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ملتان

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جنتی خاتون

عہد رسالت ﷺ کے ایک مقدس دن کا ذکر ہے۔ ایک دن رحمت عالم ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ۔

''اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی جنتی خاتون سے نکاح کرے تو اس کو چاہیے ام ایمن سے نکاح کر لے۔''

یہ وہ خاتون ہیں جس کو سرور دو عالم ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔ آپ سرکار ﷺ کی والدہ کے ساتھ کنیزہ کے طور پر رہتی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں۔ سید البشر ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خبر گیری اور خدمت پر معمور تھیں۔ نبی پاک ﷺ انہیں امی کہہ کر پکارا کرتے تھے اور بہت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی دلجوئی کے لیے بڑا لطیف باادب پاکیزہ مزاح بھی فرماتے تھے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو سبقت فی الاسلام کی سعادت بھی نصیب تھی۔ جب نبی پاک ﷺ نے لوگوں کو نکاح کی رغبت دلائی۔ تب یہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ حضور ﷺ کے متبنیٰ بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس سے اس معزز خاتون کے جنتی ہونے کی بشارت سنی تو ان سے نکاح کر لیا۔ انہی کے بطن سے محبوب رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔

ایک دن یہ بزرگ خاتون حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضورﷺ فوراً امی امی کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ انہیں بڑے ادب سے بٹھایا پھر بے حد پیار سے پوچھا۔

"امی! آج کیسے تشریف آوری ہوئی؟" حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ۔

"اللہ کے رسولﷺ مجھے ایک اونٹ کی ضرورت ہے۔ اس غرض سے آئی ہوں۔" حضورﷺ نے فرمایا۔

"امی! اونٹ کا کیا کریں گی؟" تو انہوں نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسولﷺ آج کل ہمارے پاس سواری کے لیے کوئی جانور نہیں ہے سفر دور دراز کا ہو تو بڑی دقت پیش آتی ہے۔" رسول اللہﷺ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اچھا تو میں اونٹ کا بچہ پیش کر دیتا ہوں۔" حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

"میرے ماں باپ آپﷺ پر قربان ہوں۔ بھلا میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گی۔ مجھے تو سواری کے لیے اونٹ کی ضرورت ہے۔" حضور اللہﷺ نے بڑی محبت سے فرمایا کہ۔

"میں تو اونٹ کا بچہ ہی دوں گا۔" حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

"حضورﷺ! اونٹ کا بچہ میرے کس کام آئے گا؟" حضورﷺ نے پھر فرمایا۔

"امی! آپ کو اونٹ کا بچہ ہی ملے گا اور میں اسی پر ہی آپ کو سوار کراؤں گا۔" اس کے بعد نبی پاکﷺ نے ایک خادم کو حکم فرمایا۔ وہ جلدی سے ایک اونٹ سواری کے قابل لے آیا۔ آپﷺ نے اس کی نکیل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو پکڑاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"امی! ذرا دیکھیے یہ اونٹ ہی کا بچہ ہے یا کچھ اور؟" حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رحمت عالمﷺ کے اس شفقت بھرے مزاج کو سمجھ گئیں اور بے اختیار ہنسنے لگیں اور آپﷺ کو دعائیں دینے لگیں۔

☆ عبدالحمید فیصل آباد

موبائل نمبر 0344-7365442

عورت

☜ شوہر کی نظر میں' عورت شاپنگ کرنے کی مشین ہے۔

☜ عاشق کی نظر میں ایک ایسا پھول ہے جو دل کو معطر کرے۔

☜ دھوبی کی نظر میں ایک ایسا کپڑا ہے جو تعریف کے صابن سے دھویا جا سکتا ہے۔

☜ قصائی کی نظر میں ایک ایسی چھری ہے جو ذبح کرتی ہے مگر خون نہیں کرتی۔

☜ شاعر کی نظر میں قدرت کا مجموعہ ہے۔

☆ فضاء ماہرہ۔ پشاور

انسان اور پھول

گلستان میں کھلنے والا ہر پھول خوشنما اور دلفریب ہوتا ہے۔ بظاہر حسن کا مجسمہ' یکسانیت کا حامل مگر ان کا مقدر..... ایک طرف سہرے کی سجاوٹ اور دوسری طرف قبر کی زینت۔ کہیں محبت کی نشانی سمجھ کر کالر یا بالوں میں لگایا جاتا ہے تو بعض اوقات

نفرت سے پاؤں تلے مسل دیا جاتا ہے۔ جب کہ پھول پورے پر ہی اپنا دامن چاک کر لیتے ہیں گویا پھول کا مقدر کائنات کے اس گلشن میں انسان کی مانند ہے۔

☆ حسین بشارت۔ لاہور

محبت

○ محبت ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کی روح کی گہرائیوں میں اتر کر نور کی مانند پھیل جاتی ہے

○ محبت ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو ایک غریب کی جھونپڑی اور ایک امیر کے شبستان میں یکساں طور پر جنم لیتا ہے

○ محبت روحانی فرحت کا نام ہے

○ محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ کہنا سراسر غلط ... ہے۔ کیونکہ محبت ہر ذی الارواح میں جنم لیتی ہے۔

[illegible] پر نازل ہوتا ہے۔

○ محبت ایک مقدس جذبہ ہے جو انسان کی اخلاقی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔

○ محبت انسان کا فطری تقاضہ ہے۔

○ محبت سورج کی ان کرنوں کی مانند ہے جو چار سو پھیل کر کائنات کو منور کر دیتی ہیں۔

○ محبت ایک عبادت ہے اور ہوس سے پاک ہے۔

○ محبت وہ جہانی ہے جسے نابینا بھی پا سکتا ہے۔

○ ہم سب محبت کے لیے پیدا ہوئے ہیں یہ ہمارے وجود کا بنیادی اصول ہے۔

پرنس محمد اعجاز۔ ساہیوال

عورت

عورت ایک نازک چوڑی ہے' دیکھوں تو کائنات میں بکھرے ہوئے رنگوں کی طرح فضا میں چھائی دھنک کی طرح۔ مگر ختم ہونے کو ایک جھٹکا کافی ہے۔ یوں تو کالج کی سنہری چوڑیوں کی طرح ٹوٹ جاتی ہے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہے۔ مگر ریزہ ریزہ کانچ کے خواب ہو کر بکھرنا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکے گا۔ مگر پھر بھی وہ ایک بیوی ماں بیٹی اور بہن ہے۔ عورت آسمان کا آخری تحفہ اور زمین کی خوشبو ہے۔ عورت کانٹوں کا جنم اور پھولوں کی خوشبو ہے عورت ایک مضبوط کردار بلند حوصلہ کی مالک ہے۔

☆ محمد ریاض ------------ ملتان ☆

مفید چٹکلے

اگر کسی آدمی کے سر کے بال وقت سے پہلے جھڑ گئے ہوں تو وہ پریشان نہ ہو چند مفید اور آسان چٹکلے حاضر ہیں انشاء اللہ فائدہ ہو گا۔

1۔ عمدہ اور تازہ تمباکو کے پھول لے کر کڑوے تیل میں پیس کر ڈال لیں اور اس جگہ لگائیں جہاں بال اگانے ہوں چند بار کے لیپ سے گنج دور ہو جاتا ہے۔

2۔ کالی مرچ پیس کر اس جگہ مسلسل لیپ کریں جہاں سے بال اڑ گئے ہوں انشاء اللہ دوبارہ بال اگ آئیں گے۔

3۔ سبز چنے کا پانی لے کر سر پر لگایا کریں اگر اس کا موسم نہ ہو تو خشک وھنیہ نہایت باریک پیس کر روزانہ لیپ کریں چند روز کے لیپ سے گنج دور ہو جائے گا۔

4۔ لہسن کو روغن زیتون میں کھرل کریں اور اس میں تھوڑے انڈے کی سفیدی ملائیں بس دوا تیار

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک ذہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئیز

☆ کوپن برائے ماہ اکتوبر 2014ء ☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ اعزازیہ اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع...... کٹنگ یا دوبارہ لکھنے والے فوٹو کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1۔ سوال...... ''پانڈا'' نامی جانور کس ملک میں زیادہ پایا جاتا ہے......؟

جواب

2۔ سوال...... اس کھیل کا نام بتائیں جس میں ہر کھلاڑی کی اپنی گیند ہوتی ہے......؟

جواب

3۔ سوال...... انسان نے چاند پر کب قدم رکھا......؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ ستمبر 2014ء کے درست جوابات

(1) جامع مسجد ''استقلال'' ملک ''انڈونیشیا'' میں واقع ہے۔ (2) پاکستان کے صوبے ''خیبر پختونخوا'' میں سب سے زیادہ جنگلات ہیں۔ (3) زمین کے نزدیک سیارے کا نام ''زہرہ'' ہے۔

اس ماہ کی ونر ہیں ''زوبیہ ذیشان ضلع جہلم'' سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

(ادارہ ماہنامہ سچی کہانی لاہور)

پتہ...... سچی کہانی کوئیز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530

ہے۔ جہاں بال اگانے ہوں مالش کریں۔

ثروت جہاں ۔۔۔۔منڈی بہاؤالدین

انسان کے روپ

○ جو مال سے محبت کرتا ہے وہ قارون بن جاتا ہے۔

○ جو سونے سے محبت کرتا ہے وہ چنگیز بن جاتا ہے۔

○ جو ملک سے محبت کرتا ہے وہ سکندر بن جاتا ہے۔

○ جو عدل سے محبت کرتا ہے وہ ہارون بن جاتا ہے۔

○ جو خدا سے محبت کرتا ہے وہ مومن بن جاتا ہے

سید عابد حسین ۔۔۔۔۔۔۔ایبٹ آباد

نابعد ارباں

ایک محفل میں ایک خاتون نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا "بہنو! میں نے برتن صاف کرنے کے لیے بہت سی چیزیں استعمال کیں لیکن یقین کرو شوہر سے بہتر کسی کو نہ پایا!"

ایک تجربہ کار شادی شدہ عورت کا کہنا ہے کہ میں اپنے سرتاج کی کنیز بن کر رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں کیونکہ اس طرح میں اپنے شوہر سے اپنے سارے احکامات کی با آسانی بجا آوری کرا سکتی ہوں۔

ارشد محمود آسی گجرات

"حرم شریف کے متعلق"

1۔ حرم شریف میں آٹھ ہزار پنکھے ہیں۔

2۔ حرم شریف میں ۵۵۰۰۰ ہزار بلب اور ٹیوب لائٹس ہیں۔

3۔ حرم شریف کے اندر تیرا سو چونسٹھ بجھاڑ فانوس ہیں جن کے اندر ۲۱ ہزار بلب ہیں۔

4۔ حرم شریف کے اندر چار ہزار لاؤڈ اسپیکر ہیں۔

5۔ حرم شریف کے اندر چار سو پچاس گھڑیاں ہیں۔ یہ دنیا کی چھ زبانوں میں ہیں اور کچھ گھڑیاں چار ڈائل والی ہیں۔

6۔ حرم شریف کے میناروں پر ۱۳ سرچ لائٹس ہیں۔ ہر سرچ لائٹ میں دو بلب ہیں۔

7۔ حرم شریف کے ۳۵ دروازے ہیں۔

آفتاب احمد ۔۔۔۔۔۔۔۔راولپنڈی

زندگی کیا ہے؟

○ زندگی ایک محبت ہے اس سے لطف اٹھاؤ۔

○ زندگی ایک خوبصورت ہے اس کی قدر کرو۔

○ زندگی ایک کوشش ہے اس کو قبول کرو۔

○ زندگی ایک جرات ہے اس کا سامنا کرو۔

○ زندگی ایک چیلنج ہے اس کو قبول کرو۔

○ زندگی ایک غم ہے اس پر قابو پاؤ۔

○ زندگی ایک فرض ہے اس کو پورا کرو۔

ملک اختر حسین

اقوال زریں

○ جس دل میں برداشت کرنے کی قوت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔

○ زندگی ربڑ استعمال کیے بغیر تصویریں بنانے کا نام ہے۔

○ مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔

○ زندگی کی ضرورتیں کم کرنے سے راحت ہوتی ہے۔

مس فضل حسین۔ تحصیل کھاریاں